حقوقِ مرداں
حقوقِ نسواں

اسلام کی روشن تعلیمات کے آئینے میں

تالیف

حافظ صلاح الدین یوسف

مشیر وفاقی شرعی عدالت پاکستان

نگراں شعبہ تحقیق وتصنیف المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی

تقدیم ونظر ثانی

فضیلۃ الشیخ علامہ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ

مجلس البحث العلمي

المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر



کتاب .... حقوق نسواں اور حقوق مرداں
اسلام کی روشن تعلیمات کے آئینے میں
تالیف .... حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ
مقدمہ .... فضیلۃ الشیخ علامہ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ
ناشر .... المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کراچی
کمپیوٹر لے آؤٹ .... عبدالحمید صغیر / محمد امین شگری
سن اشاعت اول 2016
تعداد اشاعت 1100
قیمت ....

ملنے کا پتہ:
* فضلی سنز (پرائیوٹ) لمیٹڈ، اردو بازار کراچی، فون 32212991، 02132629724
* مکتبہ اسلامیہ، غزنی اسٹریٹ اردو بازار لاہور 042 37244973, 37232369

ناشر



المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر
 info@islamfort.com  +92-21-35896959  www.islamfort.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین



عرض ناشر

فاطمہ! تو آبروئے ملت مرحوم ہے

عورت معاشرے کی ایک بنیادی اکائی ہے، جسے اگر اس کائنات سے نکال دیا جائے تو یہ دنیا بے لطف اور بدمزہ ہو جائے۔ بقول علامہ اقبال مرحوم

؎ وجودِ زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ

اللہ تبارک وتعالیٰ کی حکمت کاملہ کا تقاضا تھا کہ تناسل کے سلسلے کو جاری رکھنے کے لیے عفت و پاکدامنی سے بھرپور ایک خاندانی نظام تشکیل دیا جائے جس میں عورت کو کلیدی کردار دیا جائے۔ چنانچہ مرد اور عورت زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ٹھہرے جن میں سے ایک بھی گم ہو جائے تو زندگی کی یہ گاڑی اپنی منزل مقصود تک نہیں پہنچ پائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں عورت اور مرد کا وجود خاندانی نظام کی فلاح و بہبود کے لیے لازمی قرار دیا وہیں ان دونوں میں ایک دوسرے کے لیے ایک کشش پیدا فرما دی کہ ایک دوسرے کی طرف نہ چاہتے ہوئے بھی کھنچے چلے آتے ہیں اس چاہت کا ہی نتیجہ ہے کہ مرد نے عورت کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو کر زمین میں فساد برپا کیا اور خون بہایا تو عورت کے اندازِ دلربائی اور اُسلوبِ عشوہ طرازی نے اسے خراجِ تحسین بخشا۔

اسلام چونکہ دین نعمت و رحمت ہے اس کی تعلیمات زندگی کے جملہ شعبہ ہائے جات میں توازن برقرار رکھتی ہیں تاکہ اخلاق و کردار اور عفت و حیا کا جنازہ نہ نکلے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کی طبیعت میں جہاں ایک دوسرے کی جانب فطری میلان رکھا وہیں ایسی سخت ہدایات و تعلیمات اور احکامات جاری کر دیے کہ یہ میلان بے راہ روی اور شتر بے مہاری کا شکار

نہ ہوجائے ۔ اس لیے ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں مرد وعورت اور ان کے مابین تعلقات چاہے وہ نکاح ، طلاق ، خلع ، رضاعت الغرض کسی بھی شکل میں ہوں ایک ایک کی وضاحت کردی ہے اور تعلیمات دے دی ہیں ۔ جو عین عدل ہیں ۔لیکن چند منحرف الطبع لوگوں اور مغرب کے خوشہ چینوں نے ان تعلیمات کو مبنی بر ظلم قرار دیا اور آزادیٔ نسواں کے نام سے تحریکیں چلا کر اخلاقیات ، اقدار واطوار اور خاندانی نظام کا شیرازہ بکھیر دیا۔عورت کی آزادی کے نام پر اخلاقی بے راہ روی اور مادر پدر آزادی کے خوب وسائل پیدا کیے گئے اور نوبت یہاں تک آ پہنچی کہ آج چار سالہ معصوم بچی بھی درندگی سے محفوظ نہیں رہی ۔ یہ تحریکیں محض مغرب تک محصور نہیں رہیں بلکہ اسلامی ملکوں میں ان کی بھرپور آبیاری کی گئی ، مالی وسائل فراہم کیے گئے اور اب یہ تحریکیں اسلامی ممالک میں ایک تناور درخت بن چکی ہیں ۔آج کیفیت یہ ہے کہ تقریباً تمام اسلامی ممالک اس تباہ کن اور ہلاکت خیز فتنے کی زد میں آکر آزادیٔ نسواں کا راگ الاپنے میں مشغول ہو گئے ہیں ۔آزادی نسواں کے نام سے عریانی وفحاشی کا گندا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ آزادی اور مساوات کے نام سے مغرب نے ایسا گھناؤنا کھیل کھیلا ہے جس میں عورت ایک بکاؤ مال بن کر رہ گئی ہے۔انہوں نے اسے چادر و چار دیواری سے نکال کر چوراہے پہ لا کھڑا کیا ہے۔

مغربی تھنک ٹینک اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہیں کہ عورت کو بگاڑ دو تو باقی معاشرہ ازخود زمین بوس ہوجائے گا اس لیے انہوں نے نہایت آسان ہدف تلاش کر کے اس پر کام کیا اور ایک حد تک وہ اپنے اس گھناؤنے مقصد میں کامیاب بھی ہوئے لیکن اب یہ ان کی لگائی ہوئی آگ ایسی بھڑکی ہے کہ ان کے قابو سے بھی باہر ہو چکی ہے ۔عورت کی معاشرتی اور سماجی حیثیت واہمیت کا اہل مغرب کے ادراک کا اندازہ آپ اس سے لگائیں کہ اقوام متحدہ جو ایک

بین الاقوامی ادارہ ہے اوراس کے سرکردہ مغربی لوگ ہیں انہوں نے عورت کوتخریب کار بنانے کے لیے اس قدر جتن کیے کہ اس وقت یو این (UN) میں تقریبا 15 کے لگ بھگ ایسے انتظامی ادارے اور تنظیمیں موجود ہیں جو محض عورت اور اس سے ملحقہ مسائل پر ہی ریسرچ کرتے ہیں اور پھر اس سے متعلقہ مسائل پر سیمینارز منعقد کر کے خواتین کے حوالے سے مقالہ جات وتحقیقات پیش کرتے ، اور مسائل کا حل اپنی پراگندہ فکر کے مطابق تلاش کرنے اور اس معاشرتی کمزوری سے مزید فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتے ہیں ۔ ان انتظامی اداروں اور تنظیموں میں سے چند کی تفصیل یہاں ملاحظہ کریں :

1 Commission on the Status of Women

یہ اقوام متحدہ کی ایک مستقل کمیٹی ہے جس کے 45 کے لگ بھگ مما لک ممبرز ہیں ان کا سالانہ اجلاس ہوتا ہے جس میں ''عورت کے مقام ومرتبہ'' کے حوالے سے سفارشات ، مسودات اور رپورٹیں پیش کی جاتی ہیں ۔

2 UNFPA

(United Nations Population Fund)

3 UNIFEM

(United Nations Development Fund for Women)

4 UNDP

(United Nations Development Programme)

5 International Research and Training Institute for the Advancement of Women.

United Nations University

United Nations Research Institute for Social Development.

8 Committee on the Elimination of Discrimination against Women. [1]

مغرب عورت کو مرد کے دوش بدوش لانا چاہتا ہے چنانچہ معاشرت، معیشت، سیاست اور زندگی کے ہر میدان میں عورت کو بھی ان تمام ذمہ داریوں کا حق دار گردانا گیا جواب تک صرف مرد پوری کیا کرتا تھا۔

وہ اس سب کو عورت کی آزادی سے تعبیر کرتے ہیں لیکن کج فہم یہ نہیں سمجھتے کہ انہوں نے عورت کو ایک عزت دار شوہر، بھائی، باپ، بیٹے کی کفالت سے نکال کر سارے سماج کا غلام بنا دیا۔ جو عورت گھر میں اپنے باپ، شوہر کا آرڈر سنتی اور مانتی تھی اب وہ مختلف المزاج بوس اور ہوس کے مارے لوگوں کی غلامی کرے گی۔

اس غلامی کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ بے شمار قوانین ، خواتین کے حقوق کی تنظیمیں اور عالمی ادارے بنانے کے باوجود مغربی معاشرہ میں عورت کا یہ حال ہے کہ **ان ممالک میں** اسے عزت وآبرو کا کوئی تحفظ حاصل نہیں اور آئے دن وہاں کیا صورتِ حال ہے یہ آپ اخباری رپورٹوں میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ حال ہی میں(10 گست 2016 کو)ایک رپورٹ جو بی بی سی اردو(BBC-Urdu)،اور عربی چینل الجزیرہ نے نشر کی وہ ملاحظہ فرمائیں۔

[1] دیکھئے:العدوان علی المرأة فی المؤتمرات الدولیة ،تالیف ڈاکٹر فواد بن عبدالکریم

50 فیصد ملازم پیشہ خواتین کو جنسی ہراس کا سامنا

برطانیہ میں ٹریڈ یونین کانگریس (ٹی یوسی) کی نئی تحقیق کے مطابق دفاتر میں کام کرنے والی نصف سے زیادہ خواتین کو جنسی طور پر ہراساں کیا جاتا ہے اور ان میں سے متعدد نے تسلیم کیا ہے کہ انہوں نے اس کے متعلق کسی سے بات نہیں کی۔

ڈیڑھ ہزار خواتین پر کیے جانے والے سروے کے مطابق ایک تہائی خواتین کو ناپسندیدہ لطائف کا نشانہ بنایا گیا جب کہ ایک چوتھائی کو ان کی مرضی کے بغیر چھوا گیا۔

ٹی یوسی کی سربراہ فرانسس اوگریڈی کا کہنا ہے کہ ایسی متاثرہ خواتین کو شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا اور وہ خوفزدہ بھی ہوئیں۔

اوگریڈی نے اسے 'سکینڈل' قرار دیتے ہوئے کہا کہ چند خواتین نے محسوس کیا کہ ان کے مالکان اس مسئلے سے پوری طرح نمٹ رہے تھے۔

ٹی یوسی کا کہنا ہے کہ دفتروں میں کام کرنے والی خواتین کو جنسی طور پر ہراساں کرنے کے کئی طریقے ہیں جن میں اپنے ساتھی کی جنسی زندگی کے بارے میں غیر مناسب تبصرے اور مذاق کرنا، انھیں ان کی مرضی کے بغیر چھونا، گلے لگانا یا بوسہ لینا یا پھر تعلقات قائم کرنے کے لیے مطالبہ کرنا شامل ہیں۔

سروے کے مطابق ان دس میں سے نو واقعات کے مرتکب مرد ہوتے ہیں جب کہ ہر پانچ میں سے ایک خاتون (17 فیصد) کا کہنا ہے کہ ان واقعات میں ان کے لائن مینیجر ملوث ہوتے ہیں یا پھر وہ جوان پر براہِ راست اختیار رکھتے ہیں۔

جنسی طور پر ہراساں ہونے والی 79 فیصد خواتین کا کہنا ہے کہ انھوں نے اپنے آجر کو اس بارے میں آگاہ نہیں کیا۔

28 فیصد خواتین کا کہنا ہے کہ انھوں نے اس خوف سے اس بات کی شکایت درج نہیں کروائی کیونکہ ایسے کرنے سے دفتر میں ان کے کام کرنے پر اثر پڑے گا جب کہ 15 فیصد خواتین کے مطابق ان کے کیرئیر پر اثر پڑ سکتا ہے۔

تقریباً 24 فیصد خواتین نے ان واقعات کی شکایت نہیں کی کیونکہ ان کے خیال میں ایسے کرنے سے ان پر اعتبار نہیں کیا جائے گا یا پھر انھیں سنجیدہ نہیں لیا جائے گا جب کہ 20 فیصد خواتین کا کہنا ہے کہ ایسا کرنے سے انہیں شرمندگی ہوگی۔

جنسی طور پر ہراساں ہونے والی خواتین میں کم عمر کی ملازمت پیشہ خواتین کا تناسب سب سے زیادہ ہے۔

سروے کے مطابق 18 سے 24 سال کی تقریباً دو تہائی (63 فیصد) خواتین کا کہنا ہے کہ انھیں دفاتر میں جنسی طور پر ہراساں کیا گیا۔

ٹی یوسی کا کہنا ہے کہ نوجوان خواتین کے ساتھ عام طور پر سرسری معاہدے کیے جاتے ہیں جیسا کہ عارضی ایجنسی یا صفر گھنٹے کے معاہدے۔ ایسی خواتین کو دفاتر میں زیادہ تر چھوٹے کام دیے جاتے ہیں اور یہی جنسی طور پر ہراساں کرنے کے عوامل ہوسکتے ہیں۔ [1]

اس سب کی وجہ یہ ہے کہ بقول شاعر

القاه فی الیم مکتوفا وقال له ------- ایاک ایاک ان تبتل بالماء

میرے ہاتھ پاؤں باندھ کر دریا میں پھینک دیا اور پھر کہا کہ خبردار پانی میں بھیگنا مت۔ !

[1] women_sexualy_harrassed_survey_rwa#share-tools160810/08/ www.bbc.com

اس معاشرے نے عورت کو بے لباس کر کے ہوس پرستوں کے ساتھ بٹھادیا پھر کہا کہ خبردار عزت ہاتھ سے نہ جانے پائے۔

مغربی فکر اور نظریات کو جب اسلامی معاشروں میں ہمنوائی ملی تو اس سے فحاشی و عریانت کا فلسفہ ہی بدل گیا۔ جس کی تصویر ایک لکھاری نے ان الفاظ میں کھینچی ہے:

''اگر خواتین کا ناچ ناچ کے دودھ بیچنا، نہاتا ہوا دکھا کے صابن شیمپو بیچنا، لیٹ لیٹ کے صابن شیمپو بیچنا'' لگے رہو ساری رات'' بول کے انٹرنیٹ پیکج بیچنا، بیڈ پہ سوتا ہوا دکھا کے میٹریس بیچنا، لڑکوں کی ہیئر جیل، پرفیوم اور باڈی سپرے پہ مرتا ہوا دکھانا'' واؤ سموتھ'' کہتے ہوئے مرد کی شیونگ کریم اور ریزر بیچنا، ٹانگوں سے کپڑا اہٹا کے'' نرم وملائم'' سکن دکھا کے ہیئر ریمونگ کریم بیچنا۔ اگر یہ سب فحاشی اور عریانی نہیں ہے تو مبارک باد دیں حکمرانوں کو اور میڈیا کو جنہوں نے آپ کا لائف سٹائل تو مغرب جیسا نہیں بنایا مگر لاکھوں میل دور آپ کا تھنکنگ سٹائل ضرور ان جیسا کر دیا''۔

اس کے برعکس اسلام نے عورت کو جو تحفظ دیا وہ کسی مذہب، فکر اور فلسفہ میں موجود نہیں ہے ۔اسلام نے ہی عورت کو جدید معاشرے میں بھی اس کا صحیح مقام دیا ہے۔ بھائی، باپ، بیٹے شوہر کی صورت میں اسے مستقل محافظ مہیا کئے۔عورت چاہے ماں ہو، بہن ہو یا بیوی یا بیٹی اسلام نے اس کو جو تقدس وعزت دی اس نعمت کا ادراک وہی کرسکتا ہے جس نے سکے کے دونوں رخ دیکھے ہوں۔ اسلام حقوق کے باب میں برابری کا نہیں بلکہ عدل کا ضابطہ متعین کرتا ہے۔ برابری یہ کہتی ہے کہ عورت بھی کمائے اور مرد بھی جبکہ عدل کہتا ہے کہ عورت کمائے گی تو اس پر ظلم ہوگا اس کی ساکھ مجروح ہوگی اسے بری نظروں کا سامنا کرنا پڑے گا لہذا اس کے

لئے سب سے موزوں مقام اس کے گھر کی چار دیواری ہے۔ دوسری جو یہاں قابل توجہ بات ہے وہ یہ کہ خواتین کے یا انسانی حقوق کے تحفظ کے نام سے جتنی بھی تنظیمیں قائم ہیں وہ سب محض نوجوان عورت کے حقوق کے تحفظ کی بات کرتی ہیں جس سے ان کا مقصد اپنے پھیلائے ہوئے جال میں انہیں پھانسنا ہے جبکہ بوڑھی عورتوں کمزور وناتواں اور چھوٹی بچیوں کے حقوق کی کوئی بات نہیں کرتا۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ نعرہ کے در پردہ مقاصد کچھ اور ہیں یعنی ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور ہیں اور کھانے کے اور۔

الغرض مغرب نے صنف نازک کو گھر سے نکال کر کھلواڑ بنایا جبکہ اسلام نے اسے گھر کی چار دیواری میں رکھ کر عزت دی اور اس کے تحفظ کیلئے نگہبان مقرر کردئے تا کہ اس صنف نازک کو گھریلو ذمہ داریاں پوری کرنے میں کوئی تکلیف پیش نہ آئے۔ اسلام کے عورت اور مرد کے لیے متعین کردہ انہی اعلیٰ حقوق کا تذکرہ مؤقر عالم دین مصنف کتب کثیرہ فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ کی اس کتاب میں ہے۔ شیخ حفظہ اللہ نے اس موضوع پر بہت اعلیٰ داد تحقیق دی ہے، اور حقوق نسواں اور حقوق مرداں کے حوالے سے پیش آمدہ ایک ایک پہلو پر دلائل و براہین سے مزین سیر حاصل اور تشفی بخش بحث کی ہے۔ کتاب کی ایک نمایاں اور امتیازی بات حالیہ دنوں پنجاب اسمبلی میں پیش ہونے والے "تحفظ نسواں بل" پر بھی نقد و تجزیہ شامل ہے۔ محدث العصر محترم فضیلۃ الشیخ علامہ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ نے کتاب پر ایک جامع اور جاندار مقدمہ تحریر کر کے اس کی افادیت کو مزید چار چاند لگا دیے۔ حقوق مرداں اور حقوق نسواں سے متعلق تفصیلی عناوین قارئین کتاب میں ملاحظہ کریں گے۔

اس کتاب کے پڑھنے سے مغربی افکار کے اسیر افراد کے فکری سلاسل بھی کھلیں گے اور مرد و خواتین کے اسلامی احکام سے متعلق اٹھنے والے اعتراضات کی بھی بیخ کنی ہوگی اور مغرب

زدہ لوگوں کا اٹھایا ہوا وہ گردو غبار کافور ہو جائے گا، جو اسلامی تعلیمات سے لاعلمی و بے خبری کے نتیجے میں پھیلا ہوا ہے۔

اس کتاب کا مطالعہ مرد و عورت دونوں کے لیے نہایت ضروری ہے تا کہ ہر ایک اپنے ذمہ واجب حقوق کی ادائیگی میں کسی طرح کے پس وپیش سے کام نہ لے ۔ اور وہ حقوق ادا کر کے اپنے گھر، معاشرے کو خوشیوں کا گہوارہ بنائے اور اپنے لیے ذخیرہ آخرت جمع کرے۔

ادارہ خلوص دل سے دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ شیخ محترم کے علم وعمل اور عمر میں برکت عطا فرمائے اور اس عمل خیر کو ان کے اس لئے توشہ آخرت بنائے اور قارئین کو اس سے کما حقہ استفادہ کرنے کی توفیق دے۔

آخر میں المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر اپنے متعلقہ ان احباب کے جہود و مساعی کا بھی تہہ دل سے مشکور ہے جنہوں نے اس کتاب کی پروف ریڈنگ، تزئین وترتیب، تخریج اور طباعت کے اہتمام میں ادارہ کی معاونت کی جن میں شیخ عثمان صفدر، شیخ عبد المجید محمد حسین بلتستانی سرفہرست ہیں اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ اس اجر میں انہیں بھی حصہ دار بنائے۔ انہ ولی التوفیق

کتبہ

خالد حسین گورایہ

مدیر سہ ماہی البیان کراچی



مقدمہ

فضیلۃ الشیخ علامہ عبد اللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ

الحمدللہ والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ، وبعد

شریعتِ مطہرہ نے عورتوں اور مردوں کے حقوق وواجبات میں، ان کی ظاہری و باطنی صلاحیتوں کے پیشِ نظر انتہائی عمدہ توازن قائم کیا ہے، مذاہبِ عالَم پر دقیق نگاہ رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ شریعتِ مطہرہ میں موجود توازن کی کسی مذہب میں نظیر نہیں ملتی، بلکہ دنیا کے مذاہب ہمارے اعتدال وتوازن کے محاسن کی دھول بھی نہیں پا سکے۔

کتاب وسنت میں عورتوں سے متعلق جابجا موجود فرامین اس بات پر شاہدِ عدل ہیں کہ عورت مسلم معاشرہ میں انتہائی وقیع الشان اور رفیع القدر ہے، اس کی حشمت وتکریم کا تقاضا یہ ہے کہ اسے ایک ''درمکنون'' کا درجہ دیا جائے، ایک ایسا گوہر نایاب جو متاعِ انسانی میں سب سے زیادہ قدرو قیمت کا حامل و مستحق ہوتا ہے، ایک عورت ذات لائقِ تکریم وتحسین کیوں نہ ہو، مستحقِ تقدیر وتشریف کیوں نہ قرار پائے کہ قیامت کے دن مَردوں کو حاصل ہونے والا سب سے بڑا اعزاز، اُسی کے رہین منت ہے:

عن أنس قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ((من عال جاریتین دخلت أنا وھو الجنۃ کھاتین، وأشار بأصبعیہ)).[1]

یعنی: انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص

[1] سنن الترمذی: أبواب البر والصلۃ،باب ما جاء في النفقۃ علی البنات والأخوات حدیث:1914

دولڑکیوں کی کفالت وتربیت کرنے میں کامیاب ہوجائے،حتیٰ کہ وہ بالغ ہوجائیں، میں اور وہ جنت میں یوں چپک کر داخل ہوں گے(آپ نے درمیانی اورشہادت کی انگلیوں کوجوڑکراشارہ کرکے بتایا)

عورت کے ''درمکنون'' ہونے کا معنی یہ ہے کہ اپنے کی چاردیواری میں پورے حشمت ووقار کے ساتھ ایک ملکہ کے طور پر رہے، سیاستِ منزلیہ خاتون ہی کے مناسبِ حال اور متناسقِ طبع ہے، جبکہ ہر قسم کی خارجی سیاست مرد کوتفویض کی گئی ہے، شریعت اس ''درمکنون'' کوگھر کے اندروباہر کس روپ میں دیکھنا چاہتی ہے؟

① ﴿ وَاِذَا سَاَلۡتُمُوۡهُنَّ مَتَاعًا فَسۡـَٔلُوۡهُنَّ مِنۡ وَّرَآءِ حِجَابٍ ذٰلِكُمۡ اَطۡهَرُ لِقُلُوۡبِكُمۡ وَقُلُوۡبِهِنَّ ﴾ [الاحزاب :53]

ترجمہ: ''اور جب تم اُن (عورتوں) سے کسی چیز کا سوال کروتو پردہ کے پیچھے سے سوال کرو، یہ تمہارے اوراُن کے دلوں کی پاکیزگی کا باعث ہے۔''

ملاحظ کیجئے کہ اخلاقی بگاڑ سے بچاؤ کیلئے پردہ کیسی ڈھال ہے، بلکہ حفاظت وحصار کا ایک مضبوط قلعہ ہے۔

② شریعت مطہرہ اس ''درمکنون'' کواجنبی مردوں سے بوقت ضرورت بات کرنے کا ادب سکھلاتی ہے:

﴿فَلَا تَخۡضَعۡنَ بِالۡقَوۡلِ فَيَطۡمَعَ الَّذِىۡ فِىۡ قَلۡبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلۡنَ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا﴾ [الاحزاب :32]

ترجمہ: نرم لہجے سے بات نہ کروکہ جس کے دل میں روگ ہو وہ کوئی براخیال کرے اور ہاں قاعدے کے مطابق کلام کرو''۔

ثابت ہوا کہ عورت کا پردہ میں ہوتے ہوئے ، نرم لہجے سے بات کرنا بھی فتنہ انگیز ہے (لہذا اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرمادیا)۔

3 ﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ﴾ [الاحزاب33]

ترجمہ: اور اپنے گھروں میں ٹکی رہو۔

اس آیتِ کریمہ کے پیشِ نظر، عورتوں کے کردار کو اپنے گھروں کو ٹھکانہ بنائے رکھنے اور باہر نہ نکلنے کی جانب مبذول کرایا گیا ہے (گویا امورِ خانہ کی سیاست ہی عورتوں کی جدو جہد کا محور ہے)

ابن العربی فرماتے ہیں: ''مجھے ایک ہزار سے زائد بستیوں میں جانے کا موقع ملا ہے، میں نے نابلس کی عورتوں سے زیادہ، اپنے بچوں اور اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کرنے والی عورتیں نہیں دیکھیں، نابلس وہ شہر ہے جس میں ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تھا۔''

ابن العربی مزید فرماتے ہیں: ''میں نے نابلس میں کئی مہینے قیام کیا، میں نے جمعہ کے دن کے علاوہ، دن کے وقت کسی راستے پر کبھی کوئی عورت نہیں دیکھی، نابلس کی عورتیں جمعہ کے روز نکلا کرتی تھیں، حتی کہ پوری مسجد ان سے بھر جایا کرتی تھی، اور جب نماز ادا ہو جاتی تو وہ اپنے اپنے گھروں کی طرف لوٹ آتیں، اور پھر اگلے جمعہ تک کوئی خاتون دکھائی نہ دیتی۔''

اور میں نے مسجدِ اقصیٰ میں بھی کئی پاک دامن عورتوں کو دیکھا ہے جو اپنے حُجروں سے کبھی باہر نہ آتیں، حتی کہ وہیں ان کی وفات ہو جاتی۔'' [1]

محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''مجھے ام المؤمنین سودہ رضی اللہ عنہا کے بارہ میں یہ بات

---

[1] احکام القرآن لابن العربی 1535/5

معلوم ہوئی ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا: کیا وجہ ہے آپ دوسری خواتین کی طرح حج یا عمرہ کیلئے کیوں نہیں جاتیں؟ فرمایا: میں حج بھی کر چکی ہوں اور عمرہ بھی، مجھے میرے رب نے اپنے گھر میں ٹکے رہنے کا حکم دیا ہے، لہٰذا اللہ کی قسم! میں اپنے گھر سے ہرگز باہر نہ نکلوں گی، حتی کہ موت آجائے۔'' (محمد بن سیرین فرماتے ہیں: اللہ کی قسم! وہ اپنے حجرہ کے دروازے سے کبھی باہر نہ نکلیں، حتی کہ وفات کے بعد ان کا جنازہ برآمد ہوا۔)

میری مسلمان بہنو! شریر قسم کے لوگوں کی چکنی چپڑی باتیں، بڑی قوت سے سامنے آکر بہلانے پھسلانے کا کام کر رہی ہیں اور ستم بالائے ستم یہ کہ اس طوفانِ بدتمیزی کے آگے بند باندھنے والے یا تو ناپید ہو چکے ہیں یا انتہائی کمزور، لہٰذا اپنے گھروں کو لازم پکڑلو، پھر اپنے گھروں کو لازم پکڑلو اگر فلاح چاہتی ہو۔

عاتکہ بنت زید رضی اللہ عنہا رات کے وقت مسجد جانے کیلئے اپنے گھر سے نکلا کرتی تھیں، پھر نکلنا چھوڑ دیا، پوچھا گیا: آپ نے ایسا کیوں کیا؟ فرمایا: ''میں ان دنوں نکلا کرتی تھی جب لوگ واقعی لوگ تھے (یعنی شریفانہ ماحول تھا) اب تو لوگوں میں بہت بگاڑ آچکا ہے، لہٰذا میرے گھر کی چار دیواری میرے لئے کافی ہے''۔

ایسی عورت کیلئے دربارِ نبوت سے یہ بشارت وارد ہوئی ہے:

«أقرب ما تكون من وجه ربها وهي في قعر بيتها» [1]

یعنی: وہ عورت سب سے زیادہ اپنے رب کے چہرے کے قریب ہے، جو اپنے گھر میں کسی اندرونی حصہ میں بیٹھی رہتی ہے۔

(4) ﴿وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ﴾ (الاحزاب:33)

[1] صحيح ابن خزيمة :كتاب الصلاة المختصر... بَابُ اخْتِيَارِ صَلَاةِ الْمَرْأَةِ فِي بَيْتِهَا ..1685،صحيح ابن حبان:(5598،5599)

ترجمہ: ''اور قدیم جاہلیت کے زمانے کی طرح اپنے بناؤ سنگھار کا اظہار نہ کرو''۔

امام لیث رحمہ اللہ تبرج کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: عورت کا اپنے چہرے اور جسم کے محاسن کو ظاہر کرنا تبرج ہے، ساتھ ساتھ اس کی نگاہوں سے حسنِ نظر یعنی اشتیاق جھلکتا ہو۔'' [1]

لسان العرب میں ہے: ''عورت کا اپنے چہرہ کو ننگا کرنا ہی تبرج ہے''۔

(5) ﴿وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ﴾ [النور: 31]

ترجمہ: اور اپنی زینت کو کسی کے سامنے ظاہر نہ کریں، سوائے اپنے خاوندوں کے...... الآیۃ۔

(6) ﴿وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ﴾ [النور: 31]

ترجمہ: ''اور اس طرح زور زور سے پاؤں مار کر نہ چلیں کہ ان کی پوشیدہ زینت معلوم ہو جائے''۔

سبحان اللہ! شریعتِ مطہرہ نے خاتون کے قدموں کی آہٹ کو بھی پردے میں رہنے کی ترغیب دی ہے، ایک خاتون کیلئے پاؤں پٹخ پٹخ کر چلنا بھی ناجائز قرار دیا ہے، اور اگر پاؤں میں پازیب پہن رکھی ہے تو اس کی جھنکار بھی مَردوں کی سماعت تک نہ پہنچنے پائے کہ یہ بھی موجب فتنہ ہو سکتی ہے۔

قارئین کرام! ہم نے قرآن حکیم کے چند مقامات سے یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ شریعت مطہرہ خاتون کو عزت وکرامت کے کس مرتبہ پر فائز کرنا چاہتی ہے اور اس کا طریقِ کار اور حدود تک متعین کرتی ہے، ایک خاتون کی بہتری نیز معاشرے کی صلاح واستقامت، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین کی تکمیل میں ہے۔ ہر وہ بل یا

[1] روح المعانی: (8/11)

نعرہ جو ان مقاصد کے خلاف ہوگا، بہت زیادہ معاشرتی بگاڑ کا باعث ہوگا، اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں چھنتی جائیں گی اور رفتہ رفتہ پورا معاشرہ قعرِ مذلت کی نذر ہو جائے گا۔

حقوقِ نسواں کے تعلق سے سامنے آنے والا حالیہ بل نہ صرف یہ کہ کتاب وسنت کے منافی ہے بلکہ خواتین کے حشمت ووقار پر بھی ایک ضربِ کاری کے مترادف ہے، جو کسی صورت قابل قبول نہیں ہوسکتا۔

جونہی یہ بل صادر ہوا، جماعت اہل حدیث کے محقق اور متبحر عالم دین، مجاہد ملت ،مفسر قرآن حافظ صلاح الدین یوسف حفظه الله تعالیٰ ورعاه ورزقه الصحة والسلامة والعافية في دينه ودنياه. کا قلم سیال جو ہمیشہ حق کا ترجمان رہا ہے، فوراً حرکت میں آ گیا اور اس بل کے جملہ ماله وما عليه کو انتہائی پختہ دلائل کے ساتھ آشکارا کر دیا۔

یہی علماء حق کی پہچان ہے، علماء حق پر ہمیشہ حق کو باطل کی آمیزش سے پاک صاف کرنے کی لگن اور دھن سوار رہتی ہے، حارث بن حدان کا قول ہے: ہر فتنہ شبہ کی پیداوار ہوتا ہے اور حجت وبیان کے بعد راہِ فرار اختیار کر جاتا ہے۔

حافظ صاحب حفظہ اللہ نے اپنی اس مایہ ناز تالیف میں سب سے پہلے عورت کے مقام کو کتاب وسنت اور فہم سلف کی روشنی میں واضح فرمایا ہے، پھر ان امتیازی خصوصیات کی مختصر وضاحت کی ہے جن میں اسلام نے مرد وعورت کے درمیان فرق کیا ہے، نیز ان کی حکمتوں کو بھی واضح فرمایا ہے، اس کے بعد ان حقوق کو بیان کیا ہے جو ایک مرد پر عورتوں کی بابت عائد ہوتے ہیں، نیز ان حقوق کی بھی وضاحت فرمائی ہے جو ایک عورت پر مرد کی بابت عائد ہوتے ہیں۔

یہ کتاب ،کتاب وسنت کے دلائل سے مبرہن ہونے کے ساتھ ساتھ فصاحت وبلاغت اورحسن ادب کا بھی حسین امتزاج ہے۔ہم تمام قارئین کواول تا آخر کتاب کے مطالعہ کی دعوت دیتے ہیں، نیز اربابِ اختیار سے بصد ادب ملتمس ہیں کہ اس بل کے تعلق سے ہراس اقدام کی نفی کردی جائے جو شرعی دلائل اور شرعی اہداف ومقاصد سے متصادم ہے، واللہ ولی التوفیق

ہم محترم حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ کی صحت وعافیت نیز درازیٔ عمر اور اضافہ علم وعمل کی دعا کرتے ہیں اور ہمیشہ دعا گورہیں گے، نیز یہ دعا بھی کرتے ہیں کہ اس سسکتی، ڈوبتی اور دم توڑتی انسانیت کیلیئے یہ کتاب ایک نسخۂ فلاح وسعادت ثابت ہو اور بیماروں کیلیئے اکسیرِ حیات کا کام کرجائے۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کی طباعت کے تعلق سے ہمارے مرکز مدینہ کے ساتھیوں کو جزاء کثیر اور اجر جزیل عطا فرمائے ،انہیں اسی طرح کے مزید کارنامے رقم کرنے کی توفیق عطا فرمائے اوراس کتاب کوایک بڑی دنیا کے نفع کا باعث بنادے۔

وصلی اللہ علی نبینا محمد وبارک وسلم.



عرض مؤلف

جب سے پنجاب کی صوبائی اسمبلی نے ''تحفظ حقوق نسواں'' بل پاس کیا ہے، اس وقت سے ہی علماء اس کے خلاف سراپا احتجاج ہیں۔

اس کی کیا وجہ ہے؟

کیا علمائے اسلام، عورتوں پر بے جا تشدد اور ناجائز تعدّی اور ظلم کو پسند کرتے ہیں؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ بلکہ وہ تو عورت کو گھر کی ملکہ سمجھتے اور ملکہ ہی بنا کر رکھنا چاہتے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ اسلام نے عورت کو یہی مقام دیا ہے۔ علماء اس کے اس مقام کا تحفظ چاہتے ہیں۔

وہ عورت کے کسب معاش کے لئے در بدر کی ٹھوکریں کھانے کو عورت کا حق نہیں سمجھتے بلکہ اس میں اس کی ذلت اور اس پر ظلم سمجھتے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ اسلام نے اس پر یہ ڈبل بوجھ نہیں ڈالا ہے کہ وہ حمل اور ولادت کی تکلیفیں بھی برداشت کرے، امور خانہ داری بھی انجام دے، خاوند کی خدمت اور بچوں کی دیکھ بھال بھی کرے اور اس کے ساتھ دفتروں اور کارخانوں میں کلرکی اور مزدوری بھی کرے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اس کو پہلے کاموں (گھریلو امور) کے لئے پیدا کیا ہے اور اس کے اندر صلاحیتیں بھی اسی انداز کی رکھی ہیں تو بیرون در کے کاموں کا بوجھ اس پر کیوں ڈالا جائے؟ جب اللہ نے اس پر یہ دوہری ذمے داری نہیں ڈالی ہے تو مغرب کے نظریۂ مساوات کی بھونڈی نقالی میں علماء عورت پر اس ظلم کو کب جائز قرار دے سکتے ہیں؟ وہ اس کے نہ مجاز ہیں اور نہ ان کا منصب ہی اس کو برداشت کرنے کی اجازت دیتا ہے۔

پاکستان کا آئین بھی اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ قرآن وسنت کے خلاف قانون سازی نہیں ہوسکتی جب کہ یہ بل سراسر قرآن وحدیث کی واضح تعلیمات کے خلاف ہے۔ بنابریں یہ بل آئین پاکستان کے بھی خلاف ہے اور قوانین الٰہیہ کے بھی برعکس کہ اس میں مردوں والا مقام عورت کو اور عورتوں والا مقام مردوں کو دینے کی مذموم سعی کی گئی ہے جو ایک مسلمان معاشرے میں نہ صرف یہ کہ نا قابل قبول ہے بلکہ یکسر نا قابل عمل ہے۔

علماء بجا طور پر سمجھتے ہی نہیں بلکہ دو اور دو چار کی طرح یہ یقین رکھتے ہیں کہ اس بل سے عورت کو قطعاً کوئی تحفظ حاصل نہیں ہوگا بلکہ اس کو جتنا کچھ تحفظ ۔لوگوں کی جہالت اور اسلام کی تعلیمات سے نا آشنائی کے باجود ملا ہوا ہے، وہ اس سے بھی محروم ہوجائے گی۔

کیونکہ تمام تر بے عملی اور اسلام سے نا آشنائی کے باوجود، مرد کی فطری قوّامیت کا تصور مسلمان کی ضمیر اور خمیر میں گندھا ہوا ہے۔ جو عورت اس فطری تصور کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے مرد کی اطاعت گزار اور وفا شعار بن کر امور خانہ داری سرانجام دیتی ہے، نوے فی صد مسلمان مرد بھی عورت کی عزت ووقار کو ملحوظ رکھتے اور ان کی ہر طرح ناز برداری کرتے ہیں۔ اور یوں نوے فی صد گھروں میں الحمدللہ امن وسکون ہے اور وہ دونوں عسر و یُسر میں ایک دوسرے کے ساتھی اور تکلیف وراحت میں ایک دوسرے کے ہمدرد وغم خوار ہیں۔

مغرب کو اور مغرب زادوں کو یہی غم کھائے جا رہا ہے کہ مسلمان عورت کو بے پردہ کرنے کے باوجود ان کا حرم ابھی تک محفوظ ہے جب کہ مغرب میں وہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوچکا ہے۔ مسلمان عورت کو مسلمان گھرانوں میں جو تحفظ ملا ہوا ہے، وہ اس میں نقب لگا کر اس حصار کو توڑنا چاہتے ہیں۔

عورت کے بارے میں اس طرح کی قانون سازی کر کے، جس کا ایک نمونہ زیر بحث بل ہے، مغربی شاطر اور ان کے فتراک کے نخچیر مغرب کی حیاباختہ تہذیب کو یہاں مسلط کرنا چاہتے ہیں۔

ورنہ یہ مغرب گزیدہ لوگ بتلائیں کہ بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں کون سا طبقہ ہے جو لوگوں کے ظلم وستم سے، سرکاری اہل کاروں کی فرعونیت سے، حکومت کی عوام دشمن پالیسیوں سے، عدالتوں میں ناجائز مقدمات کی بھرمار اور ججوں کی انصاف فروشی سے، قبضہ گروپوں اور پٹواریوں کی ظالمانہ حرکتوں سے اور اہل سیاست کی تماش بینیوں سے محفوظ ہے؟

کیا صرف عورت ہی ہمارے معاشرے میں مظلوم ہے؟ جب کہ واقعہ یہ ہے کہ نوے فی صد گھرانوں میں عورت کا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ صرف بہ مشکل ۱۰ فی صد لوگ ہوں گے جو عورت کے ساتھ ناجائز برتاؤ کرتے ہیں۔ اور اس کی وجہ صرف ان کی جہالت، یا غربت، یا اسلامی تعلیمات سے بے خبری ہے۔ یہی لوگ حق طلاق کا بھی ناجائز استعمال کرتے ہیں جس کا خمیازہ صرف عورت ہی نہیں بھگتتی بلکہ مرد کو بھی اور اس کی اولاد کو بھی بھگتنا پڑتا ہے۔

بلاشبہ حکومت کی ذمے داری ہے کہ وہ ان چند فی صد خواتین کی بھی دادرسی کرے اور ان کو ظلم وستم سے بچانے کے لئے علماء کی مشاورت سے قانون سازی بھی کرے کیونکہ علماء کسی ایک عورت کے ساتھ بھی ظلم وستم کے معاملے اور رویے کو پسند نہیں کرتے۔

لیکن مظلوم عورتیں ہی نہیں، اگرچہ وہ چند فی صد ہی ہیں، تمام مذکورہ طبقے ہی مظلوم ہیں۔ حکومت گڈ گورننس کا دعویٰ کرتی ہے۔ کیا یہی گڈ گورننس ہے کہ ملک میں کسی طبقے کو تحفظ حاصل نہیں؟ کیا یہی گڈ گورننس ہے کہ ہر چھوٹا بڑا سرکاری اہل کار فرعون بنا ہوا ہے اور دو دو ٹکوں کے اہل کاروں کے سامنے ملک کے بڑے بڑے شرفا ذلیل وخوار ہونے اور ان کو حرام کھلانے پر مجبور ہیں؟

اخبارات کے ''مجتہد'' کالم نگاروں نے بھی ہاہا کار مچائی ہوئی ہے کہ علماء یوں ہی بل کے خلاف شور کر رہے ہیں۔ لیکن وہ کسی شق کو بھی خلاف اسلام ثابت نہیں کر سکتے۔

ان کا یہ دعویٰ اس لحاظ سے واقعی درست ہے کہ ان بے چاروں نے غلام احمد پرویز،

جاوید احمد غامدی جیسے لوگوں سے اسلام سیکھا ہے جس میں ناچ گانا اور رقص وسرور اور اس قسم کی دیگر ''مغربیات'' سب جائز ہیں۔ اور علماء تو اس اسلام کو جانتے ہیں جو قرآن وحدیث میں محفوظ ہے اور اس میں مذکورہ خرافات کی جس طرح گنجائش نہیں، زیر بحث بل کی بھی گنجائش نہیں۔

''جدید اسلام'' کے ان ''مجتہدین'' کی خدمت میں ہم یہ کتاب پیش کر رہے ہیں تاکہ وہ عورت کے بارے میں اسلام کے نقطۂ نظر کو بھی سمجھیں کہ اسلام نے ان کو کیا مقام دیا ہے اور کس طرح اس کا مکمل تحفظ کیا ہے۔ اس سے ان کو یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ علماء اس بل کی مخالفت کے ذریعے سے عورتوں پر ظلم وستم کی صورتوں کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں یا اس کی مخالفت کر کے عورت کا تحفظ اور اس کو مزید ظلم سے بچانا چاہتے ہیں؟

اصل میں دونوں کا۔ اخباری کالم نگاروں اور علماء کا۔ اسلام بھی ایک دوسرے سے مختلف ہے اور عورت کے تحفظ کا طریقہ کار بھی ایک دوسرے سے مختلف۔

علمائے اسلام کے نزدیک عورت سمیت تمام طبقات کا تحفظ صرف اور صرف اسلامی تعلیمات پر صحیح معنوں میں عمل کے ذریعے ہی سے ممکن ہے۔ اس کتاب کے ذریعے سے عورت کے بارے میں اسلامی تعلیمات کا ایک خاکہ اہل ملک کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے جس کو پڑھ کر ہر باشعور آدمی سمجھ سکے گا کہ علماء کی مخالفت معقول ہے یا غیر معقول، جائز ہے یا ناجائز، بلکہ ضروری ہے یا غیر ضروری؟۔

اخباری ''مجتہدین'' کا اسلام قرآن وحدیث والا نہیں، وہ مغرب کی فکری کارگاہوں میں ڈھلا ہوا ہے، اسی لیے وہ قدیم نہیں، جدید ہے۔ یہ حضرات عورت کا تحفظ اسی جدید اور مغربیت والے اسلام کے ذریعے سے کرنا چاہتے ہیں۔

دونوں کے نقطۂ نظر اور طریق کار کا یہ اختلاف ہی ٹکراؤ اور تصادم کا باعث ہے۔ یعنی ان کی زبانوں پر نام تو ''اسلام'' ہی کا ہے۔ لیکن وہ اسلام ہرگز نہیں، دین فرنگی ہے۔

یاراں عجب انداز دورنگی دارند

مصحف بہ بغل، دین فرنگی دارند

یا

تری دعا ہے کہ ہو تری آرزو پوری
مری دعا ہے کہ تری آرزو بدل جائے

کچھ زیرنظر کتاب کے بارے میں

اس میں سب سے پہلے عورت کے اس مقام عزت کو بیان کیا گیا ہے جو اسلام نے اسے عطا کیا ہے۔ دوسرے نمبر پر ان امتیازی خصوصیات کی مختصر وضاحت ہے جن میں اسلام نے مرد اور عورت کے درمیان فرق کیا ہے اور ان کی حکمتوں کو واضح کیا گیا ہے۔ تیسرے نمبر پر ان حقوق کا بیان ہے جو ایک مرد پر عورتوں کی بابت عائد ہوتے ہیں۔ چوتھے نمبر پر ان حقوق کی وضاحت ہے جو ایک عورت پر مرد کی بابت عائد ہوتے ہیں۔

ان تفصیلات سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام نے مرد اور عورت دونوں کے درمیان ایسا اعتدال قائم کیا ہے کہ ان پر عمل کرنے کی صورت میں نہ مرد کی طرف سے عورت پر زیادتی کا کوئی امکان رہتا ہے اور نہ عورت ہی کے لئے یہ گنجائش رہتی ہے کہ وہ نشوز (مرد کی بالادستی سے انحراف) اور نافرمانی کا راستہ اختیار کر کے مرد کی خوش گوار زندگی میں ناخوش گواری کا زہر گھول سکے۔

گھریلو زندگی میں جو تلخیاں اور ناگواریاں پیدا ہوتی ہیں، وہ صرف اسلام کی روشن تعلیمات سے انحراف اور ایک دوسرے کے حقوق وفرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ اور اس کا ارتکاب صرف مردوں ہی کی طرف سے نہیں ہوتا جیسا کہ باور کرایا جارہا ہے، بلکہ عورتوں کی طرف سے بھی ہوتا ہے جس کی وجہ سے مرد کے حقوق بھی متاثر ہوتے یا اس کے لئے مشکلات پیدا ہوتی ہیں۔

اس کا اصل حل تو یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات کو فروغ دیا جائے جس کا قطعاً کوئی اہتمام نہیں ہے نہ حکومتی سطح پر کہ گیارہویں سے لے کر ایم اے تک کے تعلیمی نصاب میں ان

تعلیمات کوشامل کیا جاتا۔

نیز اس سلسلے میں علماء کی مشاورت سے حسب ضرورت قانون سازی بھی کی جاتی تاکہ دونوں میں سے جس کی طرف سے بھی زیادتی ہو، اس کا آسانی کے ساتھ انسداد ہوسکتا۔ اسی طرح میڈیا۔الیکٹرانک اور پرنٹ دونوں ہی۔اس سلسلے میں اپنا کردار ادا نہیں کرر ہے ہیں۔

بلکہ حکومت اور میڈیا دونوں کا کردار مرد وعورت کے درمیان نفرت کی دیواریں ہی کھڑی کرنے کا ہے جس میں وہ رات دن مصروف ہیں۔

حالانکہ یہ دونوں ادارے اس سلسلے میں بہت کچھ کر سکتے ہیں ان کی آواز مؤثر بھی ہے اور عام بھی ۔گھرگھر الیکٹرانک پروگرام دیکھے جاتے ہیں اور اخبارات پڑھے جاتے ہیں۔ حکومت قوانین کی عمل داری کے ذریعے سے بگڑے ہوئے لوگوں ۔مردوں اور عورتوں ۔کو قانون کے شکنجے میں کس کر وسیع پیمانے پر اصلاح کا کام کرسکتی ہے۔لیکن یہ دونوں ادارے اصلاح کے بجائے بگاڑ پیدا کرر ہے ہیں اور مسلمان عورت کو بالخصوص شرم وحیا کے زیور سے محروم کر کے معاشرے میں بے حیائی اور اخلاق باختگی پھیلار ہے ہیں اور مرد وعورت کے درمیان الفت ومحبت کے بجائے ،ان کے درمیان نفرتوں کی تخم ریزی کرر ہے ہیں۔گویا ؎

مژدہ باد اے مرگ! عیسیٰ آپ بیمار ہے

ان دونوں کی مثال عطائی حکیموں اور ڈاکٹروں کی سی ہے جو بالخصوص عورتوں کی اصلاح اسلام کے مستند نسخوں کے بجائے ،مغرب کے عطائیوں کے نسخوں سے کرنا چاہتے ہیں،جس کا نتیجہ ؎

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

کی صورت میں نکل رہا ہے۔ ھداھم اللہ تعالیٰ

اگر یہ دونوں ادارے عوام کی اصلاح میں مخلص ہیں تو ان کو سمجھ لینا چاہئے کہ ان کی

اصلاح بے ہودہ ڈراموں، فحش پروگراموں اور فلموں اور عورتوں کی نیم عریاں اچھل کود (رقص وسرود) دکھانے سے نہیں ہوسکتی، یہ سب مغرب کے عطائی نسخے ہیں جو جاں بلب مریض کو موت سے تو ہمکنار کرسکتے ہیں، ان کو شفایاب ہر گز نہیں کرسکتے۔

''گوڈے گوڈے'' اخلاقی خرابیوں میں ڈوبی ہوئی اس قوم کا علاج صرف اور صرف اسلامی تعلیمات کے اپنانے اور ان کو رائج کرنے ہی میں مضمر ہے اور ان تمام معاشرتی ابتریوں کا حل، جس نے پورے معاشرے کو زہرناک کر رکھا ہے، اسلامی قوانین کی مؤثر عمل داری ہی سے ممکن ہے ؎

وہی دیرینہ بیماری، وہی نامحکمی دل کی
علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی

ضروری وضاحت:

قارئین بعض جگہوں پر تکرار محسوس کریں گے۔ اس کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ یہ مضامین مختلف حالات میں لکھے گئے ہیں۔ اور دوسری وجہ کسی مضمون کی اہمیت و افادیت اس کے بغیر ناممکن رہتی ہے۔ اس لیے تکرار کو گوارا کرلیا گیا ہے تاکہ کسی بھی عنوان یا مضمون میں اپنی ممکن حد تک تشنگی نہ رہے۔

حافظ صلاح الدین یوسف

مشیر وفاقی شرعی عدالت۔ پاکستان

40/124 شاداب کالونی، علامہ اقبال روڈ

گڑھی شاہو لاہور، 24 مارچ 2016ء

فون نمبر: 03214133675



اسلام میں عورت کا مقام

اسلام سے قبل عورت کی جو حالت تھی، محتاج وضاحت نہیں، اہل علم اس سے پوری طرح باخبر ہیں۔ اسلام نے اسے قعرِ مذلت سے نکالا اور عزت واحترام کے مقام پر فائز کیا۔ وہ وراثت سے محروم تھی، اسے وراثت میں حصے دار بنایا۔ نکاح وطلاق میں اس کی پسندیدگی وناپسندیدگی کا قطعاً کوئی دخل نہ تھا، اسلام نے نکاح وطلاق میں اسے خاص حقوق عطا کیے۔ اسی طرح اسے وہ تمام تمدنی ومعاشرتی حقوق عطا کیے جو مَردوں کو حاصل تھے۔

عورت کی بابت اسلامی تعلیمات کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

• عورت کے شرف ووقار کے تحفظ کے لئے اسلامی تعلیمات کا خلاصہ •

1. بحیثیت انسان عورت بھی مرد ہی کی طرح انسانی شرف واحترام کی مستحق ہے۔ اس لحاظ سے مرد وعورت کے مابین کوئی فرق نہیں۔ قرآن کریم نے اس حقیقت کو ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے:

﴿خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ واحدة﴾ [النساء4]

''تم سب کو ایک جان سے پیدا کیا''۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

« إِنَّمَا النِّسَاءُ شَقَائِقُ الرِّجَالِ»

’’عورتیں مردوں ہی کی شقیقہ (ہم جنس) ہیں‘‘ [1]

’’شقیقہ‘‘ کا مطلب ہے’’پیدائش‘‘اور طبیعت میں یکساں ہونا۔ چنانچہ امام خطابی لکھتے ہیں:

’’(اس حدیث سے مراد کہ) عورتیں پیدائش اور طبعی اوصاف میں مَردوں ہی کی طرح ہیں، گویا کہ وہ مردوں ہی سے نکلی ہوئی ہیں۔‘‘ [2]

یوں اسلام نے عورت کے بارے میں اس تصور کو کہ عورت مرد کے مقابلے میں ذلیل وحقیر مخلوق ہے، باطل قرار دیا اور واضح الفاظ میں صراحت کر دی کہ تکریمِ آدمیت اور شرف انسانیت کے لحاظ سے مرد وعورت میں فرق روا نہیں رکھنا چاہیے۔

(2) اسی بنیاد پر، اسلام میں وجہ فضیلت اور وجہ ذلت یہ نہیں ہے کہ فلاں مرد ہے، اس لیے افضل ہے اور فلاں عورت ہے، اس لیے ذلیل ہے بلکہ شرف وفضل کا معیار ایمان وتقویٰ ہے۔ فرمایا:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾

’’اللہ کے نزدیک تم میں سب سے معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی اور پرہیز گار ہے۔‘‘ (الحجرات 49:13)

اس نکتے کو قرآن کریم نے دوسری جگہ کھول کر بیان فرمایا:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّن ذَكَرٍ أَوْ أُنثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً ۖ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴿٩٧﴾﴾

’’جس کسی نے بھی، چاہے وہ مرد ہو یا عورت، عمل صالح کیا درآں حالیکہ وہ مومن ہے تو ہم اس کو پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور ان کے بہترین عملوں کا انہیں ضرور

---

[1] سنن أبي داؤد: كتاب الطهارة، باب في الرجل يجد البلة في منامه، حديث: 236

[2] معالم السنن: (162/1)

بدلہ دیں گے" (النحل 16:97)

اور اس مفہوم کو سورۂ احزاب میں مزید تفصیل سے بیان کیا۔ فرمایا:

﴿اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٣٥﴾﴾

"بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں مومن مرد اور مومن عورتیں فرماں بردار مرد اور فرمانبردار عورتیں راست گو مرد اور راست گو عورتیں صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں، عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں، خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں، روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والیاں بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والے اور ذکر کرنے والیاں ان (سب کے) لئے اللہ تعالیٰ نے (وسیع) مغفرت اور بڑا ثواب تیار کر رکھا ہے۔" (الاحزاب 33:35)

غرض ایمان اور اعمال صالحہ، جو فلاحِ ابدی کے ضامن ہیں، ان میں مرد و عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ جو بھی اپنی سیرت و کردار کو اس سانچے میں ڈھال لے گا، وہ اللہ کی بارگاہ میں سرخرو ہوگا اور جو ایمان و عمل صالح سے محروم ہوگا، وہ مستحق عذاب ہوگا۔ قطع نظر اس بات کے کہ اس کا تعلق صنفِ ذکور سے ہے یا صنف اناث سے۔

3. اسلام سے قبل لڑکی کی ولادت کو منحوس سمجھا جاتا تھا حتیٰ کہ بعض درندہ صفت افراد لڑکی کو زندہ درگور کر دیتے تھے۔ زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کے اس رویے کو قرآن نے یوں بیان کیا ہے:

﴿وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿٥٨﴾ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ

مِنۡ سُوۡٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمۡسِكُهٗ عَلٰى هُوۡنٍ اَمۡ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحۡكُمُوۡنَ ﴿۵۹﴾

''جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی نوید سنائی جاتی ہے تو اس کا چہرہ (مارے غم اور افسوس کے) سیاہ ہو جاتا ہے اور دل میں وہ گھٹ رہا ہوتا ہے وہ اس خبر کو برا سمجھتے ہوئے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اور سوچتا ہے کہ اس ذلت کو برداشت کرے یا اس کو مٹی میں دبا دے'' (النحل:16:58،59)

اسلام نے ان کے اس رویے کی سخت مذمت کی اور بچیوں کو اس طرح زندہ درگور کرنے سے یہ کہہ کر منع فرمایا کہ اگر کسی نے اس فعل شنیع کا ارتکاب کیا تو اس سے بارگاہ الٰہی میں باز پرس ہوگی۔

﴿وَاِذَا الۡمَوۡءٗدَةُ سُئِلَتۡ ۙ﴿۸﴾ بِاَىِّ ذَنۡۢبٍ قُتِلَتۡ ۚ﴿۹﴾﴾ [التکویر: 8-9]

''اور جب زندہ درگور کردہ لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس جرم میں قتل کی گئی۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی لڑکے کے مقابلے میں لڑکی کو حقیر سمجھنے اور اسے زندہ درگور کرنے کی مذمت بیان فرمائی اور بچیوں کی پرورش اور ان کی تعلیم و تربیت کے فضائل بیان فرمائے۔ فرمایا:

«مَنْ كَانَتْ لَهُ أُنْثَى فَلَمْ يَئِدْهَا، وَلَمْ يُهِنْهَا، وَلَمْ يُؤْثِرْ وَلَدَهُ عَلَيْهَا، قَالَ: يَعْنِي الذُّكُورَ - أَدْخَلَهُ اللَّهُ الْجَنَّةَ»

''جس کے ہاں لڑکی ہوئی اس نے اسے زندہ درگور کیا نہ اسے حقیر سمجھا اور نہ لڑکے کو اس پر ترجیح دی تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا۔''[1]

[1] سنن أبي داؤد: كتاب الأدب، باب فضل من عال يتامى، حديث: 5146 اسناده ضعيف، ضعفه الألبانى وعليزئى

«مَنْ عَالَ ثَلَاثَ بَنَاتٍ، فَأَدَّبَهُنَّ، وَزَوَّجَهُنَّ، وَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ، فَلَهُ الْجَنَّةُ»

''جس نے تین لڑکیوں کی پرورش کی، ان کی تعلیم وتربیت کی، ان کی شادیاں کیں اور ان کے ساتھ حسن سلوک کیا تو اس کے لیے جنت ہے۔'' [1]

ایک اور روایت میں یہ الفاظ اس طرح ہیں:

« ثَلَاثُ أَخَوَاتٍ، أَوْ ثَلَاثُ بَنَاتٍ، أَوْ بِنْتَانِ، أَوْ أُخْتَانِ»

''جس نے تین بہنوں یا تین بیٹیوں یا دو بیٹیوں یا دو بہنوں کی پرورش کی (اس کے لیے جنت ہے'') [2]

اس مفہوم کی متعدد روایات کتب حدیث میں موجود ہیں جن میں لڑکیوں کی پرورش اور تعلیم وتربیت کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ اسلام کی انہی تعلیمات وہدایات کا نتیجہ ہے کہ بہت سے گھرانوں میں اگرچہ جہالت کی وجہ سے لڑکیوں کی پیدائش پر کراہت کا اظہار کیا جاتا ہے لیکن جہاں تک ان کی پرورش اور تعلیم وتربیت کا تعلق ہے، کسی بھی مسلم گھرانے میں اس میں کوتاہی نہیں کی جاتی اور بچیوں کو شہزادیوں کی طرح پالا اور رکھا جاتا ہے۔

اسلامی معاشرے میں عورت کی چار حیثیتیں ہیں۔ وہ کسی کی بیٹی ہے، کسی کی بہن ہے، کسی کی بیوی اور کسی کی ماں ہے۔ اسلام نے ان چار حیثیتوں میں اس کی عزت واحترام کی تلقین وتاکید کی ہے۔ بیٹی اور بہن کی حیثیت سے اس کی تعلیم و پرداخت کا مختصر ذکر تو گزر چکا ہے۔ بہ حیثیت بیوی کے اس کے لیے جو تعلیم دی گئی ہے، وہ حسب ذیل آیات واحادیث سے واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

---

[1] سنن أبي داؤد: الأدب ،باب فضل من عال يتامى، حديث: 5147

[2] سنن أبي داؤد: الأدب ،باب فضل من عال يتامى، حديث: 5148

﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً﴾

''اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہارے لیے تم ہی میں سے جوڑے پیدا کیے تا کہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان مودت ورحمت پیدا فرمادی۔'' (الروم 30:21)

اس آیت کریمہ میں ایک تو عورت کو مرد کے لیے باعث تسکین بتلایا، جس سے اس کی اہمیت وعظمت واضح ہے۔ دوسرے، دونوں صنفوں کے تعلق کی نوعیت کو واضح کیا کہ ان کے مابین کشاکش اور تناؤ کی بجائے الفت ومحبت اور شفقت ورحمت کا رشتہ قائم ہونا اور رہنا چاہیے۔ ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے عورت کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید اس طرح فرمائی:

﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ۝١٩﴾

''اور عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں (تب بھی ان سے نباہ کرو) ہوسکتا ہے کہ جس چیز کو تم ناپسند کرتے ہو، اس میں اللہ تعالیٰ خیر کثیر پیدا فرمادے۔ (النساء 19)

ایک اور مقام پر عورت کے حقوق کا ان الفاظ میں تذکرہ فرمایا:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾

ان عورتوں کے لئے (مردوں پر) معروف طریقے کے مطابق وہی (حقوق) ہیں جو عورتوں پر (مردوں کے لیے) عائد ہوتے ہیں۔'' (البقرۃ:228:23)

اس سلسلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنی امت کو بڑی تاکید فرمائی ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

« إِنَّ مِنْ أَكْمَلِ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَأَلْطَفُهُمْ بِأَهْلِهِ »

”کامل ترین مومن وہ ہے جو اخلاق میں سب سے بہتر اور اپنے بیوی بچوں پر سب سے زیادہ مہربان ہو۔“ [1]

اور فرمایا:

«خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ، وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي»

”تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی کے حق میں سب سے بہتر ہے اور میں اپنے گھر والوں کے لیے سب سے بہتر ہوں“ [2]

حجۃ الوداع کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو اہم باتیں اپنی امت کو ارشاد فرمائیں، ان میں سے ایک یہ بھی تھی:

«اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا، فَإِنَّهُنَّ عِنْدَكُمْ عَوَانٍ»

”عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، وہ تمہارے پاس اسیر (قیدی) ہیں“۔ [3]

ایک حدیث میں نیک عورت کو بہترین متاع قرار دیا گیا ہے۔

«خَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ» [4]

ماں کی حیثیت سے اسلام میں عورت کا مقام بہت اونچا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَى وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ﴾

”اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں (حسن سلوک کی) بڑی

---

[1] جامع الترمذی:کتاب الایمان،باب فی استکمال الایمان والزیادہ،حدیث :2612

[2] سنن ابن ماجه:کتاب النکاح: باب حسن معاشرة النساء،حدیث:1977

[3] سنن ابن ماجه:کتاب النکاح،باب حق المرأة علی الزوج ،حدیث:1851

[4] صحیح مسلم: کتاب النکاح، باب خیر متاع الدنیا المرأة الصالحة، حدیث:1467

تاکید کی ہے۔اس کی ماں نے کمزوری پر کمزوری برداشت کرتے ہوئے حمل کی مدت پوری کی اور اس کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہے (یہ اس لیے) کہ وہ میرا اور اپنے والدین کا شکر ادا کرے'' (لقمان 14:31)

دوسری جگہ فرمایا:

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا﴾

''اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کی ہے، اس کی ماں نے اسے مشقت کے ساتھ حمل میں رکھا اور مشقت و تکلیف کے ساتھ اس کو جنا۔'' (الاحقاف 46:15)

ان دونوں آیات میں اگرچہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم اور اس کی تاکید کی گئی ہے لیکن ماں کے حمل وولادت کی تکلیف کا بطور خاص جس طرح ذکر کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ماں کا حق باپ سے کئی گنا زیادہ ہے اور حدیث سے بھی اس کی تاکید ہوتی ہے، چنانچہ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا:

«مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِي؟ قَالَ: أُمُّكَ قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أُمُّكَ قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أُمُّكَ قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أَبُوكَ»

''میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ آپ نے فرمایا: ''تمہاری ماں۔'' اس نے پوچھا پھر کون؟ آپ نے فرمایا: ''تمہاری ماں۔'' اس نے پھر پوچھا: پھر کون؟ آپ نے فرمایا: ''تمہاری ماں۔'' اس نے کہا: پھر کون؟ آپ نے جواب میں

فرمایا: ''پھر تمہارا باپ۔''[1]

اس حدیث میں تین مرتبہ ماں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کی تاکید فرمانے کے بعد چوتھی مرتبہ باپ کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔اس کی وجہ علماء نے یہ لکھی ہے کہ تین تکلیفیں ایسی ہیں جو صرف ماں برداشت کرتی ہے، بچے کے باپ کا اس میں حصہ نہیں۔ ایک حمل کی تکلیف جو نو مہینے عورت برداشت کرتی ہے۔ دوسری وضع حمل (زچگی) کی تکلیف ، جو عورت کے لیے موت وحیات کی کشمکش کا یک جاں گسل مرحلہ ہوتا ہے۔ تیسری رضاعت (دودھ پلانے) کی تکلیف ، جو دو سال تک محیط ہے۔ بچے کی شیر خوارگی کا یہ زمانہ ایسا ہوتا ہے کہ ماں راتوں کو جاگ کر بھی بچے کی حفاظت ونگہداشت کا مشکل فریضہ سرانجام دیتی ہے۔اس دوران میں بچہ بول کر اپنی ضرورت بتلا سکتا ہے نہ اپنی کسی تکلیف کا اظہار ہی کرسکتا ہے۔صرف ماں کی ممتا اور اس کی بے پناہ شفقت اور پیار ہی اس کا واحد سہارا ہوتا ہے۔عورت یہ تکلیف بھی ہنسی خوشی برداشت کرتی ہے۔

یہ تین مواقع ایسے ہیں کہ صرف عورت ہی اس میں اپنا عظیم کردار ادا کرتی ہے اور مرد کا اس میں حصہ نہیں۔ انہی تکالیف کا احساس کرتے ہوئے شریعت نے باپ کے مقابلے میں ماں کے ساتھ حسن سلوک کی زیادہ تاکید کی ہے۔

شادی سے قبل اور شادی کے بعد

شادی سے قبل اس کی تعلیم وتربیت کی فضیلت اور شادی کے بعد عورت سے حسن

[1] صحیح البخاری :کتاب الادب،باب مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ الصُّحْبَةِ،حدیث :5971وصحیح مسلم :البروالصلة والأدب،باب برالوالدین وأیهما أحق به،حدیث :2548 واللفظ له

معاشرت کی تاکید کی فضیلت بیان ہوچکی ہے لیکن عورت کے لیے دو مرحلے اس کی زندگی میں بڑے اہم موڑ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایک مرحلہ شادی سے قبل رشتۂ ازدواج قائم کرنے میں اس کی پسند اور ناپسند کا مسئلہ ہے اور دوسرا مرحلہ وہ ہے کہ شادی کے بعد اگر خاوند صحیح کردار کا حامل ثابت نہ ہو تو اس سے گلوخلاصی کی کیا صورت ہے؟ ان دونوں مرحلوں کے لئے بھی اسلام نے عورت کے جذبات کو ملحوظ رکھتے ہوئے نہایت معقول ہدایات دی ہیں تاکہ عورت پر کسی طرح سے بھی جبر وظلم نہ ہو سکے۔

1. نکاح میں عورت کی پسند اور اس کے اختیار کے مسئلے میں بالعموم بڑی افراط وتفریط پائی جاتی ہے۔ کہیں تو عورت کو بالکل بے دست و پا بنا دیا گیا ہے، اس کی پسند وناپسند کی قطعاً کوئی پروانہیں کی جاتی اور کہیں ایسا بااختیار بنا دیا گیا ہے کہ ماں باپ اور اس کے سرپرستوں کی رائے اور مشورے کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہتی۔ اسلام نے اس افراط وتفریط کے مقابلے میں یہ راہ اعتدال اختیار کی کہ ایک طرف ولی (سرپرست) کی ولایت اور اجازت ضروری قرار دی اور فرمایا:

«لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ»

''ولی کے بغیر کوئی نکاح نہیں ہے۔''[1]

اس حدیث کی روشنی میں اکثر ائمہ کے نزدیک ایسا نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا، تاہم فقہاء کا ایک گروہ اس حدیث کی تضعیف یا تاویل کی وجہ سے انعقاد نکاح کا تو قائل ہے لیکن اس کے ناپسندیدہ ہونے میں اسے بھی کلام نہیں اور بعض شکلوں میں ان کے نزدیک

[1] سنن ابی داؤد:کتاب النکاح،باب فی الولی، حدیث:2085تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو، فتح الباری(184/9):تحت حدیث:5153،5127،ونیل الاوطار:(252-256/6)

سرپرستوں کو ایسا نکاح فسخ کرانے کا اختیار رہتا ہے۔ [1]

دوسری طرف عورت کی رضامندی اور اس کی اجازت بھی ضروری قرار دی گئی ہے اور فرمایا:

«لَا تُنْكَحُ الأَيِّمُ حَتَّى تُسْتَأْمَرَ»

''بیوہ عورت کا نکاح اس کے مشورے کے بغیر نہ کیا جائے۔'' [2]

نیز فرمایا:

«لَا تُنْكَحُ البِكْرُ حَتَّى تُسْتَأْذَنَ»

''کنواری لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے۔'' [3]

کنواری عورت کے اندر شرم وحیا زیادہ ہوتی ہے، اس لیے اس سے اجازت طلبی کا مسئلہ مشکل تھا، اسے بھی شریعت نے اس طرح حل فرما دیا کہ ''کنواری کی خاموشی ہی اس کی اجازت اور رضامندی ہے۔'' [4]

عورت کی رضامندی اور اس کی اجازت کی شریعت میں کتنی اہمیت ہے، اس کا اندازہ عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک واقعے سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے کہ ایک خاتون خنساء بنت خِذام انصاریہ کا نکاح ان کے والد نے ان کی اجازت کے بغیر کر دیا۔ انہیں یہ رشتہ ناپسند تھا۔ انہوں نے آ کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں باپ کی شکایت کی تو آپ نے

[1] فتح القدیر لابن الھمام (255/3)

[2] صحيح البخاری: كتاب النكاح ،باب لاينكح الأب وغيره البكر والثيب إلا برضاهما،حديث:5136

[3] صحيح البخاری: كتاب النكاح ،باب لاينكح الأب وغيره البكر والثيب إلا برضاهما،حديث:5136

[4] صحيح البخاری كتاب :النكاح ،باب لاينكح الأب وغيره البكر والثيب إلا برضاهما،حديث:5136

اسے ناپسند فرمایا اور نکاح رد کر دیا، یعنی کالعدم قرار دے دیا۔ [1]

(اس پر مزید گفتگو مسئلہ ولایت نکاح میں ملاحظہ فرمائیں)

شادی کے بعد اگر خاوند عورت کے نزدیک ناپسندیدہ ہو تو اس سے گلوخلاصی حاصل کرنے کے لیے، اسی طرح عورت کو خلع کا حق دیا گیا ہے، جس طرح مرد کو ناپسندیدہ بیوی سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے طلاق کا حق حاصل ہے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ مرد کو تو طلاق کا حق ہے لیکن اس کے مقابلے میں عورت مجبور ہے۔ وہ اگر خاوند کو ناپسند کرتی ہے تو اس کے لیے اس سے نجات حاصل کرنے کی کوئی صورت نہیں۔ یہ تصور صحیح نہیں۔ عورت کو مرد کے حق طلاق کے مقابلے میں اسلام نے حق خلع عطا کیا ہے، البتہ اس نے مرد و عورت دونوں کو یہ تاکید کی ہے کہ دونوں اپنا یہ حق انتہائی ناگزیر حالات میں استعمال کریں۔ محض ذائقہ بدلنے کے لیے استعمال نہ کریں۔ اگر کوئی ایسا کرے گا تو سخت گناہ گار ہو گا۔

اسی طرح شریعت اسلامیہ نے مرد کو طلاق دینے کے بعد رجوع کا حق دیا ہے اس میں عورت پر ظلم کی صورت ہو سکتی تھی کہ طلاق دینے کے بعد عدت کے اندر بار بار مرد رجوع کر لے اور یوں عورت کو نہ آباد کرے اور نہ مکمل آزاد کرے اور وہ بیچ میں معلق رہے، جس طرح زمانۂ جاہلیت میں عورت کو اس طرح تنگ کیا جاتا تھا کہ وہ اس کو طلاق دیتے تھے نہ آباد کرتے تھے بلکہ طلاق دیتے اور عدت گزرنے سے قبل ہی رجوع کر لیتے، پھر طلاق دیتے اور پھر عدت گزرنے سے قبل رجوع کر لیتے اور یہ سلسلہ سالہا سال تک اسی طرح معلق چلتا رہتا۔ شریعت نے اس ظلم کے انسداد کے لیے حق طلاق کو محدود کر دیا

[1] صحيح البخاري: كتاب النكاح، باب إذا زوّج ابنته وهي كارهة فنكاحه مردود، حديث: 5138

کہ مرد دو مرتبہ تو طلاق دینے کے بعد رجوع کر سکتا ہے لیکن تیسری مرتبہ طلاق دینے کے بعد رجوع کا بالکل حق نہیں رہتا۔ ماسوا اس کے کہ وہ دوسرے خاوند سے نکاح کرے اور وہ اپنی مرضی سے اسے طلاق دے دے۔

یہ چند مختصر اشارات ہیں جن سے واضح ہے کہ اسلام نے عورت کو عزت و احترام کا وہ مقام عطا کیا ہے جو کسی بھی مذہب اور نظام نے نہیں دیا۔

مرد اور عورت کے دائرہ کار کا اختلاف

اسی طرح اسلام کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس نے مرد اور عورت دونوں کے دائرہ کار کو بھی متعین کر دیا ہے اس امر میں تو اختلاف کی کوئی ادنیٰ سی گنجائش بھی نہیں کہ قدرت نے مرد اور عورت کو الگ الگ مقاصد کے لیے پیدا فرمایا ہے، لہذا دانش مندی کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں صنفوں کی ذہنی و عملی صلاحیتوں میں قدرتی فرق کو بھی تسلیم کیا جائے اور اس فرق کی بنیاد پر دونوں کے دائرہ کار کے اختلاف کو بھی۔ اگرچہ دونوں اپنے اپنے دائرے میں انسانی زندگی کے لیے ناگزیر اور ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ عورت مرد سے بے نیاز نہیں رہ سکتی اور مرد عورت کو نظر انداز کر کے زندگی کی شاہراہ پر ایک قدم بھی نہیں چل سکتا، تاہم دونوں کی ذہنی صلاحیتوں میں فرق ہے، دونوں کا مقصد تخلیق الگ الگ ہے اور دونوں کے دائرہ کار ایک دوسرے سے مختلف اور جداگانہ ہیں۔

بنابریں شریعت اسلامیہ نے ذہنی و عملی فرق و تفاوت اور دائرہ کار کے اختلاف کی وجہ سے بہت سی چیزوں میں مرد و عورت کے درمیان فرق ملحوظ رکھا ہے۔ بعض ذمے

داریاں صرف مردوں پر عائد کی ہیں، عورتوں کو ان سے مستثنٰی رکھا ہے۔ اسی طرح بعض خصوصیات سے عورتوں کو نوازا ہے، مردوں کو ان سے محروم رکھا ہے لیکن ان فطری صلاحیتوں کے فرق وتفاوت کا مطلب کسی صنف کی برتری اور دوسری صنف کی کمتری وحقارت نہیں ہے۔ مثال کے طور پر مرد کے اندر اللہ تعالیٰ نے صلاحیت رکھی کہ وہ عورت کو بارآور کرسکتا ہے لیکن خود بارآور نہیں ہوسکتا، اس کے برعکس عورت کے اندر صلاحیت رکھی ہے کہ وہ بارآور ہوسکتی ہے لیکن وہ بارآور کرنہیں سکتی۔ گویا مرد کے اندر تخلیق وایجاد کا جوہر رکھا گیا ہے تو عورت کو اس تخلیق وایجاد کے ثمرات ونتائج سنبھالنے کا سلیقہ اور ہنر عطا کیا گیا ہے۔ اسی طرح اگر مرد کو حکمرانی وجہانبانی کا حوصلہ عنایت کیا گیا ہے تو عورت کو گھر بسانے کی قابلیت بخشی گئی ہے۔ مرد کے اندر قوت وعزیمت کے اوصاف رکھے گئے ہیں تو عورت کو دل کشی ودل ربائی کا وصف عطا کیا گیا ہے، چنانچہ اس کارخانۂ عالم کی زیب وزینت کسی ایک ہی صنف کے اوصاف سے نہیں ہے بلکہ دونوں قسم کے اوصاف سے ہے اور دونوں ہی انسانی معاشرے کے اہم رکن ہیں۔

انسانی معاشرے کا وجود اور بقا ان دونوں میں سے کسی ایک ہی پر منحصر نہیں ہے کہ ساری اہمیت بس اسی کو دے دی جائے اور دوسرے کو یکسر نظر انداز کردیا جائے بلکہ اس پہلو سے دونوں مساوی حیثیت رکھتے ہیں، البتہ خصوصیات اور صلاحیتیں دونوں الگ الگ لے کر آئے ہیں، لہٰذا مرد جو کام کرسکتے ہیں، عورتیں وہ سارے کام نہیں کرسکتیں لیکن ایسے مردانہ کام نہ کرسکنا، عورت کی تحقیر نہیں ہے۔ اسی طرح عورت کے بعض کام مرد نہیں کرسکتے تو اس میں ان کے لیے حقارت کا پہلو نہیں۔ دونوں اپنی اپنی صلاحیتوں کے مطابق اعمال

کے مکلف ہیں، اسی لئے اسلام کی منشا یہ ہے کہ دونوں صنفیں اپنے اپنے دائرے میں کام کر کے منشائے قدرت کی تکمیل کریں اور ایک دوسرے کے کاموں میں دخیل ہو کر فسادِ تمدن کا باعث نہ بنیں۔ وہ ایک دوسرے کے معاون ہوں، متحارب نہ ہوں۔ حلیف ہوں، حریف نہ ہوں۔ جو انسانی معاشرہ اس فطری اصول سے انحراف کرے گا، امن وسکون سے محروم ہو جائے گا۔

اس لیے اسلام نے انسانی معاشرے کو فساد سے بچانے کے لیے مرد و عورت دونوں کے دائرۂ کارکوان کی فطری صلاحیتوں کے مطابق متعین کر دیا ہے۔ مرد کا دائرۂ کار گھر سے باہر اور عورت کا اصل دائرۂ کار گھر کی چار دیواری ہے اور اسی بنیاد پر اس نے مرد اور عورت کے درمیان بہت سے امور میں فرق کیا ہے، جس کی مختصر تفصیل آپ آنے والے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں۔



مرداورعورت کے درمیان بنیادی فرق

معاشی کفالت کا ذمے دار اور خاندان کا سر براہ

اسلام نے عورت کو کمانے (ملازمت کرنے یا تجارت وکاروبار کرنے) سے مستثنیٰ کر رکھا ہے نان ونفقہ کی ساری ذمے داری مرد پر ڈالی ہے، چنانچہ عورت جب تک غیر شادی شدہ ہے، ماں باپ یا بھائی یا بصورت دیگر چچا وغیرہ اس کے کفیل ہوں گے اور شادی کے بعد اس کا خاوند یا بیٹا۔ اسی اعتبار سے مرد کو عورتوں کا قوّام (سر براہ، حاکم اور نگران) کہا گیا ہے۔

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ﴾

”مرد عورتوں پر قوّام (نگران) ہیں، بہ سبب اس کے جو اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی اور بہ سبب اس کے جو وہ مرد اپنے مالوں سے خرچ کرتے ہیں“ (النساء 4:34)

مرد کی جس فضیلت کا یہاں ذکر کیا گیا ہے وہ یہی ہے کہ چونکہ خاندان کا کفیل وہ ہے اور تجارت وکاروبار اسی کی ذمے داری ہے۔ اس کو اس قسم کی صلاحیتوں سے نوازا گیا ہے اور وہی یہ بوجھ اٹھانے کے قابل بھی ہے، اس لیے اس کی ذمے داری کی نسبت سے اس کا حق بھی زیادہ ہے اور وہ حق یہ ہے کہ وہ سر براہ خاندان ہو۔ مرد کی اس فضیلت وفوقیت کو دوسری آیت میں یوں بیان کیا گیا ہے:

﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾

”مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ (مرتبہ) حاصل ہے۔“ (البقرۃ 2:228)

عورت کے لئے پردے کا حکم

اسلام نے عورت کو چونکہ بیرون خانہ کی ذمے داریوں سے مستثنیٰ رکھا ہے، اس لئے اس نے عورتوں کے لیے یہ تاکید کی ہے کہ وہ اپنا وقت گھر کے اندر گزاریں۔

﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى﴾

''اور تم اپنے گھروں میں ٹک کر رہو اور پہلے زمانۂ جاہلیت کی طرح بناؤ سنگھار کا اظہار نہ کرتی پھرو۔'' (الاحزاب 33:33)

اس آیت سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ عورت کا منصب یہ قطعاً نہیں ہے کہ وہ بازار کی تاجر، دفتر کی کلرک، عدالت کی جج، فوج کی سپاہی، کسی افسر کی سیکریٹری، کسی دکان میں ماڈل گرل یا ائرہوسٹس بنے بلکہ اس کے عمل کا حقیقی میدان اس کا گھر ہی ہے، چنانچہ امام جصاص رحمہ اللہ اس آیت کی تشریح میں فرماتے ہیں:

«وفيه الدلالة على أن النساء مأمورات بلزوم البيت منهيات عن الخروج»

یہ آیت اس امر کی دلیل ہے کہ عورتیں اپنے گھروں میں ٹک کر رہنے پر مامور ہیں اور باہر نکلنا اس کے لیے ممنوع ہے۔

یہ آیت ازواج مطہرات کے ضمن میں نازل ہوئی تھی لیکن اس میں جو احکام دیئے گئے ہیں وہ تمام مسلمان عورتوں کے لیے عام ہیں، چنانچہ امام جصاص رحمہ اللہ مزید لکھتے ہیں:

«فهذه الأمور كلها مما أدب الله تعالىٰ به نسآء النبى صلی اللہ علیہ وسلم صيانة لهن وسائر نساء المؤمنين مرادات بها»

''یہ تمام امور وہ ہیں جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو ان کی عزت وحرمت کی حفاظت کے لیے آداب سکھلائے اور ان سے مراد تمام مومن عورتیں

ہیں۔''[1]

البتہ ضرورت کے وقت گھر سے باہر نکل سکتی ہیں لیکن پردے کی پابندی کے ساتھ جس کا حکم بھی قرآن میں موجود ہے اور احادیث میں بھی یہ تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔

شریعت کی نگاہ میں عورت کے لیے اپنے گھر ٹھہرنے کی جتنی اہمیت ہے، اس کا اندازہ اس سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے کہ عبادات ہوں یا دیگر فرائض حیات، ان کو عورت پر اجتماعی شکل میں فرض ہی نہیں کیا گیا ہے۔ نماز جو سب سے اہم عبادت ہے۔ مرد پر تو باجماعت فرض ہے اور بغیر جماعت کے پڑھنے پر سخت وعیدیں بیان کی گئی ہیں لیکن عورت پر نماز تو ضرور فرض ہے لیکن اس کے لیے جماعت ضروری نہیں ہے۔ اگرچہ اسے یہ اجازت تو حاصل ہے کہ اگر وہ مسجد میں آکر باجماعت نماز پڑھنا چاہتی ہے تو پردے کے اہتمام کے ساتھ آکر ادا کرسکتی ہے لیکن اسے ترغیب یہ دی گئی ہے کہ اس کے لیے زیادہ بہتر گھر کے اندر ہی نماز پڑھنا ہے بلکہ گھر کے اندر بھی وہ حصہ زیادہ بہتر ہے جو گھر کا زیادہ سے زیادہ اندرونی حصہ ہو، چنانچہ فرمایا:

«خير مساجد النساء قعر بيوتهن»

''عورتوں کے لیے بہترین مساجد (جائے عبادات) ان کے گھروں کے سب سے اندورنی حصے ہیں۔''[2]

مشہور صحابی حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ حضرت ام حمید رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ میں آپ کے ساتھ نماز پڑھنا

---

[1] أحكام القرآن للجصاص (443/3)

[2] مسند احمد (297/6)

پسند کرتی ہوں۔تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''مجھے یقین ہے کہ تمہاری خواہش یہی ہے لیکن تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمہارا اپنے مکان کی کسی تنگ کوٹھڑی میں نماز پڑھنا تمہارے لیے کشادہ کمرے میں نماز پڑھنے سے بہتر ہے اور تمہاری جو نماز کمرے میں ادا ہو وہ مکان کے وسط میں ادا کی جانے والی نماز سے اولیٰ ہے اور تمہاری وسط مکان میں پڑھی جانے والی نماز اس نماز سے افضل ہے جو تم اپنے محلے کی مسجد میں پڑھو۔اسی طرح تمہاری جو نماز اپنے محلے کی کسی مسجد میں ادا ہو وہ تمہارے حق میں میری مسجد (مسجد نبوی) میں پڑھی جانے والی نماز سے بہتر ہے۔''

اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن سوید رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی پھوپھی (ام حمید رضی اللہ عنہا) نے اپنے لیے مکان کا سب سے اندرونی اور تاریک حصہ نماز کے لیے متعین کرلیا تھا اور وہیں ساری عمر نماز پڑھتی رہیں۔ [1]

جمعہ بھی اجتماعی عبادت کا ایک اہم مظہر ہے۔اس میں بھی عورتیں اگرچہ شرکت کرسکتی ہیں لیکن یہ اجتماعی عبادت بھی عورت پر فرض نہیں ہے۔نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«الْجُمُعَةُ حَقٌّ وَاجِبٌ عَلَى كُلِّ مُسْلِمٍ فِي جَمَاعَةٍ إِلَّا أَرْبَعَةً: عَبْدٌ مَمْلُوكٌ، أَوِ امْرَأَةٌ، أَوْ صَبِيٌّ، أَوْ مَرِيضٌ»

''جمعہ ہر مسلمان پر باجماعت پڑھنا واجب ہے، البتہ غلام، عورت، بچہ اور مریض اس (وجوب جمعہ) سے مستثنیٰ ہیں۔'' [2]

شریعت نے مسلمانوں کو اپنے مرنے والے، مسلمان بھائیوں کی نماز جنازہ پڑھنے کی

[1] مسند احمد(371/6)

[2] سنن أبي داؤد:كتاب الصلاة،باب الجمعة للمملوك والمرأة،حديث:1067

بڑی تاکید کی اور اس کی خاص فضیلت بیان کی ہے لیکن عورتوں کے لیے اس کو ضروری نہیں سمجھا بلکہ ان کو جنازوں میں شرکت سے منع کر دیا گیا۔ حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں:

«نُهِينَا عَنِ اتِّبَاعِ الجَنَائِزِ، وَلَمْ يُعْزَمْ عَلَيْنَا»

''ہمیں (عورتوں کو) جنازے کی متابعت کرنے سے منع کر دیا گیا ہے، تاہم اس میں زیادہ سختی نہیں کی گئی۔''[1]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس ضمن میں ابن منیر رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''امام بخاری رحمہ اللہ نے عورتوں کو جنازے کی ممانعت کے متعلق باب اور نماز جنازہ پڑھنے کی فضیلت کے باب کے درمیان متعدد ابواب کے ساتھ فاصلہ کر دیا ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلے میں مرد و عورت کے درمیان فرق ہے اور جنازے میں شرکت کی جو فضیلت ہے، وہ صرف مردوں کے ساتھ خاص ہے۔ عورتیں اس کی مخاطب نہیں کیونکہ عورتوں کو جنازے میں شرکت سے منع کیا گیا ہے۔ یہ ممانعت تحریم یا کراہت کی مقتضی ہے۔ جبکہ فضیلت استحباب پر دال ہے اور تحریم یا کراہت فضیلت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتے۔''[2]

جہاد بھی اسلام کا ایک فریضہ ہے لیکن اسے بھی مردوں پر فرض کیا گیا ہے، عورتوں پر نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا:

کیا عورتوں پر جہاد فرض ہے؟ آپ نے فرمایا:

«نَعَمْ، عَلَيْهِنَّ جِهَادٌ، لَا قِتَالَ فِيهِ: الْحَجُّ وَالْعُمْرَةُ»

---

[1] صحیح البخاری: کتاب الجنائز، باب اتّباع النّساء الجنائز، حدیث: 1278

[2] فتح الباری: (185:3)

''ہاں! ان پر بھی جہاد فرض ہے لیکن لڑائی والا جہاد نہیں، ان کا جہاد حج اور عمرہ ہے۔'' [1]

غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت ام ورقہ بنت نوفل رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا مجھے بھی اجازت دیجئے کہ آپ کے ساتھ جنگ میں چلوں اور زخمیوں اور بیماروں کی دیکھ بھال کا کام کروں، شاید اس طریقے سے اللہ تعالیٰ مجھے رتبۂ شہادت سے سرفراز فرما دے۔ آپ نے فرمایا:

«قَرِّي فِي بَيْتِكِ فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَرْزُقُكِ الشَّهَادَةَ»

''تم اپنے گھر ہی میں ٹک کر رہو، تمہیں اللہ تعالیٰ ایسے ہی شہادت کا رتبہ عطا فرما دے گا۔''

راوی کا بیان ہے، چنانچہ ان کا نام ہی شہیدہ پڑ گیا تھا۔ [2]

اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض غزوات میں چند خواتین اسلام نے حصہ لیا ہے لیکن وہ محض گنتی کی چند عورتیں تھیں اور انہوں نے بھی وہاں جا کر مردوں کے دوش بدوش مورچے سنبھالے تھے نہ توپ وتفنگ سے وہ مسلح تھیں بلکہ صرف پیچھے رہ کر فوجیوں کی خوراک اور مرہم پٹی کا کام کرتی رہتی تھیں۔ جس طرح حضرت ام عطیہ انصاریہ رضی اللہ عنہا نے وضاحت کی ہے:

«غَزَوْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَ غَزَوَاتٍ، أَخْلُفُهُمْ فِي رِحَالِهِمْ، فَأَصْنَعُ لَهُمُ الطَّعَامَ، وَأُدَاوِي الْجَرْحَى، وَأَقُومُ عَلَى الْمَرْضَى»

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سات غزوات میں شرکت کی میں ان کے خیموں میں پیچھے رہتی، ان کے لیے کھانا تیار کرتی، زخمیوں کی مرہم پٹی کرتی اور بیمار پرسی

---

[1] سنن ابن ماجه :كتاب المناسک ،باب الحج جهاد النساء،حديث:2901

[2] سنن أبي داؤد:كتاب الصلاة،باب امامة النساء،حديث:591

کرتی۔'' [1]

ان احادیث سے واضح ہے کہ جمعہ، جماعت، جنازہ اور جہاد وغیرہ فرائض میں عورتوں کی شرکت کو ضروری قرار نہیں دیا گیا ہے بلکہ ان کے ساتھ یہ خصوصی رعایت کی گئی ہے کہ گھر بیٹھے ہی انہیں ان فرائض کا اجر وثواب مردوں ہی کی طرح مل جائے گا بشرطیکہ وہ گھریلو امور پوری ذمے داری سے ادا کریں۔

وراثت میں عورت کا نصف حصہ

وراثت میں بھی مرد وعورت کے درمیان فرق ہے۔

﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾
''مرد کے لیے دو عورتوں کی مثل ہے'' (النساء 4:11)

اور اس کی وجہ بھی وہی مرد وعورت کے دائرۂ کار کا اختلاف ہے۔ اسلام میں چونکہ نان ونفقہ کا ذمے دار مرد کو بنایا گیا ہے، عورت کو نہیں، اس لیے مرد کی ذمے داریوں کے بوجھ کے حساب سے اسے وراثت میں حصہ بھی دگنا دیا گیا ہے۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو مرد پر ظلم ہوتا۔ اس کو ایک مثال سے یوں سمجھا جا سکتا ہے۔

ایک شخص فوت ہو جاتا ہے، اس کے ورثاء میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے۔ اس کی جائیداد میں اسے ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنْثَيَيْنِ﴾ کے تحت لڑکے کو ایک لاکھ کی رقم ملتی ہے اور لڑکی کو پچاس ہزار روپے۔ لڑکی کے یہ پچاس ہزار روپے نہ صرف محفوظ رہیں گے بلکہ ان میں اضافہ ہوگا اگر وہ اس کو کسی کاروبار میں لگا دے تو نفع آئے گا۔ علاوہ ازیں شادی پر

[1] صحیح مسلم: کتاب الجهاد، باب النساء الغازیات....الخ، حدیث: 1812

اسے خاندان کی طرف سے مہر ملے گا، جس سے اس کی مالی حیثیت میں اضافہ ہی ہوگا، جبکہ اس کے برعکس لڑکے کو اپنی شادی پر بھی خرچ کرنا پڑے گا اور آنے والی بیوی کو مہر بھی ادا کرے گا، اس کے نان ونفقہ کا بھی ذمے دار ہوگا اور شاید اپنی بہن کی شادی کا خرچہ بھی اسے ہی برداشت کرنا پڑے۔ مکان اگر نہیں ہے بیوی بچوں کے لیے مکان کا بھی انتظام کرے گا۔ جبکہ اس کی بہن ان تمام جھمیلوں کھکھیڑ وں سے محفوظ ہے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلام کا نظام وراثت کس طرح حکمت سے پُر اور عدل وانصاف کے عین مطابق ہے۔

• مرد کو ایک سے زیادہ چار تک شادیاں کرنے کی اجازت ہے •

اسلام میں مرد کو حسب ضرورت واقتضا ایک سے زیادہ، یعنی چار تک بیویاں رکھنے کا حق حاصل ہے اور مغرب زدہ طبقہ اس پر کتنا بھی چیں بہ جبیں ہو لیکن واقعہ یہ ہے کہ اسلام نے مرد کو یہ حکیمانہ اجازت دے کر انسانی معاشرے کو بہت سی خرابیوں سے بچانے کا اہتمام کیا ہے جس کا اعتراف اب مغرب کے وہ دانشور بھی کررہے ہیں جن کے ہاں قانونی طور پر تو ایک سے زیادہ بیوی نہیں رکھی جاسکتی لیکن داشتائیں رکھنے اور باہمی رضامندی سے زناکاری کی عام اجازت ہے۔

عورت کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ بیک وقت کئی خاوندوں کی بیوی بن کر رہے اور اس میں حکمت یہی ہے کہ ایک تو خلقی طور پر عورت مرد کے مقابلے میں کمزور ہے۔ وہ زیادہ مردوں کی متحمل ہو ہی نہیں سکتی۔ دوسرا سب سے اہم مسئلہ نسب کی حفاظت کا ہے۔ عورتوں کو بھی مردوں کی طرح ایک سے زیادہ خاوندوں کی اجازت ہوتی تو ہونے والا بچہ

مجہول النسب رہتا۔آخرکس کی طرف یقین کے ساتھ اسے منسوب کیا جاتا؟اس کے علاوہ اس کی متعدد حکمتیں ہیں،جس کی کچھ تفصیل آگے آئے گی۔

مرد کا حق طلاق اوراس کی حکمت

حق طلاق بھی وہ حق ہے جواسلام نے مرد کوتو دیا ہے،عورت کونہیں دیا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت مرد کے مقابلے میں مشتعل اورجلد بازی میں جذباتی فیصلہ کرنے والی ہے، نیز عقل اوردوراندیشی میں کمزورہے۔عورت کوبھی اختیار دیے جانے کی صورت میں، یہ اہم رشتہ جوخاندان کے استحکام وبقا اور اس کی حفاظت وصیانت کے لیے بڑا ضروری ہے،تارعنکبوت سے زیادہ پائیدار نہ ہوتا۔علمائے نفسیات وطبیعات بھی اس حقیقت کوتسلیم کرتے ہیں، چنانچہ علامہ فرید وجدی لکھتے ہیں:

''عورت کی جسمانی ساخت بچوں کی جسمانی ترکیب سے قریب تر ہوتی ہے،اس لئے عام طور پر یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ بچوں کی طرح جلد متاثر اور منفعل ہوجاتی ہے۔ فرحت وکلفت ،خوف ومسرت کے احساسات جلدہی اس پر طاری ہوجاتے ہیں اور چونکہ اس میں عقلیت اورغوروفکر کی قوت کوزیادہ دخل نہیں ہوتا، اس لیے جلدہی تأثرات اس سے زائل بھی ہوجاتے ہیں اوراکثر دیرپا ثابت نہیں ہوتے۔اس بناپرعورت متلون اورغیرمستقل مزاج ہوتی ہے۔''

ایک اوراشتراکی فلسفی کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

''عورت کا وجدان مرد کے وجدان سے کمزور ہوتا ہے،جتنی کہ اس کی عقل مرد کی عقل سے کم ہوتی ہے،اس کے اخلاقی پیمانے بھی مرد سے مختلف ہوتے ہیں،اس

لیے بالکل ضروری نہیں کہ جس کو وہ اچھا یا برا بتائے، واقعی وہ اچھا یا برا ہی ہو۔'' [1]

مشہور حنفی فقیہ علامہ ابن ہمام، عورت کو حق طلاق نہ دیے جانے کے ضمن میں لکھتے ہیں:

«جَعْلُهُ بِيَدِ الرِّجَالِ دُونَ النِّسَاءِ لِاخْتِصَاصِهِنَّ بِنُقْصَانِ الْعَقْلِ وَغَلَبَةِ الْهَوَى، وَمِنْ ذَلِكَ سَاءَ اخْتِيَارُهُنَّ وَسَرُعَ اغْتِرَارُهُنَّ وَنُقْصَانِ الدِّينِ، وَمِنْهُ كَانَ أَكْثَرُ شُغْلِهِنَّ بِالدُّنْيَا وَتَرْتِيبِ الْمَكَايِدِ وَإِفْشَاءِ سِرِّ الْأَزْوَاجِ وَغَيْرِ ذَلِكَ»

طلاق کا اختیار صرف مرد کے ہاتھ میں دینے کے وجوہ میں سے چند یہ ہیں:
''عورتیں ناسمجھ (نقصان عقل) اور غلبۂ ہوی (جذباتی ہونے) کی وجہ سے اختیارات کا غلط طور پر استعمال کرنے لگتی ہیں اور جلد فریب کا شکار ہو جاتی ہیں اور دینی حیثیت سے کمزور (نقصان دین) ہونے کی وجہ سے دنیا کے کاموں (بناؤ سنگھار، غیبت اور بدگوئی وغیرہ) میں زیادہ منہمک رہتی ہیں، مکر کے جال بنتی رہتی ہیں اور شوہروں کے رازوں کو ظاہر کر دیتی ہیں اور اس طرح کی اور چیزیں ہیں۔'' [2]

اس لیے شریعت اسلامیہ نے طلاق کا حق بھی صرف مردوں کو دیا ہے جو عقل وفہم، تدبر، دوراندیشی اور حوصلہ وعزم میں عورت سے فائق ہے۔ ہر سمجھ دار طلاق دینے سے پہلے بہت کچھ سوچتا ہے اور بدرجۂ آخر یہ حق طلاق استعمال کرتا ہے جس طرح کہ شریعت نے بھی اسے بدرجۂ آخر ہی استعمال کرنے کی تاکید کی ہے۔ عورت کی اس کمزوری کا ذکر احادیث میں اس طرح کیا گیا ہے۔ فرمایا:

«اسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ، فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ، وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ

---

[1] دائرۃ المعارف (عربی) فرید وجدی (596/8) بحوالہ ''معاشرتی مسائل دین فطرت کی روشنی میں'' مؤلف مولانا برہان الدین شائع کردہ مکتبۃ الحسن لاہور۔

[2] فتح القدیر: الطلاق: (365/3)

أَعْلاَهُ، فَإِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ، وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ، فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ»

''عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی وصیت مانو! عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے، اور سب سے زیادہ کجی اوپر کی پسلی میں ہوتی ہے۔ پس اگر تم اسے سیدھا کرنے لگو گے تو توڑ دو گے اور یوں ہی چھوڑ دو گے تو کجی باقی رہے گی۔ پس عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی وصیت قبول کرو۔'' [1]

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

«وَفِيهِ سِيَاسَةُ النِّسَاءِ بِأَخْذِ الْعَفْوِ مِنْهُنَّ وَالصَّبْرِ عَلَى عِوَجِهِنَّ وَأَنَّ مَنْ رَامَ تَقْوِيمَهُنَّ فَاتَهُ الانْتِفَاعُ بِهِنَّ مَعَ أَنَّهُ لَا غِنَىً لِلْإِنْسَانِ عَنِ امْرَأَةٍ يَسْكُنُ إِلَيْهَا وَيَسْتَعِينُ بِهَا عَلَى مَعَاشِهِ فَكَأَنَّهُ قَالَ: الِاسْتِمْتَاعُ بِهَا لَا يَتِمُّ إِلَّا بِالصَّبْرِ عَلَيْهَا»

''مطلب اس کا یہ ہے کہ عورت کے مزاج میں تھوڑی سی کجی ہے (جو ضد وغیرہ کی شکل میں بالعموم ظاہر ہوتی رہتی ہے۔) پس اس کمزوری میں اسے معذور سمجھو کیونکہ یہ پیدائشی ہے۔ اسے صبر و حوصلے کے ساتھ برداشت کرو اور ان سے عفو و درگزر کا معاملہ کرو اگر تم انہیں سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو ان سے فائدہ نہیں اٹھا سکو گے درآں حالیکہ ان کا وجود انسان کے سکون کے لیے ضروری ہے اور کشمکش حیات میں ان کا تعاون ناگزیر ہے، اس لیے صبر کے بغیر ان سے استمتاع اور نباہ ناممکن ہے۔'' [2]

ایک دوسری حدیث میں عورت کے سریع الغضب (زود رنج ہونے) اور ذرا سی بات خلاف طبیعت پیش آجانے پر ایک دم سارے احسانات فراموش کر دینے کی فطرت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے:

---

[1] صحیح البخاری: أحادیث الأنبیاء، باب خلق آدم وذریته، حدیث: 3331

[2] فتح الباری: (315/9)

«لَوْ أَحْسَنْتَ إِلَى إِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ، ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَيْئًا، قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ مِنْكَ خَيْرًا قَطُّ»

''تم ایک عورت کے ساتھ عمر بھر احسان کرتے رہو لیکن اگر وہ کسی وقت تم سے کسی معمولی بات بھی (خلاف طبیعت) دیکھ لے گی تو فوراً کہہ اٹھے گی، میں نے تو تیرے ہاں کبھی سکھ دیکھا ہی نہیں''[1]

جدید ماہرین کا اعتراف

عورت کی جس فطری کجی کی طرف حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے اور اس کی بنا پر اس کے ساتھ برداشت اور تحمل کے ساتھ گزارا کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ اس کا اعتراف مختلف انداز سے اب چودہ سو سال کے بعد بھی کیا جا رہا ہے۔ اس پس منظر کے ساتھ برطانوی ماہرین کی ایک رپورٹ ملاحظہ فرمائیں:

عورت کی اس فطری کمزوری کے حوالے سے برطانوی ماہرین کی رپوٹ:

بیوی شوہر سے سالانہ 8 ہزار منٹ الجھتی ہے۔ برطانوی ماہرین

ہفتے میں کم سے کم 2 گھنٹے 25 منٹ اور ماہانہ 11 گھنٹے بیوی اپنے شوہر سے لڑتی جھگڑتی ہے۔ رپورٹ

''لندن (آن لائن) گھریلو ناچاقی اور میاں بیوی کے درمیان الجھنیں ہر معاشرے اور ہر دور کا حصہ رہی ہیں اور اس سے نجات کے لیے ماہرین مختلف طریقے بھی تجویز کرتے ہیں۔ حال ہی میں برطانیہ میں کی گئی ایک تحقیق میں بتایا گیا ہے کہ بیوی ایک سال میں اپنے شوہر سے 8 ہزار منٹ تک الجھتی رہتی ہے۔ برطانیہ میں ماہرین نے 3000 افراد پر یہ تحقیق کی اور پتا چلایا کہ شوہر کی نسبت بیوی

[1] صحیح البخاری: کتاب النکاح، باب کفران العشیر وھو الزوج وھو الخلیط من المعاشرۃ، حدیث: 5197

زیادہ چڑ چڑے پن کا شکار رہتی اور اپنے خاوند اور دیگر افراد خانہ سے الجھتی رہتی ہے۔رپورٹ میں بتایا گیا کہ ہفتے میں کم سے کم دو گھنٹے 25 منٹ اور ماہانہ 11 گھنٹے اپنے شوہر سے لڑتی جھگڑتی ہے چونکہ میاں بیوی کے درمیاں جھگڑے ہر معاشرے کا حصہ ہیں۔اس لیے ماہرین نفسیات بیوی کے چڑ چڑے پن سے نمٹنے کے لیے کچھ طریقے بھی تجویز کرتے ہیں۔ماہرین کا کہنا ہے کہ بیوی سے اس کی فطرت کے مطابق ہی سلوک کیا جائے۔کسی بھی شخص کو سو فیصد تبدیل کرنا غیر منطقی ہے۔تبدیلی باہر سے مسلط نہیں کی جاسکتی بلکہ الجھنوں کا شکار شخص خود جب تک تبدیلی کا عزم نہ کرے تو اس کی طبیعت اور مزاج میں فرق نہیں پڑے گا۔یہ بات ذہن نشیں کرلی جائے کہ آپ کے شریک حیات کے مزاج میں پائی جانے والی تلخی کے پس پردہ اس کی تعلیم مخصوص ماحول میں پرورش اور اس کے موروثی مسائل میں سے کوئی ایک عنصر ہوسکتا ہے۔اگر خاتون اپنے شوہر پر مخصوص اور متعین ذمہ داریاں ڈالتی ہے تو اس کی اس فطرت کو بتدریج بدلا جاسکتا ہے۔شریک حیات میں سے دونوں کو یقین رکھنا چاہیے کہ تبدیلی پلک جھپکنے میں نہیں آجاتی۔یہ ایک مسلسل عمل ہے جو بتدریج اور تکرار کے ذریعے ہی آسکتا ہے۔" [1]

مسئلہ شہادتِ نسواں اور مرد و عورت کے درمیان فرق و اختلاف کی تین صورتیں

ان تفصیلات سے واضح ہے کہ بہت سے معاملات میں مرد و عورت کے درمیان ان کی فطری صلاحیتوں کے اعتبار سے اور دائرۂ کار کے اختلاف کی وجہ سے فرق کیا گیا ہے۔

اس فرق و اختلاف کی بالعموم تین صورتیں ہیں:

1. بعض کام تو ایسے ہیں جنہیں صرف مرد ہی کر سکتے ہیں، عورتیں نہیں کرسکتیں اور بعض کام

[1] روزنامہ "آواز" لاہور، 9 مئی 2016ء

عورتیں کر سکتی ہیں، مرد نہیں کر سکتے دنیا کی کوئی طاقت ان میں تبدیلی کرنے پر قادر نہیں جیسے مرد کا بار آور کرنا اور عورت کا حاملہ اور مرضعہ ہونا۔

2 اور بہت سے کام ایسے ہیں کہ جنہیں اگرچہ مردوں کی طرح عورتیں بھی کر سکتی ہیں لیکن ان کاموں کو عورتوں پر فرض نہیں کیا گیا ہے تاکہ عورت کا اصل دائرہ کار (گھریلو زندگی) متأثر نہ ہو اور مردوں کے ساتھ عام اختلاط نہ ہو جو اسلام کے نزدیک سخت ناپسندیدہ ہے۔ نماز باجماعت، جمعہ، جنازے اور جہاد میں شرکت سے عورتوں کا استثنا اسی اصول پر مبنی ہے اور کسب معاش کے بوجھ سے بھی اسے اسی بنیاد پر فارغ رکھا گیا ہے۔

اسلام کے نزدیک عورت کا اپنے آپ کو صرف امور خانہ داری تک محدود رکھنا، اس عزت وشرف کے بقا کے لیے بھی ضروری ہے جو اس نے عورت کو عطا کیا ہے۔ خاندان کی حفاظت وصیانت کا بھی عین تقاضا ہے اور انسانی معاشرے کو فساد قلب ونظر سے بچانے کے نقطۂ نظر سے بھی یہ ایک امر ناگزیر ہے۔

3 بہت سے معاملات ایسے ہیں کہ عورت اپنی فطری کمزوری کی وجہ سے انہیں اس طرح انجام نہیں دے سکتی جس طرح مرد اپنی خداداد صلاحیتوں کی وجہ سے ان پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح مرد کو جسمانی قوت عورت سے زیادہ عطا کی ہے، اسی طرح ذہنی، دماغی صلاحیتوں میں بھی وہ عورت سے فائق ہے۔ اس فطری کمزوری، یا فطری خوبیوں کی وجہ سے کسی کو حقیر سمجھنا اور کسی کو بالاتر مخلوق قرار دے دینا بلاشبہ صحیح نہیں ہے۔ قدرت کو جس سے جو کام لینا ہے، اسی کے مطابق اس کو مخصوص صلاحیتیں بھی عطا کی ہیں۔ ان فطری صلاحیتوں کا انسانی شرف وکرامت سے کوئی تعلق نہیں ہے، اس اعتبار سے مرد وعورت دونوں یکساں ہیں۔ صلاحیتوں کے تفاوت کا مطلب، شرف

وکرامت میں تفاوت نہیں ہے، تاہم صلاحیتوں میں فرق وتفاوت کو جھٹلانا بھی آفتاب نیم روز کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔

اس تیسری قسم میں عورتوں کی شہادت کا مسئلہ بھی ہے۔ جب یہ حقیقت نا قابل انکار ہے کہ عورت بعض باتوں میں مرد سے مختلف اور ممتاز ہے، مثلاً:

- اس میں شرم وحیا کا مادہ زیادہ ہے۔
- وہ مرد کی طرح فصیح وبلیغ نہیں ہے۔
- وہ دماغی وذہنی صلاحیتوں میں کچھ کمزور ہے۔ جس کی وجہ سے وہ ضعف حافظہ، نسیان اور ذہول کا زیادہ شکار ہوتی ہے۔ جسے حدیث میں نقصان عقل اور قرآن کریم میں:

  ﴿أَن تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ﴾ [البقرة :282]

  سے تعبیر کیا گیا ہے۔
- اسلام نے عورت کا مردوں کے ساتھ اختلاط اور گھر سے زیادہ باہر نکلنے کو ناپسند کیا ہے۔

اگر یہ ساری باتیں تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں تو پھر اس بات کے ماننے میں تأمل کیوں ہے کہ مسئلہ شہادت میں بھی شریعت نے مرد کو فوقیت اور ترجیح دی ہے اور عورت کی گواہی کو بہ وقت ضرورت ہی تسلیم کیا ہے۔ عام حالات میں مردوں کی موجودگی میں اس کے گواہ بننے کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا ہے کیونکہ شہادت کے تقاضوں کو عورتیں مردوں کی طرح نبھانے پر فطری طور پر قادر نہیں ہیں۔ (اس کی مزید تفصیل ''مسئلہ شہادت نسواں، عقل ونقل کی روشنی میں'' کے عنوان سے ہے جسے راقم کی کتاب ''خواتین کے امتیازی مسائل'' میں دیکھا جاسکتا ہے)۔

خواتین کی تعلیم اور ملازمت کا مسئلہ [1]

امام غزالی اور علامہ اقبال کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ عورتوں کی اعلیٰ تعلیم کو ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ یہ غلط فہمی دور ہونی چاہیے کہ وہ خدانخواستہ عورتوں کی تعلیم کے مخالف تھے۔ وہ مخالف ہرگز نہ تھے وہ بس یہ چاہتے تھے کہ عورتیں صرف وہ تعلیم حاصل کریں جو ان کی فطرت ،خلقت اور فرائضِ مخصوصہ کے مطابق زندگی میں ان کے اور خاندان کے کام آئے اور صحیح یہ ہے کہ قدرت نے عورت کے لیے الگ دائرۂ کار مقرر کیا ہے جس کی تشریح کی یہاں ضرورت نہیں کیونکہ یہ بات ہر شخص کو معلوم ہے کہ بے شمار کام ایسے ہیں جو مرد نہیں کر سکتے اور لاتعداد کام ایسے ہیں جو عورتوں کی طاقت سے باہر ہیں، لہذا ہر گروہ کو ان کے کاموں کی نسبت سے تعلیم دینی چاہیے۔ یہ اعلیٰ اور ادنیٰ تعلیم کا معاملہ نہیں بلکہ ہر کسی کو اس کے مزاج اور فطری صلاحیتوں کے مطابق مناسب تعلیم دینے کا مسئلہ ہے اور یہ خیالات صرف غزالی اور اقبال ہی کے نہیں خود سر سید احمد خان کے بھی ہیں جو مغربی انداز کے ہمارے یہاں اولین بڑے علمبردار تھے۔ سر سید احمد خان کی یہ سرگزشت دیکھنی ہو تو ان کا سفر نامۂ پنجاب مرتبہ سید اقبال علی پڑھیے۔

اور جہاں تک مخلوط تعلیم کا تعلق ہے تو مذکورہ بالا بزرگ اور دوسرے ہزاروں علماء وحکماء اسے خطرناک سمجھتے تھے کیونکہ اس کا ان معاشرتی واخلاقی احکام سے تصادم ہے جو قرآن مجید میں مذکور ہیں یا جن کا اوپر ذکر آیا۔ یہ امر عورتوں پر پابندی یا سختی کے ضمن میں

[1] ڈاکٹر سید محمد عبداللہ مرحوم

نہیں آتا، اس میں عورتوں کے لیے برکتیں اور حکمتیں ہیں ان میں سب سے بڑی حکمت عورتوں کا معاشرتی تحفظ، ان کی عزت کی حفاظت اور خاندانی زندگی کا استحکام ہے۔

عورتوں کو ہر سطح تک تعلیم دی جا سکتی ہے، بشرطیکہ مذکورہ بالا مصلحتوں اور حکمتوں کو گزند نہ پہنچے اور یہ سب عورتوں کے فائدے کی خاطر ہے ان پر زیادتی نہیں۔

مخلوط اور یکساں نصاب پر بحث کی ضرورت نہیں، اس کا نفع نقصان سب کو معلوم ہے لیکن اگر تعلیم مخلوط نہ ہو تو عورتوں کو اختیار دیا جائے کہ وہ ہر شعبۂ تعلیم میں جسے وہ اپنے لیے مفید سمجھتی ہیں داخلہ لے لیں، یعنی ان سب شعبوں میں جو انہیں اپنے لیے مفید نظر آئیں یا معاشرے کے لیے مفید ہوں لیکن مخلوط ملازمتوں کا مسئلہ جدا ہے، مخلوط ملازمتوں کے سلسلے میں جو قباحتیں ہیں وہ ہر کسی کو معلوم ہیں۔

ظاہر ہے کہ عورتیں اپنے لیے جن مضامین کو مفید خیال کریں گی ان میں اکثر ایسے ہوں گے جو مردوں کے لیے بیگانہ اور نامانوس ہوں گے، اس لیے اگر عورتوں کی تعلیم کا نظام یکسر علیحدہ ہوگا تب جا کر انہیں فائدہ ہوگا۔ اس کا واحد علاج عورتوں کے لیے بالعموم الگ نصاب اور ایک الگ خواتین یونیورسٹی کا قیام ہے۔ مردوں اور عورتوں کے لیے یکساں نصاب کا فلسفہ غیر قدرتی اور غیر معقول ہے۔ یہ بات اور ہے کہ آج کی دنیا میں اس غیر معقول فلسفے کو اپنایا جا رہا ہے اگرچہ اس میں عورتوں کو بہت نقصان پہنچ رہا ہے لیکن رواج عام کا غلبہ زبردست شے ہے، اس کے سامنے ہر کوئی دب جاتا ہے۔ اس رواج کو تبدیل کرنے کے لیے ایک معاشرتی انقلاب کی ضرورت ہے مگر ایسا انقلاب کوئی آسان کام نہیں، سب سے پہلے فکری تبدیلیوں کی ضرورت ہے اور یہ تبدیلیاں مغربی معاشرتی فلسفوں پر مسلسل و منظم تنقید کرتے رہنے سے اور عملی تجربوں کے حوالے سے ان کے

خطرات سے آگاہ کرتے رہنے سے ممکن ہوں گی۔ جب تک ہمارے یہاں مغربی معاشرتی فلسفہ غالب ہے، ہماری سب دلیلیں بے کار و بے اثر ہوں گی، لہٰذا بقول علامہ اقبال مغربی معاشرتی حکمت پر بھرپور حملہ علمی ہتھیار سے لازمی ہے۔

ملازمتوں میں عورتوں کی شرکت، ایک اہم اور نازک معاشرتی افکار کے زیر اثر نقطۂ نظر کے بدل جانے کا نتیجہ ہے اگر ہم اس معاملے میں اسلام کی معاشرتی حکمتوں سے ہدایت لیں تو ہمیں اس شرکت میں بے شمار قباحتیں نظر آئیں گی بلکہ آج کل کے حالات میں ملازمت بڑی حد تک غیر اخلاقی اور نامناسب نظر آئے گی کیونکہ اسلام کی معاشرتی حکمت میں عورتوں کا فرض بچوں کی پرورش اور خانہ داری ہے اور اس کے بدلے مردوں کا فرض عورتوں بیویوں کی معاشی کفالت ہے تا کہ وہ بے فکر ہو کر اپنے دائرے میں خاندان کی خدمت کر سکیں۔ یہ خدمت ایک بہت بڑا منصب ہے اور جیسا کہ بعض روشن خیال حضرات باور کراتے ہیں، یہ کوئی کمتر فریضہ نہیں بلکہ اصل تعمیر انسانیت اسی فریضے میں مضمر ہے اور اس کی انجام دہی میں مرد کا کام اگر ان اصطلاحوں میں سوچیں تو خادم کا ہے جو بنی نوع انسان کی اس معمار بیوی کو اس کے اہم فریضے کی ادائیگی کے قابل بناتا ہے۔ اس عمل یا دو طرفہ عمل میں عورت کا درجہ بلند تر ہے، شوہر کا درجہ دوسرے نمبر پر آتا ہے مگر مغربی معاشرتی تصورات نے اس تقابل کو منقلب کر کے معاملہ زیر وزبر کر دیا ہے۔

یہ تھا اصولی عقیدہ ایک مسلمان کی حیثیت سے لیکن سوال آج کل کے حالات کا ہے، اس لیے موجودہ حالات میں عورتوں کی ملازمت کے جواز یا عدم جواز پر گفتگو کرنے کی ضرورت ہے۔

پہلے اس سوال کا جواب چاہیے کہ عورتیں ملازمتوں کی شائق یا طلب گار کیوں ہیں؟

مغربی ماحول میں تو ان کا شوق ملازمت اس لیے ہے کہ وہاں خاندان اور گھر کا تصور ایک فرسودہ عمل ہے۔ عورتیں نہ صرف ہم مرتبہ ہونے کا دعویٰ کر کے گھریلو آزادی کی طلب گار ہیں بلکہ معاشی طور پر آزاد ہو کر ان تمام بندشوں سے بھی آزاد ہو جانا چاہتی ہیں جو خاندانی زندگی میں ان پر عائد ہوتی ہیں، وہ خود کفیل ہو کر ہمہ رنگ آزاد شہری بننا چاہتی ہیں، اس میں انہیں ہزار مشکلات بھی پیش آتی ہیں لیکن وہ آزادئ کامل کے لیے ہر مشکل کو برداشت کرتی ہیں۔

لیکن اس میں انہیں ایک آسانی بھی ہے اور وہ یہ کہ مذکورہ معاشرہ اس مسئلے میں ان کا ہم خیال ہے اور ہر چند کہ اس میں بد اخلاقی کے سارے عیب پائے جاتے ہیں لیکن وہ معاشرہ ان خلافِ اخلاق باتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتا لیکن ہمارے ملک میں ایک مسلم خاتون کی مشکل یہ ہے کہ ہمارے مسلم معاشرے کے نزدیک ملازمت، غیر مردوں سے خلا ملا، ہر حال میں ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے کہ ایک مسلمان عورت ملازمت کی طرف کیوں راغب ہوتی ہے؟ اس کے کئی اسباب ہیں جن میں سے بعض واقعی قابل توجہ ہیں اگرچہ عمومی رویہ محض مغرب کی نقالی سے ابھرا ہے۔ مغرب کی تقلید میں ہماری انتہا پسند خواتین عورتوں کی کامل آزادی کی قائل، مردوں کی ہر قسم کی بالا دستی کی مخالف اور ان کی ہر قسم کی دست نگری سے گریزاں ہیں۔ یہ مغربی تعلیم اور نقالی کا نتیجہ ہے اور تسلی کا پہلو صرف یہ ہے کہ یہ فکر ابھی سرمایہ دار، بورژوا اور دانشور طبقے تک محدود ہے اور معاشرے میں ان طبقات کے خلاف ایک گونہ تعصب بھی موجود ہے۔

((ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب رحمہ اللہ کا ایک اور اہم مضمون اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں))

”قوم کی نصف آبادی بیکار“....افسانہ یا حقیقت[1]

مقالے کا عنوان میں نے ماضی قریب میں ہونے والی خواتین کانفرنس کی ایک قابل احترام مقرر خاتون سے لیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ ہماری قوم کی آبادی کا نصف حصہ بے کار ہے، اسے قومی تعمیر میں مکمل حصہ دار بنانا چاہیے۔

محترمہ خاتون کے ارشاد کا دوسرا حصہ بالکل درست ہے لیکن پہلے حصے کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا بلکہ اس پر اعتراض کیا جا سکتا ہے، اس بنیاد پر کہ انہوں نے مسلم معاشرے کو بدنام کرنے میں اہل مغرب کی مغالطہ انگیز مہم میں نادانستہ شرکت کی ہے۔ میں نے اسے بدنام کرنے کی مہم، اس لیے کہا کہ قوم کے نصف حصے کو بیکار کہنا حقیقت کے خلاف ہے۔

غالباً خاتون محترمہ کہنا یہ چاہتی ہیں کہ خواتین کی اکثریت موجودہ تعلیم سے عاری اور غیر ملازمت پیشہ ہے اور اس حد تک بات غلط نہیں، درست ہے۔ مگر یہ کہنا کہ مسلمان عورتوں کی اکثریت بیکار ہے اور ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھی رہتی ہے، سراسر تہمت اور بہتان ہے۔ بالکل فارغ ہونے کی بات اگر درست ہے تو صرف ان گھرانوں کے بارے میں جو آسودہ حال، سرمایہ دار اور جاگیردار یا مفادات و رعایات زندگی سے بہرہ ور ہیں۔ ایسے گھرانوں میں نوکر چاکر بکثرت ہوتے ہیں اور خواتین تو کیا خود مردوں کے پاس کوئی مفید

[1] ڈاکٹر سید محمد عبداللہ مرحوم

پیداواری کام نہیں ہوتا مگر دیہاتوں میں بسنے والی کروڑوں اور شہروں کی غریب متوسط اور نیم متوسط خواتین کا یہ حال نہیں۔ وہ قومی زندگی (خاندان کی تعمیر اور گھر) کو آباد رکھنے میں نہایت نتیجہ خیز اور قابل صد تحسین کام انجام دیتی ہیں، لہذا انہیں بیکار کہنا ان پر سخت زیادتی ہے۔

میں عورتوں کی تعلیم اور ان کی ملازمت دونوں کا حامی ہوں بلکہ یوں کہوتو بہتر ہوگا کہ ان کی موزوں تعلیم کو فرض عین اور بشرط ضرورت ان کے لیے ملازمت کو ایک مجبوری سمجھتا ہوں جس کی ذمے داری اس خوف پر ہے جو عورتوں کے دلوں میں مردوں (شوہروں) کے بارے میں پیدا کر دیا گیا ہے یا ہوتا ہے اس کے باوجود میں یہ نہیں مان سکتا کہ گھر اور خانہ داری کی مصروفیات معمولی، حقیر اور بیکاری کے مترادف ہیں۔ میرے خیال میں یہ کہنا کہ قوم کا نصف حصہ بے کار ہے، تہمت بھی ہے اور افسانہ بھی۔ تہمت، اس لیے کہ قوم کی حقیقی معمار (بچوں کی پرورش اور تربیت کرنے والی) آبادی کے خلاف یہ شرمناک طنز ہے جس میں تحقیر کا پہلو پایا جاتا ہے اور افسانہ، اس لیے ہے کہ یہ حقیقت کے خلاف ہے۔ وہ کروڑوں عورتیں جو دیہات میں رہتی ہیں۔ تربیت اطفال اور خانہ داری کے علاوہ بھی مردوں کے معاشی مشاغل میں شریک ہوتی ہیں، چنانچہ ہماری آخری مردم شماری میں اس قسم کا اشتراک ساٹھ اور ستر فیصد کے برابر قرار دیا گیا ہے۔ پس کیا ہم ایسی اولوالعزم دیہاتی عورتوں کو ''بے کار'' کے تحقیری لفظ سے یاد کر سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ یہ دراصل سرمایہ دارانہ ذہن اور قوم کے سرمایہ دار طبقے کا اپنی بے کاری کو چھپانے کا پردہ (کاموفلاژ) ہے یا پھر مغرب کے خیمہ بردار طبقے کی تقلیدی آواز ہے جو ہمارے ملک میں معاشرتی انارکی پیدا کرنا چاہتا ہے۔ تحقیر کا یہ انداز بظاہر اس دلیل پر بھی مبنی ہے کہ یہ

شہری خواتین اپنی دیہاتی بہنوں کو تعلیم سے عاری کہہ کر انہیں اپنے سے کم تر سمجھتی ہیں۔

اس میں شبہ نہیں کہ تعلیم یافتہ ہونا، تعلیم یافتہ نہ ہونے سے بہتر اور برتر ہے اور ہم تعلیم نسواں کو فرض عین قرار دے چکے ہیں لیکن ہم اس دلیل کو فی الحال ماننے کے لیے تیار نہیں کہ تعلیم یافتہ خواتین بہتر خانہ دار ثابت ہوتی ہیں اور ہر کوئی جانتا ہے کہ براہ راست ذمے داری کا بوجھ غیر تعلیم یافتہ خواتین صدیوں سے اٹھا رہی ہیں اور ان کے نتائج میں یہی ایک دلیل کافی ہے کہ انہی عظیم المرتبہ خواتین نے غزالی، رازی، بوعلی سینا اور اقبال جیسے لوگ پیدا کیے اور بڑی کثیر تعداد میں عظیم افراد پیدا کیے۔ مغربی خواتین کا ایک حصہ بھی پرورش اطفال کو ضروری سمجھتا ہے مگر براہ راست ذمہ داری کو اب وہاں بوجھ سمجھا جانے لگا ہے اب پرورش وتربیت کے مصنوعی اور غیر فطری طریقے نکل آئے ہیں اور یہ کام اداروں کے سپرد ہونے لگا ہے ''مادری'' ذمے داریاں اب ناگوار ہیں لیکن ہماری قوم کی خواتین کا بیشتر حصہ (خصوصاً غیر سرمایہ دار طبقوں میں) براہ راست مادری ذمے داریوں کو پورا کرتا ہے، انہیں بے کار کہنا قوم کی توہین ہے۔ یہ درست ہے کہ انہیں تعلیم یافتہ ہونا چاہیے لیکن یہ قصور قومی نظام تعلیم کا ہے جو عورتوں کو کیا، بجائے خود، مرد کی تعلیم کا بھی اطمینان بخش انتظام نہیں کرسکتا، پھر اس کی ذمہ داری غریبی اور مفلسی پر بھی ہے اور یہ اس وجہ سے ہے کہ قومی معاشی نظام، سرمایہ داری کے غیر منصفانہ اصولوں پر مبنی ہے تو اس صورت میں دیہاتی عورتوں کا کیا قصور ہے؟

اب رہی بے کاری کی دوسری شق، یعنی یہ خیال کہ گھر کا انتظام داخلی اور خانہ داری گویا کوئی کام ہی نہیں، بڑی بھاری لاعلمی اور بے خبری کا غماز ہے۔ ہماری رائے میں وہ خواتین

جو گھروں کا انتظام کرتی ہیں عظیم المرتبہ اور بلند سیرت خواتین ہیں جن سے گھروں میں آرام وسکون واطمینان قائم ہے۔ اس کے علاوہ براہ راست ذمہ داری سے خاندانوں میں الفت ویگانگت اور قوم کے محنت کش پیداواری طبقے (مردوں) کے لیے زندگی کی راحت اور قوت مہیا ہوتی ہے اور وہ مرد احسان فراموش ہیں جو بیویوں کے اس عظیم کردار کی قدر نہیں کرتے اور قوم کی محسن ہیں وہ خواتین جو اس بارگراں کو بخوشی برداشت کرتی ہیں جو فطرت نے اور پھر اسلام نے ان پر یوں ڈالا کہ تدبیر منزل کو داخلی اور خارجی دو حصوں میں تقسیم کر کے تمدن کی گاڑی کو رواں رکھنے میں انسانیت پر احسان کیا۔

مسئلہ یہاں ملازمت کا بھی چھیڑا جا سکتا ہے جسے میں نے سابقہ بیانات میں ضروری و پسندیدہ اور بعض صورتوں میں مجبوری قرار دیا ہے۔ لیکن یہ خانہ داری کی زندگی سے الگ مسئلہ ہے اور اس کے بہت پہلو ہیں لیکن اشارتاً یہ ضروری ہے کہ یہ بھی ایک نظام اور تنظیم کا طلب گار ہے جس کی بنیاد خانہ داری کی عقلی دلیلوں اور اخلاقی مصالح پر رکھنی پڑے گی۔ ملازمت بے ضرورت اور محض برائے ملازمت، آگے چل کر تعلیم یافتہ مردوں اور عورتوں کی بے روزگاری جیسے مسائل اور باہمی مقابلہ اور رقیبانہ مسابقت پیدا کر سکتی ہے۔

بہرحال اس وقت مجھے ثابت یہ کرنا تھا کہ ہماری قوم کا نصف حصہ اس لائق صد احترام خاتون کے خیال کے برعکس جس نے نصف آبادی کو بیکار کہا تھا، بیکار نہیں۔ یہ پروپیگنڈہ اور افسانہ ہی افسانہ ہے۔ [1]

[1] ''نوائے وقت'' لاہور 3 نومبر 1981ء

عورت اور سیاست

سیاست اور معاشرتی معاملات سوشل ورک میں عورتوں کا حصہ لینا بھی عورت کا اپنے دائرہ عمل سے تجاوز ہی کی ذیل میں آتا ہے۔اسی لئے اسلامی نقطۂ نظر سے یہ میدان بھی صرف مردوں کے لیے خاص ہے،عورتوں کا اس میدان میں آنا اور سیاست اور معاشرتی معاملات میں مردوں کے دوش بدوش حصہ لینا ناپسندیدہ ہے لیکن اس کے باوجود ہمارے ملک میں کئی سالوں سے اسمبلیوں میں خواتین کی نمائندگی کا مسئلہ سیاسی، دینی اور علمی حلقوں میں زیر بحث ہے۔اس سلسلے میں اب تک مختلف آراء سامنے آچکی ہیں۔

(1) ایک رائے تو وہ ہے جو **1973**ء کے آئین میں عارضی طور پر اختیار کی گئی تھی جو پاکستان کی مخصوص نظریاتی اور واقعاتی حالات کی مظہر بتلائی جاتی ہے، یعنی پاکستان میں عورت چونکہ براہ راست انتخابات میں حصہ لینے کی پوزیشن میں نہیں ہے،اس لیے ممبران اسمبلی اپنے ووٹوں سے کچھ عورتوں کا انتخاب کرلیں تاکہ اسمبلیوں میں عورتوں کی نمائندگی ہوسکے۔پیپلز پارٹی کی حکومت اس کے لیے آئینی ترمیم کی خواہش مند رہی تاکہ ایک تو ملک میں عورت کے بارے میں مغرب کا تصور عام ہو کیونکہ مغربیت کا فروغ اس پارٹی کے خمیر اور ضمیر میں شامل ہے۔دوسرے،اسمبلیوں میں اس کی عدد قوت میں اضافہ ہو۔ظاہر بات ہے کہ حکومت جن عورتوں کو بھی اسمبلیوں کی زینت بنانے کے لیے منتخب کرے گی، وہ حکومت کی ممنون احسان ہوں گی، اس لیے وہ ظالم اور بدعنوان حکومت کی تقویت کا باعث ہوں گی، یہی وجہ ہے کہ مسلم لیگ ن نے اپنے

دورِ حکومت میں اس معاملے میں پیپلز پارٹی کے ہم نوا ہونے کے باوجود، آئین میں مذکورہ ترمیم کے لیے تعاون نہیں کیا۔

2 ایک مرتبہ میاں محمد نواز شریف نے ایک نئی تجویز پیش کی تھی کہ پورے ملک میں عورتوں کے لیے چالیس حلقے قائم کر دیے جائیں اور ان حلقوں سے براہ راست عورتوں کے ووٹوں سے انہیں منتخب کیا جائے اور وہ عورتیں اسمبلیوں میں عورتوں کی نمائندگی کریں۔

3 بعض لوگ کہتے ہیں کہ دنیا کے کسی ملک کے دستور میں عورتوں کے لیے الگ نشستیں نہیں ہیں، اس لیے پاکستان میں الگ نشستوں کی صورت اختیار نہ کی جائے بلکہ جس طرح دستور پاکستان میں عورتوں کو پہلے سے عام نشستوں پر انتخاب لڑنے کا حق حاصل ہے، وہی کافی ہے اور اس طریقے سے جتنی عورتیں منتخب ہو کر اسمبلیوں میں پہنچ جائیں، اسی پر کفایت کی جائے۔ ایک موقع پر نواب زادہ نصر اللہ خاں مرحوم نے بھی یہ تجویز پیش کی تھی۔

4 ایک چوتھی رائے بعض دینی حلقوں کی طرف سے یہ آئی ہے کہ خواتین کا انتخاب تو عام انتخابات کے ذریعے سے ہی بروئے کار لایا جائے لیکن اس کے لیے حسب ذیل باتوں کا اہتمام کیا جائے:

- اسمبلی کی رکنیت کے لیے عورت کی عمر کم از کم چالیس سال مقرر کر دی جائے۔
- اسمبلیوں میں عورتوں کے لیے متعین لباس اور الگ نشست گاہ کا اہتمام ہو۔
- الیکشن رولز کے تحت ہر سیاسی پارٹی کو پابند کر دیا جائے کہ وہ الیکشن کے لیے جاری کردہ ٹکٹوں کا 1/10 حصہ عورتوں کے لیے مخصوص کرے۔ [1]

---

[1] ماہنامہ ''الشریعۃ'' گوجرانوالہ، دسمبر 1993ء

ہمارے نزدیک ان میں سے کوئی رائے بھی صحیح نہیں ہے۔ ہر ایک میں کوئی نہ کوئی نقص ضرور پایا جاتا ہے۔

اولاً: ان سب کی بنیاد مغربی تہذیب کے اس تصور پر ہے جس میں کسی بھی معاملے میں مرد اور عورت کے درمیان فرق کرنا جائز نہیں ہے۔ زندگی کے ہر شعبے میں عورت کو مرد کے دوش بدوش حصہ لینے کا حق حاصل ہے اور اسے حصہ لینا چاہیے اور مغرب اپنے مخصوص استعماری مقاصد کے لیے اس نظریۂ مساوات مرد وزن کو اسلامی ملکوں میں فروغ دے رہا ہے لیکن اسلام مغرب کے اس نظریے کو صحیح تسلیم نہیں کرتا۔ اسلام مرد اور عورت کو زندگی کے دو پہیے تو ضرور مانتا ہے کہ جن کے بغیر انسانی زندگی کی گاڑی رواں دواں نہیں رہ سکتی لیکن وہ دونوں کا دائرۂ عمل ایک دوسرے سے مختلف تجویز کرتا ہے۔ اس کے نزدیک دونوں کی فطری صلاحیتیں بھی مختلف ہیں اور دونوں کا مقصد تخلیق بھی ایک دوسرے سے جدا، اس لیے وہ دونوں کو الگ الگ دائرے میں رکھ کر اپنے اپنے مفوضہ فرائض ادا کرنے کی تاکید کرتا ہے۔ سیاست اور امور جہانبانی کا شعبہ بھی بعض اور شعبوں کی طرح ایک ایسا شعبہ ہے جسے اسلام نے صرف مرد ہی کے لیے خاص کیا ہے وہ عورت کے سیاست میں حصہ لینے کو قطعاً پسند نہیں کرتا جبکہ مذکورہ چاروں تجویزیں عورت کے سیاست میں حصہ لینے کے تصور پر مبنی ہیں۔

بنابریں یہ چاروں ہی تجویزیں اسلامی نقطۂ نظر سے غیر صحیح ہیں کیونکہ ان میں سے ہر تجویز میں اسلامی اصول وضوابط سے انحراف پایا جاتا ہے، ان اصول وضوابط کو پامال کیے بغیر کوئی بھی تجویز بروئے کار نہیں آسکتی۔

ثانیاً: اسمبلیوں میں عورتوں کی نمائندگی کے لیے عورتوں کو اسمبلیوں کے لیے نامزد کرنا یا

وہاں تک پہنچنے کے لیے انتخابات میں ان کے حصہ لینے کو ضروری سمجھنا بھی ہمارے لیے ناقابل فہم ہے۔ کیا ممبران اسمبلی پوری قوم کے نمائندے نہیں ہیں؟ ممبران اسمبلی قوم کے ہر طبقے کے نمائندہ ہیں۔ وہ مزدوروں کے بھی نمائندہ ہیں، اہل صنعت وحرفت کے بھی نمائندہ ہیں، تاجروں اور خوانچہ فروشوں کے بھی نمائندہ ہیں، وہ ملازمت پیشہ اور اہل زراعت کے بھی نمائندہ ہیں۔ غرض وہ زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے افراد کے نمائندہ ہیں، سب کی فلاح وبہبود کے لیے قانون سازی اور اسباب ووسائل کی فراہمی ان کی ذمے داری ہے۔ جب وہ ہر طبقے کی فلاح وبہبود کے ذمے دار ہیں تو کیا عورتوں کے مسائل ومشکلات کے حل کے وہ ذمے دار نہیں ہیں۔ بالخصوص جبکہ عورت ان کی ماں بھی ہے، ان کی بیٹی بھی ہے، ان کی بیوی اور ان کی بہن بھی ہے تو کیا وہ اتنے ہی ناخلف ہیں کہ زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے مردوں کے مسائل پر تو وہ سوچ بچار کریں گے، ان کی فلاح وبہبود کے لیے منصوبہ سازی اور قانون سازی تو کریں گے لیکن اپنی ماں، اپنی ہی بیوی، اپنی ہی بیٹی اور ہمشیرہ کے لیے وہ کچھ نہیں کریں گے؟ ان کے مسائل ومشکلات کو درخور اعتنا نہ سمجھیں گے۔ آخر یہ کیسے اور کیوں کر ممکن ہوسکتا ہے؟

اگر کہا جائے کہ عورتوں کا اسمبلیوں میں پہنچنا مشکل ہے تو ہم عرض کریں گے کہ دوسرے طبقات کا پہنچنا کون سا آسان ہے بلکہ دوسرے طبقات کا تو اسمبلیوں میں پہنچنا عورت کی بنسبت بہت زیادہ مشکل ہے۔ مال دار اور جاگیردار خاندانوں کی بیگمات تو پھر بھی آسانی سے انتخاب لڑکر اسمبلیوں میں پہنچ سکتی ہیں، جیسے ہر دفعہ کے انتخابات میں کافی تعداد میں قومی وصوبائی اسمبلیوں میں خواتین پہنچی ہیں۔ علاوہ ازیں 1973ء کے آئین

کے مطابق مشرف حکومت میں عورتوں کو منتخب نمائندگان کے ووٹوں سے متناسب نمائندگی کی بنیاد پر بھی منتخب کیا گیا ہے، جس کے بعد قومی اسمبلی ہی میں خواتین کی تعداد 75 ہو گئی تھی اور صوبائی اسمبلیوں میں بھی صورت حال یہی تھی۔ جبکہ مزدوروں، ہاریوں، کاشت کاروں، بے روزگاروں، کاریگروں، ہنرمندوں، تعلیمی اداروں کے اساتذہ، ملازمت پیشہ افراد حتی کہ متوسط خاندانوں کا بھی کوئی نمائندہ اسمبلیوں میں پہنچ سکا ہے یا آئندہ ان میں سے کسی کے پہنچنے کا تصور کیا جا سکتا ہے؟ اسی طرح اہل علم وفکر حضرات کا طبقہ ہے جس میں غیر سیاسی علماء، مختلف شعبہ ہائے زندگی کے ماہرین، اہل قلم اور دانشور حضرات اور دیگر بہت سے ممتاز طبقات ہیں لیکن اسمبلیوں میں وہ نمائندگی سے محروم چلے آرہے ہیں اور آئندہ بھی ان کی محرومی کے ازالے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔

عورتوں سے زیادہ کیا ان طبقات کی نمائندگی ضروری نہیں ہے۔ اگر عورتوں کی نمائندگی کے لیے خاص سہولتوں کا اہتمام ضروری ہے تو مذکورہ طبقات کے لیے بھی ان سہولتوں کا اہتمام کرنے کی ضرورت ہے، ورنہ یہ ایک امتیازی سلوک ہوگا جس کی نفی یہ سیکولر حضرات بڑے شدومد سے کرتے ہیں حتی کہ یہ اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ مرد و عورت کے درمیان بعض فطری امتیازات کو بھی ختم کرنے کے لیے بے قرار ہیں۔

خواتین کی نمائندگی کے جواز کے لیے ایک دلیل یہ دی جارہی ہے کہ خلافت راشدہ میں متعدد دفعہ عورتوں سے متعلقہ امور بلکہ اجتماعی معاملات میں بھی عورتوں سے رائے لی گئی...اس لیے اجتماعی معاملات کے حوالے سے قومی سطح پر مشاورت اور رہنمائی کے نظام

میں شرکت عورتوں کے لیے شرعاً ممنوع نہیں ہے۔ [1]

ٹھیک ہے لیکن سوال یہ ہے کہ مشاورت کے لیے اسمبلیوں کا ممبر بننا یا بنانا کیوں ضروری ہے؟ کیا اس کے بغیر حسب ضرورت خواتین سے مشورہ نہیں لیا جا سکتا؟ بلکہ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ جو خواتین اسمبلیوں کی ممبر بنیں گی یا بنائی جائیں گی ان کی اکثریت اس قبیل سے ہوگی کہ وہ ممبران اسمبلی کے ذوق جمال اور نگاہ ہوس کی تسکین کا سامان تو شاید ضرور مہیا کر دیں لیکن خواتین کے حقیقی مسائل ومشکلات سے وہ آگاہ ہوں گی نہ ان کے ناخن تدبیر سے ان کے حل کی راہیں کھلیں گی۔ اس کے برعکس اگر چند عورتوں کو ممبر بنائے بغیر، ملک کی سمجھ دار، پڑھی لکھی گھریلو اور فکری وتعلیمی اداروں سے وابستہ خواتین سے مختلف سوال ناموں کی شکل میں رائے حاصل کی جائے تو زیادہ بہتر طریقے سے عورتوں سے مشاورت کا اہتمام ہوسکتا ہے۔ یہ خواتین کے ممبر بننے یا بنانے کے بھاری بھرکم اخراجات (جو کروڑوں میں ہیں) کے مقابلے میں ''ہینگ لگے نہ پھٹکری، رنگ چوکھا آئے'' کا مصداق بھی ہوگا۔

جیسا کہ اکتوبر 2002ء کے انتخابات میں جس طرح بڑی تعداد میں عورتوں کو قومی وصوبائی اسمبلیوں میں نمائندگی دی گئی ہے، اس کے سالانہ اخراجات کا تخمینہ 5 کروڑ 64 لاکھ روپے لگایا گیا ہے۔ [2]

بہرحال جس نقطۂ نظر سے بھی دیکھا جائے، اسمبلیوں میں خواتین کی نمائندگی کا مسئلہ ایک شوق فضول، سراسر اسراف اور مغرب زدگی کے شاخسانے سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں

---

[1] ماہنامہ ''الشریعۃ'' گوجرانوالہ، دسمبر 1993ء ص:42

[2] رونامہ ''جنگ'' لاہور۔ 28 نومبر 2002ء ص، 4 اور 13

رکھتا۔ اس مطالبے میں قطعاً کوئی معقولیت اور افادیت نہیں ہے، یہ غیر معقول بھی ہے اور قومی خزانے پر ایک ناروا بوجھ بھی اور سب سے بڑھ کر حکم قرآنی:

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ﴾ [الاحزاب33]

''اور تم اپنے گھروں میں ٹک کر رہو۔''

کے صریح خلاف بھی، اس لیے ہم دینی حلقوں اور دینی جماعتوں سے عرض کریں گے کہ وہ اس مسئلے میں معذرت خواہانہ انداز ترک کر کے زوردار انداز میں اس کے خلاف آواز اٹھائیں۔ اگر مرد عورتوں کے مسائل حل کرنے پر قادر نہیں ہیں تو اسمبلیوں میں نمائندگی کے عنوان سے پہنچنے والی خواتین کیا تیر مار لیں گی؟

چنانچہ دیکھ لیجئے، مشرف کی بنائی ہوئی اسمبلیاں اپنی پانچ سالہ مدت پوری کر کے ختم ہوئیں۔ ان قومی وصوبائی اسمبلیوں کی پانچ سالہ کارکردگی ملاحظہ کر کے پورے یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ خواتین کو اسمبلیوں کی رونق بنانا سوائے الحاد اور مغرب زدگی کے کچھ نہیں ہے۔ ان مذکورہ پانچ سالوں میں نہ مردوں نے ملک وقوم کے لیے کچھ کیا اور نہ عورتوں نے۔ البتہ قومی خزانے سے ان ممبران نے تنخواہوں اور مراعات میں کروڑوں نہیں، اربوں روپے وصول کیے۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون

ضلعی حکومتوں کے نئے نظام میں عورتوں کی نمائندگی

اس تفصیل سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ جنرل پرویز مشرف کی حکومت نے ضلعی حکومتوں کا جو نیا نظام متعارف کرایا تھا، اس میں بھی عورتوں کی 33 فیصد نمائندگی کا اہتمام اسلامی تعلیمات واقدار کے بالکل خلاف تھا۔ اتنی تعداد میں عورتوں کی نمائندگی تو

ان مغربی ملکوں میں بھی نہیں ہے جو نظریہ مساوات مرد وزن کے قائل ہیں۔ پاکستان میں، جس کی بنیاد اسلام پر ہے، اس کا کیا جواز ہے؟

مملکت کی سربراہی

اسلام کی مذکورہ تعلیمات سے واضح ہے کہ ایک اسلامی مملکت میں عورت سربراہی کے منصب پر بھی فائز نہیں ہوسکتی اس پر تفصیلی بحث کے لیے راقم کی کتاب ''خواتین کے امتیازی مسائل'' ملاحظہ فرمائیں۔

مسلمان خواتین کے حل طلب ضروری مسائل کی ایک فہرست

اگر حکومتیں اور مغربیت کی علم بردار خواتین عورتوں کی خیر خواہ ہیں، انہیں واقعی عورتوں کی مشکلات کا احساس وشعور ہے اور یہ ان کے مسائل کے حل کرنے کا سچا جذبہ اپنے اندر رکھتی ہیں تو سب سے اہم ترین مسائل ان کے سامنے یہ ہونے چاہئیں:

1. ان کی طرف سے یہ مطالبہ ہونا چاہیے کہ عورت کا جنسی استحصال ختم کیا جائے، اسے شوپیس یا سامان تجارت کے طور پر استعمال نہ کیا جائے۔ اسے ہر اشتہار کی زینت بنا کر سرِ بازار ذلیل ورسوا نہ کیا جائے۔ عورت کا وجود نہایت مقدس ہے، نازک آبگینہ ہے، صدف کی آغوش میں پرورش پانے والے موتی سے زیادہ قیمتی ہے۔ اسے جنس بازار بنایا جائے نہ اسے اخباروں اور فلموں میں عریاں کرکے، عصمت فروشوں کی طرح مال ودولت کے حصول کا ذریعہ بنایا جائے۔
2. اسی طرح مطالبہ کیا جائے کہ مخلوط تعلیم کا خاتمہ کیا جائے تاکہ عورت کے تقدس کے مجروح ہونے اور اس کی ردائے عصمت کے تارتار ہونے کے امکانات کم سے کم

ہو جائیں جبکہ مخلوط تعلیم نے ان امکانات کو واقعات میں بدل رکھا ہے۔

③ عورت کے بارے میں اسلامی تعلیمات اور اس کے ساتھ حسن سلوک کے تاکیدی احکام کو ویڈیو، ٹی وی، اخبارات اور دیگر ذرائع سے عام کیا جائے تاکہ لوگ جہالت کی وجہ سے عورتوں پر جو ظلم کرتے ہیں، اس کا سد باب ہو اور عورت صحیح معنی میں گھر کی ملکہ کا اعزاز حاصل کر سکے جیسا کہ اسلام چاہتا ہے۔

④ خواتین یونیورسٹیاں قائم کی جائیں اور مخلوط تعلیم کا خاتمہ کیا جائے تاکہ مسلمان عورت، مردوں سے الگ رہ کر، ستر وحجاب کی پابندی کے ساتھ اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکے۔ کیا ان مغرب زدہ خواتین نے اس کا مطالبہ کیا یا اس پر کوئی سوچ بچار کی یا آئندہ ان سے کوئی توقع ہے؟

⑤ جس طرح ان کے تعلیمی ادارے الگ ہوں، اسی طرح ان کے لیے چند شعبے مخصوص کر دیے جائیں جن کی وہ تعلیم وتربیت بھی حاصل کریں اور وہاں وہ مردوں سے الگ رہ کر قومی خدمات بھی سرانجام دیں، مثلاً: تعلیم کا شعبہ ہے، طب کا شعبہ ہے، اسی طرح اور بہت سے شعبے ایسے ہو سکتے ہیں جہاں وہ ستر وحجاب کی پابندی کے ساتھ مفوضہ فرائض انجام دیں۔

⑥ جہیز کی لعنت کا خاتمہ اور شادی بیاہ کی فضول، بے ہودہ اور مسرفانہ رسومات کا نہایت سختی سے سد باب کیا جائے جنھوں نے شادی جیسے اہم فریضے کو ایک عذاب بنا دیا ہے۔

⑦ چادر اور چار دیواری کا تحفظ کیا جائے اور فحاشی، بے حیائی اور بے پردگی کا خاتمہ کیا جائے تاکہ عورت کی عزت بھی محفوظ رہے اور اس کا امن وسکون بھی برباد نہ ہو۔

⑧ عائلی عدالتوں کو زیادہ مؤثر اور فعال بنایا جائے تاکہ مظلوم اور ستم رسیدہ عورتیں

عدالتوں سے فوری انصاف حاصل کرسکیں۔

⑨ فحاشی ، بے حیائی اور بے پردگی کا خاتمہ کیا جائے تا کہ عورتوں کی عصمت دری کے بڑھتے ہوئے رجحان پر قابو پایا جاسکے۔

⑩ فضائی میزبان ایئر ہوسٹس عورتوں کی بجائے مردوں کو مقرر کیا جائے تا کہ اسلامی احکام کی بے حرمتی نہ ہو۔

⑪ بارات، ٹیلی ویژن اور کمرشل اشتہارات میں عورت کا استعمال ممنوع قرار دیا جائے کیونکہ اس میں اس کا استحصال بھی ہے اور اس کی بے حرمتی بھی۔

⑫ بیواؤں اور نادار عورتوں کی فلاح کے لیے زیادہ سے زیادہ امدادی مراکز اور ادارے قائم کیے جائیں تا کہ ایسی عورتیں آبرومندانہ طریقے سے اپنی حیات مستعار کے دن گزار سکیں۔

⑫ عورتوں کے لیے مردوں سے الگ نصاب تعلیم مرتب کیا جائے تا کہ وہ اپنے مقصد تخلیق اور فطری صلاحیتوں کے مطابق زیادہ بہتر طریقے سے ملک وقوم کی خدمت کرسکیں۔

یہ اور اس قسم کے اور بہت سے مسائل ہیں جو غور وفکر اور توجہ کے مستحق ہیں لیکن عورتوں کے نام پر تنظیمیں قائم کرنے اور ان کے بل بوتے پر اپنی لیڈری کی دکان چمکانے والی خواتین کو مذکورہ مسائل سے ، جو پاکستانی مسلمان عورتوں کے حقیقی مسائل ہیں، کوئی دلچسپی نہیں۔ انہیں دلچسپی ہے تو صرف ایسے مسائل سے کہ جن کے ذریعے سے پاکستان کا اسلامی معاشرہ، مغرب کے اخلاق باختہ معاشرے میں بدل جائے اور مغرب کی تمام اخلاقی برائیاں یہاں عام ہوجائیں، چنانچہ آپ دیکھ لیجئے کہ خواتین کے حقوق کے نام پر

سرگرم خواتین کی کانفرنسوں ،تقریروں اور مطالبات میں ایسی ہی چیزیں نمایاں ہیں جومغربی معاشرے کے امتیازات ہیں۔ ہر شعبۂ زندگی میں مرد وزن کی مساوات اور ایک دوسرے کے دوش بدوش چلنے کا تصور خالص مغربی ہے،جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں مگر ان نام نہاد لیڈررانیوں کی زبان پر ہر وقت یہی نعرہ رہتا ہے۔مغرب میں مرد کو طلاق دینے کا حق حاصل نہیں ہے۔ یہ لیڈررانیاں چاہتی ہیں کہ پاکستان کے مردوں سے بھی یہ حق جو اسلام نے انہیں دیا ہے،سلب کرلیا جائے بلکہ اس کی جگہ یہ حق عورتوں کو تفویض کر دیا جائے۔مغرب میں ایک سے زیادہ شادی ممنوع ہے، تاہم غیر قانونی داشتاؤں اور گرل فرینڈز کی عام اجازت ہے۔ پاکستانی لیڈررانیاں بھی یہاں یک زوجی (ایک ہی بیوی) کے قانون پر اصرار کر کے بے حیائی کا وہی دروازہ کھول رہی ہیں جس سے مغرب کالادین معاشرہ دوچار ہے۔وعلیٰ ھذا القیاس یہ لیڈررانیاں مغرب کی ہر بات پر ایمان بالغیب رکھتی ہیں اور اسلامی تہذیب وتمدن سے سخت بیزار ہیں اور مغرب پرستی اور اسلام بیزاری کا رجحان وہ بڑی تیزی سے پاکستان کی نئی نسل میں بھی منتقل کررہی ہیں۔

افسوس اور ستم ظریفی یہ ہے کہ ہمارے تمام وزراء، ارباب اختیار واقتدار، افسران اعلیٰ اور اخبارات جدید چلتے ہوئے نعروں سے مرعوب اور شاید مغرب کی عشوہ طرازیوں سے مسحور ہیں۔ یہ بھی سب مغرب کے نقطۂ نظر ہی کو یہاں فروغ دے رہے ہیں۔حکومت کی تمام پالیسیاں اسی فکر اور طرز عمل کی غماز ہیں اور اخبارات بھی ان نظریات کی بھرپور اشاعت کررہے ہیں۔

یہ صورت حال اسلامی نقطۂ نظر سے سخت خطرناک ہے۔حکومت ،اخبارات اور دیگر

ذرائع ابلاغ کی پالیسیوں اور رویے سے ہمارے معاشرے میں مغربی رجحانات کی حوصلہ افزائی ہورہی ہے۔اور اسلام کا تصور حیاء وعفت ختم ہورہا ہے۔

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ﴾ [النساء:34]

(مرد عورتوں پر حاکم ہیں) کے برعکس صورت حال رونما ہورہی ہے

اور قرآن کا حکم

﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى﴾ [الاحزاب:33]

”(اے ازواج مطہرات! اپنے گھروں میں ٹکی رہو اور پہلی جاہلیت کی طرح اپنی زینت کا اظہار نہ کرو) زینت طاق نسیاں بنتا جارہا ہے۔“

مغربی نظریۂ مساوات مرد وزن کے مطابق مسلمان عورت کا مردوں کے دوش بدوش چلنے کی روش، جسے مادی ترقی اور ملکی خوش حالی کی ضمانت سمجھا جارہا ہے، معاشرے کے لیے سخت تباہ کن ہے۔ اس سے عائلی نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکار، اسلام سے بیزاری اور مغربی تہذیب ومعاشرت کی برتری کا تصور عام ہورہا ہے، نیز اسلام کو ایک فرسودہ اور موجودہ دور میں ناقابل عمل دین سمجھا جارہا ہے۔کیا ہمارے حکمران اور مالکان ومدیران جرائد یہی کچھ چاہتے ہیں۔اگر یہی ان کا مطلوب ومقصود ہے(اور ان کے طرز عمل کا لازمی ومنطقی نتیجہ یہی ہے) تو پھر پاکستان میں بسنے والے مسلمانوں کو سوچنا چاہیے کہ کیا وہ اس رو میں بہتے چلے جائیں گے یا اپنی نسل نو کو اس باغیانہ روش سے بچانے کی ہر ممکن سعی کریں گے؟

❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀



عورت اور مسئلہ ولایت نکاح

بے پردگی نے جہاں اور بہت سے مسائل پیدا کیے ہیں، جن میں چند ایک پر ہم گزشتہ صفحات میں ضروری بحث کر آئے ہیں، وہاں نوجوان لڑکی کا والدین کی اجازت اور رضامندی کے بغیر ازخود نکاح کرنے کا بھی اہم مسئلہ ہے۔ آج کل یہ مسئلہ کافی شدت اختیار کر گیا ہے اور اس قسم کے بعض معاملات عدالت میں بھی زیر بحث آتے رہتے ہیں اور اخبارات میں آئے دن کے واقعات کی اشاعت سے اندازہ ہوتا ہے کہ نوجوان لڑکیوں میں مغربی معاشرے کی طرح ازخود نکاح کرنے کا رجحان فروغ پا رہا ہے اور والدین کے حق ولایت کو ایک ناروا بوجھ اور ظلم سمجھا جا رہا ہے اور بعض لوگ فقہ حنفی کے حوالے سے بالغ لڑکی کے اس قسم کے اقدام کو جائز قرار دے رہے ہیں اور عدالتیں بھی بالعموم انہیں سند جواز مہیا کر رہی ہیں، اس لئے ضروری ہے کہ اس بارے میں مسئلے کی صحیح نوعیت کو واضح کیا جائے۔

واقعہ یہ ہے کہ مذکورہ تصور اسلام کے احکام کے مطابق ہے نہ فقہ حنفی کی تصریحات کے مطابق، البتہ مغرب کی حیاباختہ تہذیب کے عین مطابق ہے جس میں جوان ہونے کے بعد اولاد کا کوئی تعلق والدین کے ساتھ باقی نہیں رہتا۔ بالغ لڑکی جو چاہے کرے، والدین کو اس میں مداخلت کا کوئی حق حاصل نہیں۔ اگر والدین مداخلت کرتے ہیں تو لڑکی پولیس کے ذریعے سے والدین کو تھانے بھجوا کر جس کے ساتھ چاہے رنگ رلیاں منا سکتی ہے۔

اسلام میں تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے بعد، دوسرے نمبر پر جو حکم ہے، وہ والدین کی

اطاعت وفرماں برداری اور ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا ہے، قرآن کریم میں تو یہاں تک کہا گیا ہے کہ والدین کے سامنے اگر کوئی بات تمہیں ناگوار گزرے تو اُف (اونہہ) تک نہ کہو، اس سے زیادہ والدین کے ادب واحترام اور اطاعت وفرماں برداری کی تاکید کیا ہو سکتی ہے۔

یہ ٹھیک ہے کہ والدین کو سخت تاکید ہے کہ وہ لڑکی کی رضامندی کے بغیر اس کا نکاح نہ کریں حتیٰ کہ اگر کوئی باپ لڑکی کی رضامندی کے بغیر نکاح کر دیتا ہے اور لڑکی کو وہ پسند نہ ہو تو شریعت نے لڑکی کو حق دیا ہے کہ وہ یہ نکاح فسخ کروا لے لیکن دوسری طرف لڑکی کو قطعاً یہ حق نہیں دیا گیا ہے کہ وہ ولی کی اجازت کے بغیر جہاں چاہے، نکاح کر لے بلکہ اس کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ اپنے ولی (باپ، بھائی، چچا وغیرہ) کی اجازت اور رضامندی ہی سے نکاح کا مسئلہ حل کرے۔ اگر وہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرے گی تو وہ نکاح ہی نہیں ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

«لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ»

''ولی کے بغیر نکاح نہیں۔''[1]

دوسری روایت میں ہے:

«أَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوَالِيهَا، فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ»

''جس عورت نے اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کیا تو اس کا نکاح باطل ہے۔ اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے۔''[2]

---

[1] سنن ابی داؤد: کتاب النکاح ،باب فی الولی، حدیث :2085

[2] سنن ابی داؤد: کتاب النکاح ،باب فی الولی، حدیث :2083

اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام نے دونوں کو ایک دوسرے کے جذبات کا احترام کرنے اور ایک دوسرے کو راضی کرنے کی تاکید کی ہے۔ والدین کو جبر کرنے کی اجازت دی ہے نہ لڑکی کو والدین کی اجازت اور رضامندی کو نظر انداز کرنے کی اور جب بھی اور جہاں بھی لڑکی پر جبر کا پہلو پایا جائے یا والدین کی اجازت کو نظر انداز کر کے من مانی کی جائے تو دونوں صورتوں میں عدالت کے ذریعے سے اس ظلم و جبر کی تلافی کی جاسکتی ہے۔

یہ ہے اسلام کی صحیح تعبیر و تشریح۔

اس تفصیل سے واضح ہے کہ لڑکی کے مقابلے میں والدین کا حق مقدم اور فائق ہے اور تمام ائمہ اسلام اسی بات کے قائل ہیں۔ کوئی بھی امام لڑکی کو یہ حق نہیں دیتا کہ وہ والدین کی اجازت اور رضامندی کو نظر انداز کر کے از خود نکاح کر لے۔ فقہ حنفی سے اس کا جو جواز ثابت کیا جاتا ہے، وہ صحیح نہیں ہے۔ فقہ حنفی میں بیان کردہ جواز کو اس کے پورے سیاق وسباق میں دیکھا جائے تو فقہ حنفی سے اس کا مطلق جواز ثابت نہیں ہوتا۔

اول تو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد رشید امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ نہیں صاحبین کہا جاتا ہے، فرماتے ہیں کہ عاقل و بالغ لڑکی بھی ولی کی رضامندی اور اجازت کے بغیر نکاح نہیں کرسکتی، البتہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایسا کرنا جائز ہے لیکن امام صاحب کے نزدیک بالغ لڑکی کا یہ اختیار مشروط ہے کفو کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنے کے ساتھ۔ اگر کسی لڑکی نے ولی کی اجازت کے بغیر ''غیر کفو'' میں نکاح کر لیا تو ولی کو نہ صرف اعتراض کرنے کا بلکہ تنسیخ نکاح کے لئے عدالتی چارہ جوئی کا حق حاصل ہے۔

ثانیاً امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے ایک شاگرد حضرت حسن بن زیاد رحمہ اللہ کی روایت کی رو سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہ مسلک ہے کہ اگر لڑکی ولی کی اجازت کے بغیر ''غیر کفو'' سے

نکاح کر لے گی تو یہ نکاح ہی باطل ہوگا (ولی کو فسخ کرنے کے لئے عدالت میں جانے کی بھی ضرورت نہیں۔ [1]

کفو کا مطلب فقہاء کے ہاں یہ ہے کہ لڑکی کسی ایسی جگہ نکاح نہ کرے۔ جس میں لڑکی کے ولی اور اہل خانہ عار محسوس کریں۔ اس شرط یا حق استرداد (ویٹو پاور) کی موجودگی میں جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ولی کو حاصل ہے، یہ کہنا کیوں کر صحیح ہوسکتا ہے کہ حنفی مذہب میں بالغ لڑکی کو ولی کی اجازت کے بغیر شادی کرنے کا غیر مشروط حق حاصل ہے۔

اس شرط کے تو صاف معنیٰ یہ ہیں کہ ولی کی رضامندی اور اجازت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اگر کوئی لڑکی ایسا کرے گی تو ایک روایت کی رو سے نکاح باطل ہوگا اور ایک روایت کی رو سے ولی اسے فسخ کرانے کا اختیار رکھتا ہے۔

علمائے احناف کو اس نکتے پر غور کرنا چاہئے کہ جب کفو کو نظر انداز کرنے کی صورت میں امام صاحب کے نزدیک ولی کو لڑکی کا اختیار ختم کرنے اور نکاح کے رد کرنے اور کروانے کا حق حاصل ہے یا بقول حسن بن زیاد امام صاحب کے نزدیک سرے سے نکاح ہی باطل ہے تو وہ مطلقاً یہ فتویٰ یا رائے کیوں دیتے ہیں کہ بالغ لڑکی کو از خود نکاح کرنے کا حق حاصل ہے۔ وہ مذکورہ شرط کو ساتھ بیان کیوں نہیں کرتے، جس سے امام صاحب کا موقف دوسرے ائمہ کے موقف کے قریب ہوجاتا ہے۔ احناف کے موجودہ طرز عمل سے لَو میرج، کورٹ میرج اور سیکرٹ میرج (محبت کی شادی، عدالت کے ذریعے شادی اور خفیہ شادی) کی حوصلہ افزائی ہو رہی ہے۔ جج حضرات بھی یہ سمجھتے ہیں کہ

---

[1] تفصیل کے لئے دیکھئے: فیض الباری، علامہ انور شاہ کشمیری (4/282-287)

مذکورہ قسم کی شادیوں کو، جن میں لڑکی اپنے ولی کی رضامندی اور اجازت کو نظر انداز کر کے اسلامی اقدار و روایات سے انحراف کرتی ہے، فقہ حنفی کی تائید حاصل ہے اور وہ اس کے حق میں فیصلہ کر دیتے ہیں، حالانکہ اس میں کفو کے تقاضوں کو ملحوظ نہیں رکھا گیا ہوتا ہے جو اس کے جواز کی بنیادی شرط ہے کیونکہ اگر کفو کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے لڑکی شادی کرے تو والدین بالعموم اس سے اتفاق نہ کرنے کے باوجود قبول یا گوارا کر لیتے ہیں۔ اس قسم کی شادیوں میں جتنے بھی کیس عدالتوں میں جاتے ہیں وہ سب ایسے ہی ہوتے ہیں کہ والدین کے نزدیک لڑکی ایسی جگہ شادی کر لیتی ہے یا کرنے پر مصر ہوتی ہے جس میں لڑکی کے ولی اور اہل خاندان عار محسوس کرتے ہیں لیکن بدقسمتی سے عدالتیں لڑکیوں کے حق میں فیصلہ دے دیتی ہیں۔ علمائے احناف سے پوچھا جاتا ہے تو وہ بھی مذکورہ شرط کو نظر انداز کر کے اس کے جواز کا فتویٰ دے دیتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ فیصلے اور فتوے شریعت اسلامیہ کی نصوص کے بھی خلاف ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک کے بھی۔ علاوہ ازیں ان سے وہ خاندانی روایات شکست و ریخت کا شکار ہو رہی ہیں جو ایک اسلامی معاشرے کی امتیازی خصوصیات کے طور پر صدیوں سے قائم چلی آ رہی ہیں اور ان کی جگہ مغربی معاشرے کی وہ روایات فروغ پا رہی ہیں جن میں حیا و عفت کا کوئی تصور نہیں ہے اور اس حیا باختہ تہذیب نے مسلمانوں کے خاندانی نظام کو تباہ کر دیا ہے۔

بہر حال ''کفو'' کی شرط کی موجودگی میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک دوسرے ائمہ سے زیادہ مختلف نہیں رہتا کیونکہ کفو کی شرط کا مفاد یہ ہے کہ نکاح میں لڑکی اور اس کے ولی

دونوں کی رضا کا اکٹھا ہونا ضروری ہے، اس لئے کہ اگر ولی لڑکی کی رضامندی کونظر انداز کرے گا تو لڑکی کو انکار کرنے کا حق ہے اور اگر لڑکی ولی کی رضامندی کو اہمیت نہیں دے گی تو ولی کو حق استرداد حاصل ہے اور یہی مسلک دوسرے ائمہ کا بھی ہے اور نصوص شریعت کا اقتضا بھی یہی ہے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لڑکی کی رضامندی کے بغیر اس کی شادی کرنے سے منع فرمایا ہے اور اگر ولی نے لڑکی کی رضامندی کو نظر انداز کر کے لڑکی کی شادی کر دی ہے تو ہمارے پیغمبر نے لڑکی کو فسخ نکاح کا حق عطا کیا ہے یہ تمام چیزیں احادیث میں موجود ہیں جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں، اس لئے صرف حوالے پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

اس لیے مسئلہ یہ نہیں ہے کہ دوسرے ائمہ لڑکی پر جبر کے قائل ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ جبر کے قائل نہیں ہیں۔ یہ زندگی بھر کا مسئلہ ہے، اسے جبر کے ذریعے سے حل نہیں کیا جا سکتا، چنانچہ کوئی بھی مکتب فکر جبر کا قائل نہیں ہے۔ سب کے نزدیک دونوں کی رضامندی ضروری ہے۔ شریعت صرف یہ کہتی ہے کہ نوجوان لڑکی، زندگی کے نشیب وفراز سے آگاہ نہیں ہوتی، علاوہ ازیں جوانی کے جذبات اور جوش میں وہ غلط فیصلہ کر سکتی ہے، اس لئے ولی کی اجازت اور رضامندی کے بغیر وہ شادی کرنے کا اقدام نہ کرے حقیقت یہ ہے کہ چند بدقماش اور خود غرض افراد کو چھوڑ کر، والدین سے بڑھ کر دنیا میں اولاد کا اور بالخصوص لڑکیوں کا کوئی خیر خواہ نہیں۔ ہر والد اپنی بچی کے لیے بہتر سے بہتر اور موزوں سے موزوں تر رشتے کا خواہش مند ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے بھرپور کوشش بھی کرتا ہے اور استثنائی صورتوں میں جہاں ولی کی طرف سے ظلم وجور کا ارتکاب ہو، وہاں شریعت نے خود لڑکی کو عدالت یا پنچائت کے ذریعے سے دادرسی کی اجازت دی ہے۔ اس قسم کے استثنائی

کیسوں میں یقیناً لڑکی کے حق میں فیصلہ دیا جاسکتا ہے اور دیا جانا چاہیے لیکن جہاں ظلم و جبر کا کوئی پہلو نہ ہو، وہاں صرف اس بنیاد پر لڑکی کے حق میں فیصلہ کر دینا کہ لڑکی عاقل بالغ ہے، یکسر غلط ہے جو اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے اور تمام ائمہ دین کی رائے کے بھی خلاف ہے۔لڑکیوں کی اس آزادروی اور بے راہ روی کی تائید بہت خطرناک ہے۔

مرد کو اللہ تعالیٰ نے قوّام بنایا ہے جس کے معنی ہیں حاکم اور نگران۔ مرد عورت کے مقابلے میں گھر کا سربراہ اور اس کا محافظ و نگران ہے۔اس برتری اور ایک گونہ فضیلت کی دو وجہیں بیان کی گئی ہیں۔ایک تو یہ کہ اللہ نے مرد کو عورت کے مقابلے میں زیادہ عقل وفہم اور زیادہ جسمانی قوت وطاقت عطا کی ہے۔دوسری، یہ کہ کسب معاش کا ذمے دار صرف اور صرف مرد ہے۔ ہر چھوٹے بڑے ادارے کے حسن انتظام کے لیے ایک سربراہ، منتظم اعلیٰ اور محافظ و نگران کا وجود ضروری ہے۔اس کے بغیر کوئی ادارہ قائم ہوسکتا ہے نہ باقی ہی رہ سکتا ہے۔اس اعتبار سے گھر کی سربراہی اللہ تعالیٰ نے مذکورہ دو امتیازی خوبیوں کی وجہ سے مرد کو عطا کی ہے جو فطری طور پر اسے حاصل ہے۔اس کو تسلیم کیے بغیر گھر کا نظام صحیح طریقے سے نہیں چل سکتا۔

جب میاں بیوی میں سے حاکمیت مرد کو حاصل ہے تو اولاد پر بھی حاکمیت کا فطری حق مرد ہی کو حاصل ہے۔اولاد کے مقابلے میں مرد کے حق حاکمیت کا نام قوّامیت کی بجائے ولایت ہے۔جس طرح قوّامیت کے لغوی مفہوم تک میں بھی حاکمیت کا مفہوم شامل ہے۔ اسی طرح ولایت کے دولغوی معنی ہیں۔ ایک محبت ونصرت اور دوسرے سلطنت وقدرت۔ان دونوں مفہوموں کے اعتبار سے ولی کو اولاد پر ہر طرح فوقیت حاصل ہے۔

ولی کو اولاد سے محبت بھی ہوتی ہے اور اس کے اندر اس کی مدد اور اس کے حقوق و مفادات کی حفاظت کا جذبہ بھی۔ علاوہ ازیں اس کو اولاد پر غلبہ و تسلط بھی حاصل ہے۔ ایک تو فطری طور پر ہی، جیسا کہ ابھی وضاحت گزری۔ دوسرے، باپ کی شفقت و رعایت اور اس کے مالی اور دیگر ہر قسم کے تعاون ہی سے اولاد نشو نما پاتی اور پروان چڑھتی ہے۔

اب یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ اولاد جوان ہونے کے بعد ولی پر فائق اور برتر ہو جائے۔ یہ فطرت کے بھی خلاف ہے اور جذبۂ ممنونیت و احساس تشکر کے بھی برعکس، اس لیے منشائے شریعت بھی یہی ہے اور تقاضائے انصاف بھی کہ ولی کا حق ہر لحاظ سے غالب اور مقدم رہے اور ولی اور اولاد میں اختلاف کی صورت میں صرف اولاد کی بلوغت کو دیکھ کر ولی کی ولایت کو نظر انداز کر دینا روح شریعت کے بھی خلاف ہے اور انصاف کے تقاضوں سے بھی انحراف۔ ہاں! اگر ولی اپنے حق ولایت کو غلط استعمال کرے اور جبر کے ذریعے سے ظلم و زیادتی کا ارتکاب کرے تو اور بات ہے۔ اس قسم کی صورتوں میں خود شریعت نے بھی دوسرے لوگوں کو مداخلت کر کے انصاف کا اہتمام کرنے کی تاکید کی ہے۔ فقہی اصطلاح میں ایسے غیر مشفق باپ کو ''ولئ عاضل'' سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس کی ولایت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا گیا ہے۔ اس صورت میں چچا، تایا وغیرہ ولی قرار پائیں گے یا پھر وقت کا امام، قاضی اور حاکم۔ [1]

[1] مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب ''مفرور لڑکیوں کا نکاح اور ہماری عدالتیں، مسئلہ ولایت نکاح کا تحقیقی جائزہ'' مطبوعہ دار السلام، لاہور

حالات کی تبدیلی سے اجتہادی احکام تبدیل ہو سکتے ہیں نہ کہ منصوص احکام

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اب حالات بدل گئے ہیں اور معاشرے میں سماجی، سیاسی اور قانونی لحاظ سے عورت کی حیثیت پہلے سے مختلف ہو چکی ہے، لہذا عورتوں کے حوالے سے نصوص اسلامی کی نئی تشریح یا دوسرے لفظوں میں عورتوں سے متعلق اجتہادی قوانین پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ [1]

لیکن ہم عرض کریں گے کہ ایسے اہل علم وفکر اور اصحاب دانش وبینش یا تو مغربی افکار سے متأثر ہیں یا ذہنی تضاد کا شکار ہیں۔ ایک طرف یہ حضرات ائمہ کے مسالک اور ان کے دلائل بھی نقل فرماتے ہیں اور دوسری طرف انہیں ان کا اجتہاد قرار دے کر ان میں تبدیلی کا مشورہ بھی دیتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ اجتہادی مسائل، ابدی نہیں ہیں، ان میں حالات وظروف کے مطابق تغیر وتبدل کے تمام علماء قائل ہیں لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ عورتوں سے متعلقہ احکام ومسائل اجتہادی ہیں یا نصوص شریعت پر مبنی۔ اجتہادی مسئلہ تو وہ ہوتا ہے جس کی بابت قرآن کریم یا حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کوئی نص نہ ہو اور علماء نے اس سے ملتے جلتے کسی مسئلے پر قیاس کر کے اس کے جواز یا عدم جواز کا حکم اخذ کیا ہو۔ کیا خیارِ بلوغ یا عاقل بالغ لڑکی کے ولی کی اجازت کے بغیر از خود شادی کر لینے یا حجاب وغیرہ کے مسائل اجتہادی ہیں یا نصوص پر مبنی۔ اگر یہ فقہاء کے اجتہادی مسائل ہیں، پھر تو یقیناً ان میں حالات کے مطابق تبدیلی کا مشورہ صحیح ہے اور اگر ایسا نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے کیونکہ خود یہ حضرات بھی ائمہ کے دلائل نقل فرماتے ہیں جو نصوص قرآن وحدیث پر مبنی ہیں نہ کہ

وہ اجتہادی اقوال وآراء ہیں تو پھر ان مسائل میں تبدیلی کا مشورہ مغرب زدہ متجددین کی ہم نوائی کے سوا کیا ہے۔ جو تغیر حالات کے نام پر ساری شریعت ہی کو تبدیل کرنا چاہتے ہیں۔کیا یہ حضرات بھی نصوص میں تبدیلی کے قائل ہیں۔اگر نہیں ہیں تو پھر ان حضرات کی طرف سے اس قسم کا مشورہ ان کے فکری تضاد ہی کا غماز کہلائے گا۔

ان کی ایک دلیل ان کا یہ کہنا بھی ہے کہ مدینہ اور حجاز کا معاشرہ بدوی تھا اور وہاں دوسری تہذیبوں کے اثرات کم تھے۔ یہ وہی بات ہے جو متجددین بھی کہتے ہیں اور وہ اس حوالے سے عورت کو مغرب کی طرح مادر پدر آزادی دینا چاہتے ہیں اور اسلامی احکام میں ایسی ترمیم واصلاح کرنا پسند کرتے ہیں جس سے اسلامی تہذیب کی خصوصیات ختم اور مغرب کی حیاباختہ تہذیب کا جواز ثابت ہوجائے،حالانکہ اسلام ایک ایسا ابدی مذہب ہے جس کے ساتھ ہی نبوت کا خاتمہ بھی کردیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام ایک عالم گیر مذہب ہے،کسی مخصوص علاقے اور ملک کے لیے نہیں ہے اور قیامت تک کے لیے ہے،کسی محدود دور کے لیے نہیں ہے۔

اس لیے جدید مفکرین اور دانشوران عصر کا یہ دعویٰ کہ مدینہ وحجاز کا معاشرہ بدوی تھا، یکسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے احکام کسی معاشرے کے مطابق اور اس کی رعایت میں نازل نہیں فرمائے بلکہ انسانی فطرت کے مطابق اتارے ہیں،جس میں کوئی تبدیلی جغرافیائی اعتبار سے آسکتی ہے نہ لیل ونہار کی کسی گردش سے،یعنی زمان ومکان اور اس کی تبدیلیوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ انسان کسی بھی علاقے اور ملک سے تعلق رکھتا ہو اور قیامت تک کسی بھی زمانے میں وہ وجود پذیر ہو۔ اسلامی احکام وتعلیمات اس

کے لئے مینارۂ نور، مشعلِ ہدایت اور ضابطۂ حیات ہے۔ اس سے انحراف میں اس کے لیے گمراہی، تاریکی اور بربادی ہے۔ امن وسکون اور نجات نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسلامی احکام قیامت تک کے لیے نازل کیے ہیں، انسانی فطرت سے بھی وہ آگاہ ہے بلکہ صرف وہی آگاہ ہے کیونکہ وہی انسان کا خالق ہے، اس لیے ہر دور کے انسان کی نجات، چاہے وہ ترقی کر کے چاند پر پہنچ جائے، احکام الٰہی کی پیروی ہی میں ہے۔ اس میں کسی قسم کی تبدیلی کا کوئی مجاز ہے نہ اس کی اصلاح ہی ممکن ہے۔ اس میں اصلاح وترمیم ایسے ہی ہے جیسے کسی طبیب حاذق کے نسخے میں کوئی عطائی نیم حکیم اپنی طرف سے، بزعم خویش، اسے بہتر بنانے کے لیے ردوبدل کردے۔

مغرب کی کامیابی، لادینیت کا نہیں، مسلسل عمل اور علم وہنر کا نتیجہ ہے

ہمیں یہ دیکھ کر کہ مغرب میں عورت، مرد کے دوش بدوش ہر کام میں حصہ لے رہی ہے، اس پر پردے کی یا اپنی عصمت کے تحفظ کی کوئی پابندی نہیں ہے، وہ ہر معاملے میں خودمختار ہے، والدین کا اس پر کوئی دباؤ ہے نہ خاوند کا کوئی اثر اور نہ خاندان کا کوئی نظام۔ وہ والدین کی موجودگی میں بھی اپنے رفیق حیات کے انتخاب میں آزاد ہے اور عقد نکاح میں بندھنے کے باوجود صرف اپنے شوہر کے ساتھ ہی وابستہ رہنے کی پابند نہیں۔ وہ ایک مرد کی بیوی ہونے کے باوصف کئی مردوں سے دوستانہ تعلق قائم کرسکتی اور رکھ سکتی ہے۔

مغرب میں عورت کی یہ آزادی دیکھ کر بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ مغرب کی ترقی کا راز اسی نظریۂ مساوات مردوزن میں مضمر ہے۔ اس کی خیرہ کن اور محیرالعقول ایجادات کی وجہ عورت کی بے پردگی اور اس کی اخلاقی باختگی ہے اور مادّی آسائشوں اور سہولتوں کی

فراوانی ، ہر قسم کی پابندی سے آزادی کا نتیجہ ہے، اس لیے وہ مشورہ دیتے ہیں کہ اب معاشرہ بہت بدل گیا ہے۔ زمانہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہے۔ ہمیں بھی مغرب کی طرح عورت کو کچھ نہ کچھ آزادی دینی چاہیے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ مغرب کی ترقی لادینیت اختیار کرنے اور عورت کو گھر سے باہر نکال کر بے پردہ کر دینے کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کی پشت پر اصل چیز ان کی منصوبہ بندی اور اس پر عمل، علم و ہنر کا حصول اور اس کا صحیح استعمال، نظم وضبط اور قانون کی پابندی وغیرہ ،خوبیاں ہیں۔ علامہ اقبال رحمہ اللہ جنہوں نے خود مغرب میں رہ کر ہر چیز کا مشاہدہ کیا تھا، یورپ کی ترقی پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

قوت مغرب نہ از چنگ و رباب
نے ز رقص دخترانِ بے حجاب
نے ز سحرِ ساحرانِ لالہ رُو است
نے ز عریاں ساق و نے از قطع مُو است
محکمیٔ او نہ از لادینی است
نے فروغش از خطِّ لاطینی است
قوتِ افرنگ از علم وفن است
از ہمیں آتش چراغش روشن است
حکمت از قطع و بریدِ جامہ نیست
مانع علم و ہنر عمامہ نیست

بہرحال عورت کے بارے میں اسلام نے جو کچھ بھی احکام دیے ہیں، اس سے ایک تو اسلام کے تصور حیاء وعفت کا تحفظ مقصود ہے۔ مغرب نے عورت کی عفت وتقدس کی ردا کو

تار تار کر کے پھینک دیا ہے، اس لیے اس کی حفاظت کی ان کے ہاں کوئی اہمیت باقی نہیں رہی ہے۔ دوسرا مقصد، اسلام کا عورت کی صنفی مجبوریوں اور اس کی فطری استعداد وصلاحیت کا احترام ورعایت ہے۔ اس سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ مرد اور عورت دونوں کا مقصد تخلیق ایک دوسرے سے جدا ہے اور اسی اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے دونوں کی فطری صلاحیتوں اور قوت عمل میں بھی فرق رکھا ہے۔ شریعت اسلامیہ نے اسی لیے دونوں کا دائرہ کار بھی ایک دوسرے سے الگ رکھا ہے۔ ایک کا دائرہ عمل گھر کی چار دیواری ہے، وہاں کے خانگی امور ہیں، بچوں کی نگرانی اور دیکھ بھال ہے، خاوند کی خدمت واطاعت ہے۔ دوسرے کا دائرہ عمل گھر سے باہر ہے، وہ محنت مزدوری کرے یا ملازمت، کھیتی باڑی کرے یا تجارت، کسب معاش اسی کی ذمے داری ہے۔ عورت صرف گھر کی ملکہ ہے، اس کا کام سڑکوں کی خاک چھاننا نہیں ہے، ملازمت کے لیے در بدر کی ٹھوکریں کھانا نہیں ہے، غیروں کی ناز برداری یا اپنے ناز وادا سے ان کا دل بہلانا نہیں ہے۔

اس لیے ہمارا پختہ ایمان ہے کہ دیگر تعلیمات کی طرح عورت کے بارے میں بھی اسلام کا ایک ایک حکم حکمت بالغہ پر مبنی ہے اور انسانی معاشروں کی اصلاح اور انسانیت کی فلاح وبہبود ان احکام کی پابندی ہی میں منحصر ہے۔ ان سے انحراف میں فساد اور بربادی ہی بربادی ہے ان سے صرف نظر، یا گریز واعراض کر کے کوئی معاشرہ حقیقی فلاح اور امن وسکون سے بہرہ ور نہیں ہوسکتا، بنا بریں اس کے کسی حکم میں حالات وزمانے کے اعتبار سے ترمیم اور حک واضافہ نہیں ہوسکتا کیونکہ وہ اس ذات کے نازل کردہ ہیں جو [عَالِمُ مَا کَانَ وَمَا یَکُونُ] ہے جو ماضی اور حاضر ومستقبل میں رونما ہونے والے واقعات سے باخبر ہے۔

❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀❀



مرد و عورت دونوں کے لئے
ازدواجی زندگی کو پر مسرت اور خوشگوار بنانے کے لیے
چند نہایت اہم نصیحتیں

❀ میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کی خوبیوں کو ہر وقت سامنے رکھیں اور خامیوں اور کوتاہیوں کو نظرانداز کریں، کیونکہ کچھ نہ کچھ خامی ہر انسان میں ہوتی ہے۔ اسی طرح کچھ نہ کچھ خوبیاں بھی ہر ایک میں ہوتی ہیں۔ اگر نظر خوبیوں پر رہے تو خامیوں کو نظر انداز کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

❀ خود بینی اور خود پرستی سے احتراز کریں، اس کے برعکس دوسرے کی خوبیوں کی تعریف کریں اور انھیں سراہیں۔

❀ دونوں بیک وقت غصے کا مظاہرہ نہ کریں۔ ایک فریق ہر صورت میں تحمل اور برداشت سے کام لے۔ مرد کو خاص طور پر زیادہ صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور صنف نازک کو صنف نازک ہی سمجھے، اسے اپنی شفقت، پیار اور محبت کا مستحق ہی سمجھے اسے اپنا حریف اور مقابل ہرگز نہ سمجھے۔

❀ تخلیہ ہو یا مجلس ایک دوسرے کے خلاف جلی کٹی نہ کہیں۔

❀ ایک دوسرے سے تیز گفتاری اور سختی سے پیش نہ آئیں۔ بلکہ نرم گفتاری اور نرمی کو

معمول بنائیں۔

❁ ایک دوسرے کی بات ماننے میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کریں۔

❁ ایک دوسرے کے لیے ایثار وقربانی کو معمول بنایا جائے۔

❁ نکتہ چینی یا بدخوئی اور خوردہ گیری سے اجتناب کیا جائے۔ اگر کبھی اس کی ضرورت پیش آہی جائے، تو نہایت حکمت اور شیریں الفاظ میں اس کا اظہار کیا جائے۔

❁ پچھلی غلطیاں دہرائی جائیں نہ وہ یاد دلائی جائیں، بلکہ ان کو فراموش کر دیا جائے۔

❁ ہر فریق دوسرے کی جائز خواہش اور فطری جذبات کا احترام کرے، انھیں مجروح نہ کرے۔

❁ ایک دوسرے کو کبھی نظر انداز نہ کریں، بلکہ زیادہ سے زیادہ اپنائیت کا اظہار کریں۔

❁ ایک دوسرے کی غیر موجودگی میں باہمی رازوں اور مشترکہ چیزوں کی حفاظت کریں۔

❁ ایک دوسرے کو ہر حال میں خندہ پیشانی سے ملیں۔

❁ بڑھ چڑھ کر ایک دوسرے کی خدمت کریں، ایک دوسرے کو خادم اور اپنے آپ کو مخدوم نہ سمجھیں بلکہ گھر کا نظام باہمی تعاون سے چلائیں۔

❁ کوئی ناراضی والی بات ہو جائے، تو اسے بڑھنے نہ دیں بلکہ اولیں فرصت میں اسے ختم کر لیا جائے چنگاری کو شعلہ بنتے دیر نہیں لگتی۔ عقل مندی یہی ہے کہ چنگاری کو شعلہ نہ بننے دیا جائے، ورنہ ہنستا بستا گھر اجڑ سکتا ہے، ایک خوش نما باغ خزاں میں تبدیل ہو سکتا ہے اور ایک نعمت کدہ جہنم کدہ بن سکتا ہے۔

❁ مرد بالا دست، قوّام اور زیادہ قوت و ہمت والا ہے، اس لیے اسے عورت کے مقابلے میں زیادہ بردباری، صبر اور قوت برداشت کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ وہ عورت کی کمزوری

اور فطری کجی کو حکمت اور صبر سے برداشت کرے۔ اسے بالکل سیدھا کرنے کے چکر یا زعم میں نہ پڑے ورنہ وہ اسے سیدھا کرتے کرتے اپنا گھر اجاڑ لے گا۔

❁ گھر میں آنے والے مہمان کا تعلق بیوی کے خاندان سے ہو یا شوہر کے خاندان سے۔ بہ حیثیت مہمان کے اپنی طاقت کے مطابق اس کی مہمان نوازی کی جائے۔ مہمان نوازی میں اپنے خاندان کے فرد کو تو اپنا سمجھا جائے اور دوسرے کو غیر۔ یہ تفریق بھی باہم بغض وعناد اور دلوں میں کدورت کا باعث بنتی ہے۔ اس سے اجتناب کیا جائے۔

❁ عُسر یا یُسر (تنگ دستی ہو یا خوش حالی) دونوں حالتوں میں اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں اور پورے خلوص سے عہد وفا نبھائیں۔

❁ دونوں اپنی خواہشات اور جذبات کے مقابلے میں اللہ رسول کے احکام کو فوقیت اور ترجیح دیں۔

❁ گھر میں اور گھر سے باہر شرعی پابندیوں کا اہتمام کریں۔

❁ ساس، آنے والی بہو کو اپنی بیٹی سمجھے، بیٹی کی طرح اس سے پیار کرے اور بیٹی کی طرح ہی اس سے سارا معاملہ کرے۔ بہو اپنی ساس کو ماں سمجھے، ماں کی طرح اس کا ادب و احترام کرے اور بیٹی بن کر گھر کے سارے کام کاج میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے۔ عورت کی عزت کام کاج ہی میں ہے نہ کہ شہزادی بن کر اٹوانٹی کھٹوانٹی لے کر پڑ رہنے میں۔

❁ نندیں (خاوند کی بہنیں) بھی بھابھی کو بہن سمجھیں اور بہنوں کی طرح اس سے معاملہ کریں۔ گھر کے سارے کام باہم مل کر کریں، آنے والی دلھن پر ہی سارا بوجھ نہ ڈال دیں۔ ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ گھر کا سکون باہم پیار و محبت میں ہے نہ کہ باہم رقابت اور لگائی بجھائی میں۔

❁ زبان کی حفاظت کریں اور ''پہلے تولیں، پھر بولیں'' کے مقولے کو ہر وقت سامنے رکھیں۔ اور یہ بھی یادرکھیں کہ تلوار کے زخم مندمل ہوجاتے ہیں لیکن زبان کے زخم نہایت خطرناک ہوتے ہیں۔ یہ پہلے دل کو گھائل کرتے ہیں اور پھر گھر کی بربادی اور اولاد کی تباہی کی شکل اختیار کرلیتے ہیں۔

❁ مرد نہایت غصے اور کشیدگی کے عالم میں بھی طلاق کا لفظ کبھی زبان پر نہ لائے۔ اور اسی طرح عورت بھی خاوند سے طلاق کا مطالبہ کرے نہ طلاق لینے والا رویہ ہی اختیار کرے۔ دونوں ہر حالت میں عقد نکاح کو نبھانے کی کوشش کریں۔

❁ خاص طور پر صاحب اولاد ہونے کی صورت میں کبھی ایک دوسرے سے علیحدگی کا نہ سوچیں۔ علیحدگی کی صورت میں دونوں کا گھر ہی نہیں اجڑے گا، اولاد کا مستقبل بھی برباد ہوجائے گا۔ ان غنچوں کو بن کھلے ہی نہ مرجھادیں، بلکہ دونوں مل کر ان کی حفاظت اور تربیت کریں تاکہ وہ ثمر دار درخت بن کر ان کے لیے گھنی چھاؤں کا کام بھی دیں اور ان کے لیے عصائے پیری بھی بنیں۔

عورت جہاں پلی بڑھی جوان ہوئی اس جگہ سے انس پیار فطری چیز ہے لیکن اس پیار کا مطلب یہ نہیں کہ نئی جگہ سے، جہاں اب اس نے پوری زندگی گزارنی ہے، دل لگانے کی کوشش نہ کرے بلکہ پرانے ماحول ہی کو آنکھوں میں بسائے رکھے اور اسی کی یادوں کا چراغ دل کے طاقوں میں فروزاں رکھے۔ اب ماحول بھی نیا ہے، لوگ بھی نئے ہیں، ان کی تمنائیں اور خواہشیں بھی، جو نئی نویلی دلہن سے وابستہ ہیں، نئی ہیں۔ اب کامیابی کا گر اور راز یہی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس ماحول میں ڈھالے، بشرطیکہ وہ شریعت سے متجاوز نہ ہو، انکی آرزوؤں اور تمناؤں پر پورا اترنے کی کوشش کرے۔

ماں باپ کی شفقت اور پیار اولاد کو ہر صورت میں حاصل رہتا ہے، اولاد فرماں بردار ہوتب بھی اور نافرمان ہوتب بھی۔ لیکن نئے گھر میں ماں باپ کی جگہ ساس، سسر ہیں اور بہن بھائیوں کی جگہ خاوند اور اس کے بھائی (دیور، جیٹھ) اور بہنیں (نندیں) ہیں، یہ سب اجنبی ہیں ان کو اپنا بنانے اور ان کی محبت حاصل کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ خوش اخلاقی ،خوش زبانی اور خوش اطواری کو اختیار اور محنت اور امور خانہ داری میں پوری دلچسپی کو شعار بنایا جائے۔ اس کے بغیر پیار محبت اور آرام وراحت کا وہ ماحول جو اس کو اس کے آبائی گھر میں حاصل تھا، یہاں میسر نہیں آسکتا۔ اور اگر ایسا ہوا تو اس کی زندگی اجیرن ہو جائے گی۔ ایسی صورت میں قصور نہ ماں باپ کا ہوگا جنھوں نے دیکھ بھال کر اپنی بچی کے لیے نئے گھر کا انتخاب کیا تھا اور نہ نئے گھر والوں کا جو بڑے چاؤ اور ارمانوں کے ساتھ اس کو بیاہ کر اپنے گھر لائے تھے۔ سارا قصور اس کا اپنا ہوگا جس نے نئی زندگی اور نئے ماحول کے تقاضوں کو نہیں سمجھا اور حسن اخلاق وحسن کردار کا مظاہرہ کرنے سے بھی قاصر رہی اور محنت شعاری کو بھی اختیار کرنے سے گریز کیا جب کہ یہی دو خوبیاں عورت کی عظمت کو چار چاند لگانے والی ہیں۔

ان تمام باتوں کی تفصیل آئندہ صفحات میں ''حقوقِ مرداں'' اور ''حقوقِ نسواں'' اور ''متفرقات'' کے عنوانات سے ملاحظہ فرمائیں۔

حقوق نسواں

یعنی

بیوی کے ساتھ حسن سلوک کی تفصیل اور اس کی بابت مرد کی ذمہ داریاں

عورت کے ساتھ حسن معاشرت کی تاکید

اسلام نے عورت کے ساتھ حسن سلوک کی بھی بڑی تاکید کی ہے، اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں معاشرت بالمعروف کی اصطلاح استعمال فرمائی ہے:

﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ [النساء ۱۹]

''تم ان کے ساتھ اچھے طریقے سے گزر بسر کرو۔''

جس کا مطلب، عورت کے حقوق کی صحیح ادائیگی، اس کی ضروریات زندگی (نان و نفقہ، لباس) کی فراہمی اور اپنے وسائل کے مطابق اسے ہر طرح کی آسانی اور سہولتیں بہم پہنچانا ہے۔ اس سلسلے کی متعدد احادیث اس سے قبل ''مرد اور عورت دونوں کی خدمات کا دائرۂ کار'' عنوان کے تحت بیان ہو چکی ہیں۔ یہاں چند احادیث اور ملاحظہ فرمائیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا، فَإِنَّ الْمَرْأَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ وَإِنَّ أَعْوَجَ شَيْءٍ فِي الضِّلَعِ أَعْلَاهُ، إِنْ ذَهَبْتَ تُقِيمُهُ كَسَرْتَهُ وَإِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ أَعْوَجَ اِسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا» [1]

''عورتوں کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت قبول کرو، اس لیے کہ عورت کی پیدائش پسلی سے ہوئی ہے اور پسلی میں سب سے ٹیڑھا حصہ اس کا بالائی حصہ ہے، اگر تم اسے سیدھا کرنا چاہو گے تو اسے توڑ بیٹھو گے (لیکن سیدھا نہیں کر سکو گے حتی کہ معاملہ طلاق تک پہنچ جائے گا) اور اگر تم اسے چھوڑ دو گے تو وہ ٹیڑھا ہی رہے گا (یعنی عورت کی فطری کجی کبھی ختم نہیں ہوگی، اس لیے اس کو برداشت کرتے ہوئے) اس کے ساتھ بھلائی کرتے رہو۔ (اس کے ساتھ نباہ کرنے کا صرف یہی طریقہ ہے)۔''

[1] صحیح بخاری کتاب النکاح، باب الوصاة بالنساء، حدیث نمبر: 5186

رسول اللہ ﷺ کو عورتوں کے حقوق کی اتنی فکر تھی کہ حجۃ الوداع کے خطبے میں بھی آپ نے اس کی تاکید فرمائی۔ آپ نے فرمایا:

«اَلَا وَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ خَیْرًا، فَإِنَّمَاھُنَّ عَوَانٍ عِنْدَکُمْ لَیْسَ تَمْلِکُونَ مِنْھُنَّ شَیْئًا غَیْرَ ذٰلِکَ إِلَّا أَنْ یَّأْتِینَ بِفَاحِشَةٍ مُبَیِّنَةٍ، فَإِنْ فَعَلْنَ فَاهْجُرُوهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ، وَاضْرِبُوھُنَّ ضَرْبًا غَیْرَ مُبَرِّحٍ، فَإِنْ اَطَعْنَکُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَیْھِنَّ سَبِیلًا، أَلَا إِنَّ لَکُمْ عَلٰی نِسَائِکُمْ حَقًّا وَلِنِسَائِکُمْ عَلَیْکُمْ حَقًّا، فَأَمَّا حَقُّکُمْ عَلٰی نِسَائِکُمْ فَلَا یُوْطِئَنَّ فُرُشَکُمْ مَنْ تَکْرَھُونَ وَلَا یَأْذَنَّ فِی بُیُوتِکُمْ لِمَنْ تَکْرَھُونَ، أَلَا وَحَقُّھُنَّ عَلَیْکُمْ أَنْ تُحْسِنُوا اِلَیْھِنَّ فِی کِسْوَتِھِنَّ وَطَعَامِھِنَّ» [1]

''سنو! تم عورتوں کے ساتھ بھلائی کرنے کی وصیت قبول کرو، بلاشبہ وہ تمہارے پاس قیدی ہیں (تم ہی ان کے سب کچھ ہو اور وہ تمہارے رحم و کرم پر ہیں) اس کے علاوہ تم ان کی کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے۔ ہاں اگر وہ کھلی بے حیائی (بدزبانی و بدسلوکی) کا ارتکاب کریں تو تم ان سے بستروں میں علیحدگی اختیار کر لو اور ان کو اس طرح ہلکی مار مارو جس سے ان کو شدید ضرب نہ آئے۔ اگر (اس حکمت عملی سے وہ ٹھیک ہو جائیں) تمہاری باتیں مان لیں تو تم ان کے لیے کوئی اور راستہ نہ ڈھونڈو (طلاق نہ دو)۔ یاد رکھو! تمہارے لیے تمہاری عورتوں پر حق ہیں اور اسی طرح تمھاری عورتوں کے لیے تم پر حق ہیں۔ تمہارا حق عورتوں پر یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر ایسے لوگوں کو نہ آنے دیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو اور تمہارے گھروں میں ان کو اِذنِ باریابی نہ دیں جن کو تم اچھا نہیں سمجھتے۔ سنو! اور ان عورتوں کا حق تم پر یہ ہے کہ ان کے لباس اور خوراک میں ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو (اس میں کوتاہی نہ کرو)۔''

یہ ارشادِ مبارک بھی بڑا جامع ہے اور اس میں ازدواجی زندگی میں پیش آنے والے نشیب و فراز کے بارے میں بڑی مفید ہدایات دی گئی ہیں جن پر اگر میاں بیوی

[1] جامع الترمذي: أبواب الرضاع ،باب ما جاء في حق المرأة على زوجها، حديث: 1163

صدق دل سے عمل کریں تو پیدا ہونے والی پیچیدگیاں آسانی سے سلجھ سکتی ہیں اور اخلاق و کردار کی کوتاہیوں کی اصلاح ہوسکتی ہے۔ ازدواجی زندگی کو خوش گوار بنانے کا یہی اصول ہے کہ دونوں میاں بیوی اولاً ایک دوسرے کے حقوق صحیح طریقے سے ادا کریں تا کہ کوئی ناخوشگوار مرحلہ ہی نہ آئے لیکن کسی کی کوتاہی سے اگر ایسا مرحلہ آ ہی جائے تو مذکورہ فرمانِ رسول میں بتلائی ہوئی حکمت عملی کو بروئے کار لا کر اس کا ازالہ آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔

معاملات میں زیادہ بگاڑ، جس سے گھر اجڑ جاتے ہیں، اسی وقت آتا ہے کہ جب چھوٹی چھوٹی باتوں کو نظر انداز کرنے یا ان کو مناسب حکمت عملی سے سلجھانے کے بجائے، سخت اور نامناسب رویہ اختیار کیا جائے اور ان کو بڑھایا جائے۔ اس سے ایک چنگاری شعلہ بن جاتی ہے اور گھر بھسم ہو کر رہ جاتا ہے۔

بگاڑ کا ایک اور سبب مرد کا قوت برداشت اور صبر و دانائی سے کام لینے کے بجائے جلد بازی اور اپنی حاکمیت وقوامیت کا بے اعتدالی سے استعمال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر قوّام بنایا ہے، اس قوّامیت کا تقاضا ہے کہ وہ صنف نازک کی فطری کمزوری اور کجی کو حکمت و دانائی سے برداشت کرے نہ کہ کمزور کے مقابلے میں اپنی قوت کا مظاہرہ کرے۔ اس قوت مردانگی کا بے جا استعمال بھی اکثر گھروں کے آرام وسکون کو برباد کر دیتا ہے۔

مذکورہ احادیث میں مرد کو یہی نکتہ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ عورت کے مقابلے میں اللہ نے مرد کو عقل وشعور اور جسمانی قوت زیادہ عطا کی ہے، اس اعتبار سے گھر کو آباد رکھنے میں اس کی ذمے داری بھی زیادہ ہے، اس کو ہر وقت حکمت و دانائی اور صبر وتحمل سے کام لینا چاہیے۔ جو مردانِ حق آگاہ اس نکتے کو سمجھ لیتے ہیں، وہ عورت میں موجود اس کی خوبیوں کی قدر کرتے اور کمزوریوں اور کوتاہیوں کو برداشت کرتے ہیں، نتیجتاً ان کی ازدواجی زندگی پرسکون گزرتی اور گھر جنت کا نمونہ بنا رہتا ہے اور جو مرد اس کے برعکس رویہ اختیار کرتے اور عورت کی خوبیوں کو نظر انداز کر کے اس کی فطری کجی (ٹیڑھی پسلی) کو سیدھا کرنے کی ناکام سعی کرتے ہیں، وہ اپنا گھر اجاڑ بیٹھتے ہیں۔

حسنِ معاشرت کے لیے چند رہنما اصول

عورت کے ساتھ حسنِ معاشرت کی جو تاکید ہے، وہ پچھلے صفحات میں آپ نے پڑھ لی، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ موضوع کی اہمیت کے پیشِ نظر وہ رہنما اصول بھی بیان کر دیے جائیں جن پر عمل کرنے سے حسنِ معاشرت کا اہتمام آسانی سے ہوسکتا ہے اور اس کے تقاضے پورے کیے جاسکتے ہیں۔ یہ رہنما اصول حسبِ ذیل ہیں، یہ دراصل مرد کے ذمے وہ حقوق ہیں جو اس پر عورت کی طرف سے عائد ہوتے ہیں، ان حقوق کی پوری رعایت اور ادائیگی سے حسنِ معاشرت کے تقاضے پورے ہوجاتے ہیں۔

لیجیے! ملاحظہ فرمائیے۔

1 حق مہر کی ادائیگی

سب سے پہلا اصول یہ ہے کہ پوری خوش دلی سے حق مہر ادا کیا جائے، اس میں قطعاً نہ کوتاہی کی جائے اور نہ اس میں بلا وجہ تاخیر۔ تاہم عورت رضا مندی سے اپنا یہ حق مہر معاف کر دے تو بات اور ہے، عورت ایسا کر سکتی ہے لیکن بلا جبر و اکراہ، اپنی رضا مندی سے۔ اگر عورت یہ ایثار کرے تو مرد سے یہ ذمے داری ساقط ہوجائے گی۔

﴿وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ۝۴﴾ [النساء ۴]

”اور تم عورتوں کے حق مہر خوشی سے ادا کرو، اگر وہ خوشی سے اس میں سے کچھ معاف کر دیں تو تم اسے رچتا پچتا کھالو۔“

(2) خوبیوں پر نظر رکھی جائے

ضروری نہیں کہ ہر مرد کو اس کی پسند اور خواہش کے مطابق بیوی مل جائے۔ اگر ایسا ہو جائے تو سبحان اللہ۔ اللہ کا شکر ادا کرے۔ بصورت دیگر اس پر نہ گھٹن محسوس کرے اور نہ اس سے نفرت و کراہت کا اظہار۔ بلکہ نوشتۂ تقدیر سمجھ کر اسے برداشت کرے اور اس کے حقوق ادا کرے، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اسی میں اس کے لیے بہتری کا سامان پیدا کردے، اس سے اللہ تعالیٰ اولاد صالح عطا فرما دے جو اس کے لیے دین و دنیا کی سعادت کا باعث بن جائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ﴾ [البقرة ۲۱۶]

''ہوسکتا ہے جس چیز کو تم ناپسند کرو، وہ تمھارے لیے بہتر ہو۔''

اور نبی ﷺ نے بھی فرمایا ہے:

''کوئی مومن مرد کسی مومنہ عورت (بیوی) سے بغض، دلی نفرت، نہ رکھے، اگر اس کے اندر کوئی ناپسندیدہ چیز ہے تو کوئی دوسری چیز پسندیدہ بھی ہوگی۔'' (؟)

مطلب یہ ہے کہ ہر انسان میں اچھائی اور برائی دونوں ہی ہوتی ہیں۔ اس لیے نباہ کا طریقہ یہی ہے کہ برائیوں کو نظر انداز کر کے اچھائیوں (خوبیوں) پر نظر رکھی جائے۔ انسان کو اپنے والدین، اولاد، بہن بھائیوں کے معاملے میں بھی یہی اصول اپنانا پڑتا ہے، اس کے بغیر چارہ نہیں، ورنہ انسان کا مذکورہ رشتوں کا نبھانا بھی ناممکن ہو جائے۔

بیوی کے لیے بھی اسی اصول کو سامنے رکھا جائے تو بیوی کے ساتھ، اس کی بعض ناپسندیدہ باتوں کے باوجود نباہ آسان ہو جاتا ہے اور اس صبر و ضبط کے صلے میں اس کو اللہ تعالیٰ دین و دنیا کی بہت سی سعادتوں سے بھی نواز دیتا ہے۔

③ کسی بھی اختلاف کو انا اور وقار کا مسئلہ نہ بنایا جائے

گھریلو معاملات میں، رشتے داروں کے معاملات میں، حتیٰ کہ اپنے ہی بچوں کے معاملات میں میاں بیوی کے درمیان اختلاف ہوتا رہتا ہے اور خانگی زندگی اکثر و بیشتر اسی طرح گزرتی ہے، الا ماشاء اللہ۔ اگر کسی وقت یہ اختلاف شدت اختیار کر جائے تو مرد کو چاہیے کہ وہ صبر و تحمل اور درگزر سے کام لے اور کسی بھی اختلاف یا مسئلے کو اپنی انا اور وقار کا مسئلہ نہ بنائے۔ انا اور وقار کا مسئلہ بنا لینے سے وہ اختلاف ختم یا کم نہیں ہوتا بلکہ اس کی شدت و وسعت میں اضافہ ہوجاتا ہے اور بہت سی خرابیوں اور مسائل کا باعث بن جاتا ہے۔ اور اگر اپنی انا کو دبا کر افہام و تفہیم اور تواضع سے کام لیا جائے تو بڑے سے بڑا اختلاف بھی ختم یا کم ہوجاتا ہے اور کوئی درمیانی راستہ اختیار کرنے سے اتفاق رائے پیدا ہوجاتا ہے۔

④ بیویوں کو بھی اختلاف رائے اور مشورے کا حق دیں

بعض مرد نہایت خود پسند ہوتے ہیں، وہ کسی کو بھی اختلاف رائے کا حق دینے کے لیے تیار نہیں ہوتے اور کسی سے مشورہ لینے کی ضرورت بھی نہیں سمجھتے۔ ایسے لوگ اپنے آپ ہی کو عقلِ کل سمجھتے اور بیوی کی رائے کو قطعاً کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ ہر معاملے میں اپنی من مانی کرتے اور گھر میں ڈکٹیٹر شپ (آمریت) نافذ کرتے ہیں۔

یہ رویہ بھی خوش گوار ماحول کے منافی ہے جب کہ گھریلو زندگی کی خوش گواری کے لیے ماحول کی خوش گواری نہایت ضروری ہے اور ایسا تب ہی ہوسکتا ہے کہ مرد بیوی کو زندگی کا دوسرا پہیہ سمجھے، جیسا کہ وہ واقعتاً ہے، اور ہر اہم معاملے میں اس کو اعتماد میں لے کر فیصلہ

کرے اور اس سے مشاورت کا اہتمام کرے، اس کے دلائل سنے اور اپنے دلائل اس کو سنائے، اس طرح زیر بحث مسئلے کے سارے پہلو سامنے آجائیں گے جس کی روشنی میں بہتر فیصلہ کرنا آسان ہو جائے گا۔

اس سلسلے میں ذیل کی حدیث سے ہمیں کافی رہنمائی ملتی ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اللہ کی قسم! ہم زمانۂ جاہلیت میں عورتوں کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے، حتی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی بابت وہ احکام نازل فرمائے جو (اسلام نے عورتوں کی بابت دیے۔) اور ان کو بہت سی رعایتیں دیں (جس سے ان کے اندر اعتماد اور گھریلو معاملات میں اختلاف رائے کا شعور پیدا ہوا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ) ایک مرتبہ میں اپنی بیوی کو کسی بات کا حکم دے رہا تھا کہ (اس نے اس سے اختلاف کرتے ہوئے کہا) اگر آپ یہ کام اس اس طرح کر لیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ میں نے اس سے کہا: تجھے میرے معاملے میں دخل دینے کا کیا حق ہے؟ اور میرے حکم سے سرتابی کیوں کرتی ہے؟ اس نے مجھ سے کہا: ابن خطاب! آپ پر مجھے تعجب ہے، آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی بات پر بحث و تکرار نہ کی جائے، حالانکہ آپ کی بیٹی (ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث و تکرار کرتی ہے جس کی وجہ سے (بعض دفعہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سارا دن اس سے ناراض رہتے ہیں۔'' [1]

اسلام نے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک اور لطف و کرم کا معاملہ کرنے کا جو حکم دیا ہے، اس کے نتیجے میں مسلمان عورت کے اندر جو شعور اور اعتماد پیدا ہوا، جس پر خود

[1] صحیح البخاري: کتاب تفسیر القرآن، باب «تبتغي مرضاة أزواجك» حدیث: 4913

رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنی ازواج مطہرات کے معاملے میں عمل کیا، اس کی ایک جھلک حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ عورت کو اہمیت نہ دینا اور استبداد رائے کا مظاہرہ کرنا یکسر غلط اور حسن معاشرت اور اسوۂ رسول کے خلاف ہے۔

5 کسب معاش، یعنی سرمائے کی فراہمی مرد کی ذمے داری ہے

اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت، دونوں کو الگ الگ مقاصد کے لیے تخلیق کیا ہے اور اسی مقصد تخلیق کے تحت دونوں کو جسمانی، ذہنی اور دماغی صلاحیتیں بھی ایک دوسرے سے مختلف عطا کی ہیں۔ پھر اس کے مطابق دونوں کا دائرۂ کار بھی متعین فرما دیا ہے۔ عورت کا دائرۂ کار گھر کی چار دیواری ہے جہاں وہ خانگی امور (کھانے پکانے، صفائی دھلائی وغیرہ) بچوں کی دیکھ بھال، ان کی تربیت و نگرانی، گھر کی حفاظت اور خاوند کے مال کی حفاظت اور خاوند کی خدمت وغیرہ کی ذمے دار ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو صلاحیتیں بھی ایسی ہی دی ہیں کہ وہ یہ سارے امور نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دے لیتی ہے۔

اسی لیے اس کو حکم ہے:

﴿وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ﴾ [الأحزاب 33]

''تم اپنے گھروں میں ٹک کر رہو۔''

مرد کا دائرۂ کار بیرون در، یعنی گھر سے باہر کے امور ہیں، گھریلو نظام چلانے اور ضروریاتِ زندگی کی فراہمی کے لیے معاشی جدوجہد اس کی ذمے داری ہے، وہ تجارت کرے، کھیتی باڑی کرے، ملازمت کرے، گھر کا سودا سلف لائے، وغیرہ وغیرہ۔ یہ سارے امور اسی کے ذمے ہیں۔

اللہ نے مرد کی قوامیت کی ایک وجہ اس کا کسب معاش کا ذمے دار ہونا بتلائی ہے اور دوسری وجہ جو وہبی، یعنی اللہ کی عطا کردہ ہے، وہ عورت کے مقابلے میں اس کا عقلی و دماغی صلاحیتوں میں عورت سے ممتاز ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَاۤ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ﴾ [النساء:34]

''مرد عورت پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے مال خرچ کئے ہیں۔''

میں اسی نکتے کو بیان فرمایا ہے۔

ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا: ہم میں سے کسی شخص کی بیوی کا اس پر کیا حق ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«أَنْ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ وَتَكْسُوهَا إِذَا اكْتَسَيْتَ وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ، وَلَا تُقَبِّحْ وَلَا تَهْجُرْ إِلَّا فِي الْبَيْتِ» [1]

''جب تو کھائے، اسے بھی کھلا، جب تو پہنے، اسے بھی پہنا، اس کے چہرے پر نہ مار، نہ اسے برا بھلا کہہ اور اس سے علیحدگی اختیار کرنی پڑے تو گھر کے اندر ہی کر (نہ اس کو گھر سے نکال اور نہ خود گھر سے نکل۔''

ایک اور حدیث میں بیوی بچوں پر خرچ کرنے کو زیادہ اجر و ثواب کا باعث قرار دیا۔ فرمایا:

«دِيْنَارٌ أَنْفَقْتَهُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، وَدِينَارٌ أَنْفَقْتَهُ فِي رَقَبَةٍ، وَدِينَارٌ تَصَدَّقْتَ بِهِ عَلٰى مِسْكِينٍ، وَدِينَارٌ أَنْفَقْتَهُ عَلٰى أَهْلِكَ أَعْظَمُهَا أَجْرًا الَّذِي أَنْفَقْتَهُ عَلٰى أَهْلِكَ» [2]

[1] سنن أبي داود:كتاب النكاح،باب فى حق الزوج على المرأة،حديث :2142،وشرح السنه:(160/9)

[2] صحيح مسلم:كتاب الزّكاة ، باب فضل النفقة على العيال والمملوك، حديث: 995

''ایک دینار وہ ہے جسے تو نے جہاد پر خرچ کیا، ایک دینار وہ ہے جسے تو نے کسی غلام کی آزادی پر خرچ کیا، ایک دینار وہ ہے جسے تو نے کسی مسکین پر صدقہ کیا، ایک دینار وہ ہے جو تو نے اپنے بیوی بچوں پر خرچ کیا، ان سب میں سے زیادہ اجر کا باعث وہ دینار ہے جو تو نے اپنے بیوی بچوں پر خرچ کیا۔''

ایک دوسری حدیث میں اہل و عیال پر خرچ کردہ دینار کو ''افضل دینار'' قرار دیا۔ فرمایا:

«أَفْضَلُ دِينَارٍ يُنْفِقُهُ الرَّجُلُ، دِينَارٌ يُنْفِقُهُ عَلٰى عِيَالِهِ»[1]

''سب سے افضل دینار، جو آدمی خرچ کرے، وہ دینار ہے جو وہ اپنے اہل و عیال پر خرچ کرے۔''

انسان اگر اس نیت سے کمائے کہ میں نے وہ فریضہ ادا کرنا ہے جو اللہ نے مجھ پر بیوی بچوں کے نان نفقہ کے بارے میں عائد کیا ہے اور اس میں صرف حلال ذرائع ہی اختیار کرے، تو اس کا یہ کمانا اور اہل و عیال کو کھلانا سب صدقہ (نیکی ہی نیکی) بن جاتا ہے۔

«إِنَّ الْمُسْلِمَ إِذَا أَنْفَقَ عَلَى أَهْلِهِ نَفَقَةً، وَهُوَ يَحْتَسِبُهَا، كَانَتْ لَهُ صَدَقَةً»[2]

''مسلمان جب ثواب کی نیت سے اپنے بیوی بچوں پر خرچ کرتا ہے تو وہ سب صدقہ (نیکی) بن جاتا ہے۔''

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ بیوی بچوں کی کفالت کی ساری ذمے داری مرد کی ہے عورت اس سے یکسر فارغ ہے۔ اس لیے کسی مرد کو بھی اپنی بیوی کو ملازمت اور محنت مزدوری کے لیے مجبور نہیں کرنا چاہیے۔ اللہ نے اس کو گھر کی ملکہ بنایا ہے، اس کے اس اعزاز کو برقرار رکھا جائے، لوگوں کی ناز برداری کروا کر یا افسروں کا حاشیہ بردار بنا کر اس

[1] صحيح مسلم :كتاب الزّكاة، باب فضل النّفقة على العيال والمملوك، حدى حديث: 994

[2] صحيح مسلم :كتاب الزكاة، باب فضل النفقة والصدقة على الأقربين، حديث: 1002

کی بے توقیری نہ کی جائے اور نہ اس کو گھر سے نکال کر اس کی عصمت وتقدس کو خطرے میں ڈالا جائے۔

عورت کی عزت جس طرح گھر کے اندر رہنے میں ہے، اسی طرح مرد کی عزت گھر سے باہر نکل کر کسب معاش کے لیے محنت وجدوجہد کرنے میں ہے۔

جو مرد نکھٹو بن کر گھر میں بیٹھے رہتے ہیں یا دوستوں کے ساتھ گپ شپ ہی کو مقصد زندگی بنائے رکھتے ہیں اور اہل وعیال کے نان نفقہ کی ذمے داری سے غافل رہتے ہیں جس کی وجہ سے مجبوراً عورت کو اپنا اور بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے در در کی ٹھوکریں کھانی پڑتی ہیں یا پھر اپنے میکے کے سہارے زندگی گزارنے پر مجبور ہوتی ہے، ظاہر بات ہے ایسے مردوں کا رویہ حسن معاشرت کے یکسر منافی ہے۔ حسن معاشرت کا تقاضا یہ ہے کہ مرد بہ رضا ورغبت اپنی بیوی بچوں کی کفالت کی ذمے داری بہ طریق احسن ادا کرے۔

6 خرچ میں اعتدال اور میانہ روی ضروری ہے

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اخراجات کے معاملے میں اسلام کی اعتدال پر مبنی تعلیمات کی طرف بھی کچھ اشارہ کر دیا جائے کیونکہ ہمارے معاشرے میں ہر معاملے میں افراط وتفریط کا سلسلہ عام ہے۔ معاشیات اور مالیات میں بھی یہ افراط وتفریط اکثر وبیشتر دیکھنے میں آتی ہے۔ کہیں اسراف وتبذیر ہے تو کہیں کنجوسی اور بخل کی انتہا۔ اسلام میں یہ دونوں رویے ناپسندیدہ ہیں۔

بیوی بچوں کے نان ونفقے پر کس طرح خرچ کیا جائے، اس کے لیے اسلام نے کسی حد کا تعین نہیں کیا ہے بلکہ انصاف پر مبنی ایک نہایت اہم اصول یہ بیان فرمایا ہے۔:

﴿لِيُنفِقْ ذُو سَعَةٍ مِّن سَعَتِهِ ۖ وَمَن قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ فَلْيُنفِقْ مِمَّا آتَاهُ اللَّهُ﴾ [الطلاق 7]

''خوش حال آدمی اپنی خوش حالی کے مطابق (بیوی بچوں پر) خرچ کرے اور جسے رزق کم دیا گیا ہو، وہ اس مال میں سے خرچ کرے جو اللہ نے اسے دیا ہے۔''

دوسرا اصول یہ بیان فرمایا ہے:

﴿وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝﴾ [الأعراف:31]

''کھاؤ پیو اور اسراف فضول خرچی نہ کرو، بلاشبہ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۝ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۝﴾ [سورۂ بنی اسرائیل 26،27]

''فضول خرچی مت کر، یقیناً فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بہت ہی ناشکرا ہے۔''

قرآن نے فضول خرچی کے لیے اسراف اور تبذیر دو لفظ استعمال کیے ہیں۔ دونوں لفظ ضرورت سے زیادہ حرچ کرنے پر بولے جاتے ہیں اس لیے دونوں کے معنی فضول خرچی کے کیے جاتے ہیں۔ بعض اس میں فرق کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں:

اسراف کے معنی ہیں، حد سے نکل جانا۔ اس لیے ہر چیز میں حد سے نکل جانا اسراف ہے۔ کھانے پینے، یعنی ضروریات زندگی پوری کرنے میں حد سے تجاوز کرنا بھی اسراف ناپسندیدہ ہے۔ ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا:

«كُلُوا وَاشْرَبُوا وَالْبَسُوا وَتَصَدَّقُوا فِي غَيْرِ اِسْرَافٍ وَلَا مَخِيلَةٍ» [1]

''کھاؤ، پیو، پہنو اور صدقہ کرو۔ البتہ دو باتوں سے گریز کرو، اسراف اور تکبر سے۔''

صدقے میں تو اسراف پسندیدہ ہونا چاہیے کیونکہ اللہ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرنا مطلوب ہے، لیکن اس حدیث میں صدقے میں بھی اسراف سے روکا گیا ہے۔ اس کا

[1] صحیح البخاری :کتاب اللباس،باب قول اللہ تعالی:قل من حرم زینة اللہ التی اخرج لعبادہ۔قبل الحدیث:5783

مطلب یہ ہے کہ جن کی آمدنی تھوڑی ہے، وہ صاحب حیثیت نہیں ہیں۔ان کے لیے حکم یہ ہے کہ وہ پہلے اپنے اہل وعیال کی ضروریات پر خرچ کریں، اس کے بعد دیگر مدات خیر پر خرچ کریں اور وہ بھی اتنی مقدار میں جس سے نفقات واجبہ متأثر نہ ہوں۔ایسے لوگوں کے لیے حکم ہے کہ وہ صدقہ بھی اپنی مالی پوزیشن کے مطابق ایک حد تک ہی کریں، اس سے تجاوز نہ کریں۔ورنہ اصحاب حیثیت کے لیے تو اجازت ہے کہ وہ جتنا چاہیں اللہ کی راہ میں خرچ کر سکتے ہیں بلکہ ان کو تو خوب اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم ہے۔

اور تبذیر کے معنی، ناجائز امور میں خرچ کرنا ہیں، چاہے تھوڑا ہی ہو۔بہر حال جائز امور میں بھی فضول خرچی کی اجازت نہیں ہے۔جب کہ ناجائز امور میں تو خرچ کرنے کی قطعاً اجازت ہی نہیں ہے۔

فضول خرچی سے ممانعت، افراط کی ممانعت ہے جو ہمارے معاشرے میں زندگی کے ہر شعبے میں عام ہے بلکہ یہ افراط (فضول خرچی) ہمارا قومی شعار بن چکی ہے۔

اس کے مقابلے میں تفریط (کوتاہی) ہے یعنی ضرورت کے مطابق بھی خرچ نہ کرنا بلکہ تنگ دلی، کنجوسی اور بخل کا مظاہرہ کرنا۔بعض لوگ اس مرض میں بھی مبتلا ہوتے ہیں اور اس کا مظاہرہ وہ اپنے اہل وعیال کے معاملے میں بھی کرتے ہیں۔بیوی کو پورا خرچ نہ دینا، ایک ایک پائی کا اس سے حساب لینا۔یا گھریلو سامان خود لا کر دینا تو وہ پورا لا کر نہ دینا۔یا بیوی کو حسب ضرورت کچھ خریدنے کے لیے جیب خرچ بھی مہیا نہ کرنا، اخراجات کے معاملے میں بیوی پر اعتماد نہ کرنا اور معمولی معمولی اخراجات کے لیے بھی اس کا خاوند کے رحم وکرم کا محتاج ہونا، وغیرہ۔یہ ساری صورتیں بخل اور کنجوسی کی ہیں جو ناپسندیدہ ہیں۔

ایسے خاوندوں کی بیویاں جب میکے (کچھ دنوں کے لیے اپنے والدین کے ہاں) جاتی ہیں تو بالکل خالی ہاتھ جاتی ہیں، خاوند ان کو جیب خرچ دینا بھی گوارا نہیں کرتے۔ وہ والدین کے ہاں معمولی معمولی ضروریات کے لیے بھی والدین ہی سے رقم لینے پر مجبور ہوتی ہیں۔ والدین کے ہاں ان کی حیثیت مہمان کی ہوتی ہے اور والدین حتی الامکان حسب استطاعت اپنی مہمان بیٹیوں اور نواسے نواسیوں کی مہمان نوازی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے حتی کہ بچوں کی ضروریات کے لیے بھی کچھ خرچ کرنا پڑے تو وہ دریغ نہیں کرتے۔ لیکن ایسے خاوندوں کو سوچنا چاہیے کہ ان کا یہ رویہ اخلاقاً اور شرعاً صحیح ہے؟ آخر شادی کے بعد بیوی بچوں کے نان ونفقہ کا مکمل ذمے دار خاوند ہے۔ اس کی بیوی چند دنوں کے لیے ماں باپ کے پاس جائے تو بلا شبہ اس کو کھلانا پلانا تو مہمان نوازی کا ایک حصہ ہے اور ماں باپ یہ فریضہ نہایت خوش دلی سے ادا کرتے ہیں۔ لیکن کیا بیوی کو یا بچوں کو دوائی کی ضرورت ہو، یا بچوں کے بعض اضافی اخراجات ہوں۔ کیا ان کے لیے بھی رقم مہیا کرنا والدین کی ذمے داری ہے؟ نہیں، یقیناً نہیں۔ اس کا ذمے دار خاوند ہے۔ اگر وہ بیوی کو خالی ہاتھ میکے چھوڑ کر جاتا ہے تو یقیناً وہ کنجوسی اور بخیلی کے علاوہ بداخلاقی کا بھی مظاہرہ کرتا ہے اور اپنے سسرال پر وہ ناروا بوجھ ڈالتا ہے جس کے ذمے دار وہ نہیں ہیں، بلکہ خاوند ہے، گو وہ خاموشی سے اضافی خرچ بھی پورا کر دیں لیکن خاوند کی یہ کنجوسی اور بداخلاقی ان کے لیے بارِ خاطر ضرور بنتی ہے اور بیوی کے لیے بھی شرمندگی کا باعث، اگر بیوی حساس اور سمجھ دار ہو۔

بہرحال بعض لوگوں کا یہ رویہ کنجوسی اور بخیلی کی انتہا ہے جو حسن معاشرت، حسن اخلاق کے منافی اور شریعت سے متجاوز ہے۔

اسلام میں ان دونوں انتہاؤں کے درمیان کفایت شعاری کی تلقین ہے۔

شریعت اسلامیہ میں نہ اسراف پسندیدہ ہے اور نہ کنجوسی اور بخیلی۔ بلکہ وہ ان دونوں کے درمیان اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنے کا حکم دیتا ہے۔ وہ فضول خرچی کے مقابلے میں جزرسی اور کفایت شعاری کو پسند کرتا ہے لیکن کفایت شعاری کا مطلب بخل نہیں، بلکہ حد سے تجاوز نہ کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً إِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝٢٩﴾

''اور نہ رکھ تو اپنا ہاتھ اپنی گردن کے ساتھ بندھا ہوا اور نہ اسے کھول دے بالکل کھول دینا، کہ تو بیٹھ رہے ملامت کیا ہوا، تھکا ماندہ۔'' [بنی اسرائیل 29:17]

اس آیت کی تفسیر ''احسن البیان'' میں درج ذیل الفاظ میں کی گئی ہے:

''اس میں انفاق (خرچ کرنے) کا ادب بیان کیا جا رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان نہ بخل کرے کہ اپنی اور اپنے اہل عیال کی ضروریات پر بھی خرچ نہ کرے اور دیگر مالی حقوق واجبہ بھی ادا نہ کرے۔ اور نہ فضول خرچی ہی کرے کہ اپنی وسعت اور گنجائش دیکھے بغیر ہی بے دریغ خرچ کرتا رہے۔ بخل کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان ملوم یعنی قابل ملامت و مذمت قرار پائے گا اور فضول خرچی کے نتیجے میں محسور (تھکا ماندہ اور پچھتانے والا)۔

محسور، اسے کہتے ہیں جو چلنے سے عاجز آچکا ہو، فضول خرچی کرنے والا بھی بالآخر خالی ہاتھ ہو کر بیٹھ جاتا ہے۔

اپنے ہاتھ کو اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھ۔ یہ کنایہ ہے بخل سے۔ اور نہ اسے بالکل ہی کھول دے۔ یہ کنایہ ہے فضول خرچی سے۔''[1]

---

[1] تفسیر احسن البیان، مذکورہ آیت۔

7 بیوی کے لیے مناسب تفریحی مواقع فراہم کرنا

بیوی کے ساتھ خوش طبعی اور اس کی تفریحِ طبع کے مواقع پیدا کرنا، یہ بھی حسن معاشرت کا ایک حصہ ہے۔ لیکن اس کا سر و سامان بھی شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے ہی کرنا ہے نہ کہ اس سے تجاوز کر کے، نیز اپنی وسعت کے مطابق نہ کہ اس سے بڑھ کر، جس سے وہ خود زیر بار ہو جائے۔

جیسے آج کل ٹی وی ڈراموں، فلموں اور تھیٹر کے فحش مزاحیہ ڈراموں کو تفریح کا سامان سمجھا جاتا ہے، اس کے لیے گھروں میں ٹی وی، وی سی آر اور کیبل اور نیٹ وغیرہ کا انتظام کیا جاتا ہے یا سینماؤں یا تھیٹر ہالوں (الحمراء وغیرہ) کا رخ کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ سب شیطانی تفریح ہے کیونکہ ان میں قدم قدم پر شریعت سے تجاوز ہے، ان میں ہیجان انگیز جنسی مناظر اور حرکات سے شہوانی جذبات کو بھڑکایا جاتا ہے، فحاشی و عریانی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے اور مرد و زن کا بے باکانہ اختلاط ہوتا ہے اور اس طرح کی متعدد قباحتوں اور غیر شرعی حرکتوں کا وہاں ارتکاب ہوتا ہے۔

شریعت کی نظر میں مذکورہ چیزیں ''تفریح طبع'' کا نہیں، خباثت و کثافت اور شیطنت کی مظہر ہیں، ان سے بے حیائی، فحاشی اور مغرب کی حیا باختہ تہذیب کا فروغ ہو رہا ہے۔ اس لیے ان کا گھروں میں رکھنا جرم عظیم ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دنیا و آخرت میں شدید وعید بیان فرمائی ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَن تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ [النور19]

''جو لوگ اہل ایمان میں بے حیائی پھیلنے کو پسند کرتے ہیں، ان کے لیے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے۔''

جب بے حیائی کے پھیلنے کو پسند کرنے والوں کے لئے اتنی سخت وعید ہے تو جو خود اپنے گھر والوں میں اس کو پھیلانے کے ذمہ دار ہیں وہ کتنی سخت وعید کے مستحق ہونگے؟اسی طرح دوردراز کی تفریحی مقامات پر بیوی بچوں کو لے جانا بھی ہر کسی کے بس کا کام نہیں۔ یہ تفریح صرف وہ لوگ برداشت کرسکتے ہیں جن کے پاس وسائل کی فراوانی ہے، ایسے لوگ بیوی بچوں سمیت ایسے مقامات پر جاسکتے ہیں اور وہاں شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے وہاں کے حسین قدرتی مناظر اورروح افروز شادابی سے لطف اندوز ہوسکتے ہیں۔

اور جو وسائل فراواں سے محروم ہیں، وہ مقامی باغات اور تفریح گاہوں میں حسب ضرورت جاسکتے ہیں۔ علاوہ ازیں اور بھی جو مناسب تفریح کے مواقع اور طریقے ہیں، انھیں اختیار کیا جاسکتا ہے جس کے بعض نمونے ہمیں اسوۂ رسول میں بھی ملتے ہیں۔ جیسے رسول اللہ ﷺ کی خوش مزاجی اور خوش طبعی کی ایک مثال یہ ملتی ہے کہ ایک مرتبہ سفر میں (رسول اللہ ﷺ کو کچھ تنہائی میسر آئی تو) آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ کیا، حضرت عائشہ فرماتی ہیں:

''رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک یا خیبر سے واپس تشریف لائے تو میرے طاقچے کے آگے پردہ پڑا ہوا تھا، ہوا چلی تو اس نے پردے کا ایک حصہ ظاہر کردیا جس سے (طاقچے میں پڑے ہوئے) میرے کھلونے اور گڑیاں نظر آنے لگیں، آپ نے پوچھا: عائشہ! یہ کیا ہے؟ میں نے کہا: یہ میری گڑیاں ہیں۔آپ نے ان میں کپڑے کا ایک گھوڑا بھی دیکھا جس کے دو پر تھے، آپ نے پوچھا: یہ کیا ہے جو میں ان کے درمیان دیکھ رہا ہوں؟ میں نے کہا: یہ گھوڑا ہے۔آپ نے پوچھا: ''اوراس کے اوپر کیا ہے؟'' میں نے کہا: اس کے دو پر ہیں۔آپ نے کہا: ''کیا گھوڑے کے بھی پر ہوتے ہیں؟'' عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آپ نے سنا نہیں کہ

حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑوں کے پر تھے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: (یہ سن کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر ہنسے کہ میں نے آپ کی ڈاڑھیں دیکھیں۔'' [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا چونکہ صغیر السن (کم سن) تھیں، اس لیے چھوٹی عمر کی بچیوں میں کھلونوں کے ساتھ (بالخصوص گڑے، گڑیاؤں کے ساتھ) جو رغبت ہوتی ہے، وہ محتاج بیان نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اندر بھی یہ رغبت اور شوق تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے مزاج وطبیعت کے مطابق ان کھلونوں پر کبھی کوئی اعتراض نہیں فرمایا اور ان کو ان کے ساتھ کھیلنے اور گھر میں رکھنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ نیز محلے کی بچیاں بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آکر کھیلا کرتی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر کوئی اعتراض نہیں فرمایا، خصوصاً عید اور خوشی کے موقع پر، اور وہ آکر قومی گیت بھی گایا کرتی تھیں۔ [2]

اس سے معلوم ہوا کہ بیوی کے مزاج و مذاق کے مطابق تفریح کی اشیاء بیوی کی دلجوئی اور دل داری کے لیے گھر میں رکھی جاسکتی ہیں بشرطیکہ شریعت میں ان کی اجازت ہو۔

دوسری بات اس سے یہ معلوم ہوئی کہ بچیاں اپنے ہاتھوں سے کھیل کود کے طور پر کپڑے کی جو گڑیاں بناتی ہیں، وہ جائز ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے منع نہیں فرمایا۔ البتہ آج کل جو مشینی گڑیاں (پلاسٹک وغیرہ کی) نکل آئی ہیں۔ جن میں سے بعض میں میوزک بھی لگا ہوتا ہے۔ نیز ان سے چھوٹے بچے کھیلتے ہی نہیں، بلکہ ان کو شوپیس کے طور پر شوکیسوں میں بطور سجاوٹ کے بھی رکھا جاتا ہے، ان کا جواز محل نظر ہے کیونکہ ہاتھ کی بنی ہوئی بے ہنگم سی گڑیا اور مشینی گڑیا، ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے، اول الذکر کے جواز سے ثانی الذکر کا جواز ثابت نہیں ہوسکتا، نہ ایک کو دوسرے پر قیاس ہی کیا جاسکتا ہے۔

[1] سنن أبي داود: كتاب الأدب، باب في اللَّعب بالبنات حديث: 4932

[2] صحيح البخاري: كتاب الصلاة، باب الحراب والدرق يوم العيد، حديث: 949

اسی طرح خوشی کے موقع پر چھوٹی بچیاں ایسے گیت بھی گا سکتی ہیں جن میں آباء واجداد کی خدمات اور کارناموں کا تذکرہ ہو۔ کم سن (صغیر السن) بیویوں میں کھیل کود کی جو رغبت ہوتی ہے، اس کا ایک اور واقعہ احادیث میں ملتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس ذوق اور شوق کی کس طرح رعایت فرمائی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''عید کا دن تھا، حبشی مسجد نبوی میں (ایک جنگی گتکہ بازی (کھیل، کرتب) اور نیزہ بازی کر رہے تھے، آپ نے مجھ سے پوچھا: تو اس کھیل کو دیکھنا پسند کرتی ہے؟'' میں نے کہا: ہاں۔ پس آپ نے مجھے اپنے پیچھے کھڑا کر لیا، میرا رخسار آپ کے رخسار پر تھا (کیونکہ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو پیچھے سے کاندھوں پر اٹھایا ہوا تھا) اور آپ کرتب بازوں کو فرماتے تھے۔

«دُونَكُمْ يَا بَنِي أَرْفِدَةَ»

''شاباش، اے بنو ارفدہ (یہ حبشیوں کا لقب ہے)۔''

(دُونَكُمْ، کلمۂ ترغیب ہے، یعنی آپ ان کو ہلاشیری دیتے تھے کہ کھیلو، خوب کھیلو)۔

یہاں تک کہ جب میں تھک گئی، تو پوچھا: ''بس'' میں نے کہا: ہاں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے اس طرز عمل کہ جب تک میں خود نہیں تھک گئی آپ نے مجھے اپنی چادر سے پردہ کیے ہوئے اپنے کاندھے پر اٹھائے رکھا اور اپنے کھیل کود دیکھنے کے شوق پر اس طرح تبصرہ فرمایا:

«فَاقْدُرُوا قَدْرَ الْجَارِيَةِ الْحَدِيثَةِ السِّنِّ الْحَرِيصَةِ عَلَى اللَّهْوِ» [1]

''تم اس نوعمر لڑکی کا اندازہ کرو جو کھیل کود دیکھنے کی اتنی شوقین ہے۔''

[1] صحيح البخاري: كتاب النكاح، باب نظر المرأة إلى الحبش ونحوهم من غير ريبة، حديث: 5236، 950، 454

اس واقعے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر بیوی کم سن ہو تو خاوند کو خاص طور پر اس کی دل داری اور دل جوئی کا اور اس کی دلچسپی کے سامان کا اہتمام کرنا چاہیے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مردوں کے ایسے کھیل، جن کا جواز شریعت نے تسلیم کیا ہے، ان کا دیکھنا عورتوں کے لیے جائز ہے، بشرطیکہ پردے کے تقاضے مجروح نہ ہوں۔

آج کل کرکٹ، ہاکی وغیرہ، جن کے بڑے بڑے میچ اور مقابلے ہوتے ہیں اور پوری قوم کو ان کو دیکھنے کا بخار چڑھا ہوتا اور ان کے نتیجے کا نہایت بے چینی سے انتظار ہوتا ہے، یہ کھیل سراسر ناجائز ہیں جن میں بے پناہ قومی وسائل ضائع کیے جاتے ہیں اور وقت کا ضیاع الگ۔ ان کا نہ کھیلنا جائز ہے اور نہ دیکھنا، سننا۔ نہ مردوں کے لیے اور نہ عورتوں بچوں کے لیے۔

اسلام میں صرف وہ کھیل جائز ہیں جن میں جنگی تربیت کا سامان ہو، جیسے گھوڑوں کا مقابلہ، نیزہ بازی، وغیرہ۔ انھی کھیلوں میں ایک کھیل بیوی کے ساتھ ملاعبت ہے یعنی اس کے ساتھ دل لگی اور پر لطف ہنسی مذاق، جس سے معاشرتی زندگی میں حسن اور خوش گواری پیدا ہو۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی زبان مبارک سے اہلیہ کے ساتھ حسن معاشرت کی تمثیل

صحیح بخاری میں گیارہ عورتوں کا ایک واقعہ بیان ہوا ہے کہ وہ ایک جگہ جمع تھیں، انھوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا: ہر عورت اپنے اپنے خاوند کی صحیح صحیح تفصیل بیان کرے کہ وہ اخلاق و کردار کا کیسا ہے اور بیوی کے ساتھ اس کا رویہ کیسا ہے؟ تو ہر عورت نے اپنے اپنے خاوند کی بابت نہایت اختصار سے تفصیل بیان کی، ان میں ایک عورت ام زرع تھی، اس نے اپنے خاوند ابو زرع کی بابت جو وضاحت کی اس میں اس کے خاوند اور اس کے بچوں وغیرہ کا کردار سب سے بہتر تھا، نبی ﷺ نے سب کی تفصیلات سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: «كُنْتُ لَكِ كَأَبِي زَرْعٍ لِأُمِّ زَرْعٍ»[1]

''میں تیرے لیے ایسا خاوند ہوں جیسے ابو زرع ام زرع کے لیے تھا۔''

[1] صحيح البخاري: كتاب النكاح، باب حسن المعاشرة مع الأهل، حديث: 5189

8 بیوی کے ساتھ ظلم وزیادتی کا معاملہ نہ کرے

عورت خلقی اور جسمانی اعتبار سے مرد سے کمزور ہے، اسی لیے اسے صنف نازک سے تعبیر کیا جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے انھیں ایک مرتبہ قواریر (آبگینے) قرار دیا ہے۔[1] آبگینہ (شیشہ) بھی نہایت نازک ہوتا ہے۔

مرد اس کے مقابلے میں قوی الجثہ بھی ہے اور زیادہ ذہنی و دماغی صلاحیتوں کا حامل بھی۔ اسی لیے گھر کی قوّامیت (حاکمیت) اسی کو عطا کی گئی ہے کیونکہ حاکمیت کے لیے قوت و طاقت بھی ضروری ہے اور ذہنی و دماغی صلاحیتوں کی فراوانی بھی۔ لیکن اس طاقت کا مطلب، کمزوروں پر دست درازی کرنا نہیں ہے بلکہ صبر وضبط کا مظاہرہ اور رحم و کرم کا معاملہ کرنا ہے۔

مردوں کی ایک معتد بہ تعداد اپنی اس خداداد طاقت کا غلط استعمال کرتی اور عورتوں پر ظلم وزیادتی کا ارتکاب کرتی ہے حالانکہ ظلم وزیادتی کا ارتکاب حسن معاشرت کے منافی ہے جب کہ حکم بیوی کے ساتھ حسن معاشرت (اچھا سلوک کرنے) کا ہے۔

ظلم کی کئی صورتیں ہیں۔ مثلاً:

❀ اس کے نان ونفقہ، یعنی ضروریات زندگی مہیا کرنے میں کوتاہی کرنا۔

❀ اپنے اختیارات کا ناجائز استعمال کرتے ہوئے عورت پر ناروا پابندیاں لگانا، جیسے تو اپنے میکے نہیں جاسکتی، فلاں سے میل ملاپ نہیں رکھ سکتی، اس طرح کی دیگر پابندیاں جن کا شرعاً جواز نہ ہو۔

---

[1] صحيح البخاري: كتاب الأدب، باب ما يجوز من الشعر والرجز والحداء وما يكره منه، حديث: 6149

❀ لڑکیوں کی مسلسل پیدائش پر، جس میں مرد کی طرح وہ بھی بے اختیار ہے، طلاق کی دھمکی دینا، یا اس کو اچھا نہ سمجھنا، اس کی بے عزتی کرنا، وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ لڑکے یا لڑکیاں دینا، یہ مکمل طور پر اللہ کے اختیار میں ہے، کسی انسان کی خواہش یا کوشش کا اس میں دخل نہیں۔ اس کے باوجود صرف عورت ہی کو اس کا ذمے دار ٹھہرا کر اس کو طعن و تشنیع کا اور ظلم و زیادتی کا ہدف (نشانہ) بنانا حماقت بھی ہے اور ظلم کا ارتکاب بھی۔

❀ ایک ظلم یہ بھی ہے کہ مرد بعض دفعہ ناراض ہو کر بیوی سے بول چال بند کر دیتا ہے، یا اس سے جنسی تعلق قائم نہیں کرتا، یا اس کے اور بعض حقوق ادا نہیں کرتا، یا اس کی بابت قسم کھا لیتا ہے۔ ظاہر بات ہے ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے خاوند کی یہ بے رخی یا بائیکاٹ عورت کے لیے ناقابل برداشت ہے، شریعت اس ظلم کی کس طرح اجازت دے سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اس کی بابت قرآن مجید میں فرمایا ہے:

﴿لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٢٦﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٢٧﴾﴾

''جو لوگ اپنی بیویوں کے پاس نہ جانے کی قسم کھا لیتے ہیں، ان کے لیے چار مہینے کی مہلت ہے، اگر وہ رجوع کر لیں تو اللہ بہت بخشنے والا، نہایت مہربان ہے اور اگر وہ طلاق کا عزم کر لیں تو اللہ بہت سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔'' (البقرہ 2:226، 227)

اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں قطع تعلقی کی زیادہ سے زیادہ مدت کا تعین فرما دیا ہے، اور وہ چار مہینے ہے، اس کے اندر اندر وہ اپنا تعلق بحال کر لے ورنہ اس کے بعد اس کو طلاق دینی ہوگی۔ اس آیت کی تفسیر حسب ذیل ہے:

''ایلاء'' کے معنی قسم کھانے کے ہیں، یعنی کوئی شوہر اگر قسم کھا لے کہ میں اپنی بیوی

سے ایک مہینہ یا دو مہینے (مثال کے طور پر) تعلق نہیں رکھوں گا۔ پھر قسم کی مدت پوری کر کے تعلق قائم کر لیتا ہے تو کوئی کفارہ نہیں۔ ہاں اگر مدت پوری ہونے سے قبل تعلق قائم کرے گا تو کفارۂ قسم ادا کرنا ہوگا۔ اور اگر چار مہینے سے زیادہ مدت کے لیے یا مدت کے تعین کے بغیر قسم کھاتا ہے تو اس آیت میں ایسے لوگوں کے لیے مدت کا تعین کر دیا گیا ہے کہ وہ چار مہینے گزرنے کے بعد یا تو بیوی سے تعلق قائم کر لیں یا پھر اسے طلاق دے دیں۔ (اسے چار مہینے سے زیادہ معلق رکھنے کی اجازت نہیں ہے) پہلی صورت میں (تعلق قائم کرنے) میں اسے کفارۂ قسم ادا کرنا ہوگا۔ اگر دونوں میں سے کوئی صورت اختیار نہیں کرے گا تو عدالت اس کو دونوں میں سے کسی ایک بات کو اختیار کرنے پر مجبور کرے گی کہ اس سے تعلق قائم کرے یا طلاق دے۔ تاکہ عورت پر ظلم نہ ہو۔'' [1]

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام میں عورت کے ساتھ کسی بھی قسم کا بائیکاٹ کر کے اس کو ذہنی اذیت میں مبتلا کرنے کی اجازت نہیں ہے، کیونکہ یہ عورت پر ظلم ہے۔ اگر غصے یا ناراضی میں خاوند ایسی کوئی بات کر بیٹھے تو اس کو زیادہ طول نہ دے بلکہ اس کو جلد از جلد ختم کر کے اپنا تعلق بحال کر لے، اگر وہ ایسا نہیں کرے گا تو ایک متعینہ مدت کے بعد بذریعۂ عدالت عورت کو اس ظلم سے نجات دلوائی جائے گی۔

❁ ایک ظلم زمانۂ جاہلیت میں عورتوں پر یہ کیا جاتا تھا کہ نہ ان کو صحیح طریقے سے آباد کیا جاتا تھا اور نہ طلاق دے کر ان کو آزاد کیا جاتا تھا، مرد عورت کو طلاق دیتا اور عدت گزرنے سے قبل رجوع کر لیتا، اور جس عورت کو تنگ کرنا اور اس کی زندگی کو اجیرن بنائے رکھنا مقصود ہوتا تو وہ عمر بھر اسی طرح طلاق دے دے کر رجوع کرتا رہتا۔

---

[1] تفسیر احسن البیان، طبع دار السلام، لاہور، بحوالہ تفسیر ابن کثیر،

اسلام نے اس ظلم کا سد باب کرنے کے لیے ایسی طلاق کی، جس کے بعد عدت کے اندر رجوع جائز ہے، تعداد مقرر فرمادی کہ وہ صرف دو مرتبہ ہے۔ ﴿اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ﴾ [البقرۃ2:229] یعنی زیادہ سے زیادہ دو مرتبہ طلاق دے کر (عدت کے اندر) رجوع کیا جا سکتا ہے، دو مرتبہ حق طلاق استعمال کرنے کے بعد تیسری مرتبہ طلاق دی جائے گی تو رجوع اور صلح کا حق ختم، اور ہمیشہ کے لیے جدائی، "حتی تنکح زوجا غیرہ"۔

دوسری نصیحت مسلمانوں کو یہ فرمائی گئی کہ طلاق دینے کے بعد اگر رجوع اور صلح کی ضرورت ہو (جس کا اللہ نے دو مرتبہ موقع عطا فرمایا ہے) تو اس رجوع کا مقصد عورت کو تنگ کرنا، اس کو نقصان پہنچانا اور اس کے ساتھ زیادتی کرنا نہ ہو بلکہ خوش اسلوبی کے ساتھ اس کو آباد کرنا ہو۔

﴿وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا﴾ [البقرۃ231]

"(طلاق دینے کے بعد عدت گزرنے سے قبل اگر تم ان کو روکو یعنی صلح کرلو) تو تم ان کو نقصان پہنچانے کے لیے نہ روکو تاکہ تم ان سے زیادتی کرو اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ یقیناً اپنے آپ ہی پر ظلم کرے گا اور تم اللہ کی آیتوں کو ہنسی مذاق نہ بناؤ"

کتنی سخت وعید ہے کہ ایسے مردوں کے لیے جو طلاق دے کر رجوع تو کرلیں لیکن بیوی کے حقوق ادا نہ کریں اور ان کے ساتھ ظلم و زیادتی کا رویہ جاری رکھیں۔ یہ ان کا اپنے نفس پر بھی ظلم ہے (کہ اس کو اللہ کے عذاب کا مستحق بنا رہے ہیں)۔ اور اللہ کے احکام کے ساتھ استہزاء و مذاق بھی ہے اور اس پر بھی وہ اللہ کی سزا کے مستوجب قرار پا سکتے ہیں۔

9 عدل وانصاف کی تاکید

حسن معاشرت کے تقاضے عدل وانصاف کے اہتمام کے بغیر پورے نہیں ہوسکتے۔ اوراس کی دوموقعوں پرخاص طور پر بڑی ضرورت ہوتی ہے۔

ایک جب کہ مشترکہ خاندان (جوائنٹ فیملی سسٹم) میں رہائش ہو۔اپنے بیوی بچوں کے ساتھ دوسرے بہن بھائی، ان کی اولاد اور والدین سب ایک ہی مکان میں رہتے ہوں۔وہاں بہن بھائیوں اور والدین کے حقوق کے ساتھ اپنی بیوی کا حق اس طرح ادا کرنا کہ نہ اس کے ساتھ کوئی زیادتی ہواور نہ بہن بھائیوں اور والدین کو یہ شکایت ہو کہ ان کے حقوق میں کوتاہی ہورہی ہے۔

ایک شخص نے نبی ﷺ سے پوچھا: ہم میں سے کسی شخص کی بیوی کا اس پر کیاحق ہے؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«أَنْ تُطْعِمَهَا إِذَا طَعِمْتَ وَتَكْسُوها إِذَا اكْتَسَيْتَ أَوِاكْتَسَبْتَ، وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ، وَلَا تُقَبِّحْ، وَلَا تَهْجُرْ إِلَّا فِي الْبَيْتِ» [1]

''جب تو کھائے، اسے کھلا، جب تو پہنے اسے پہنا، اس کے چہرے پر نہ مار، اسے برا بھلا نہ کہہ اوراس سے علیحدگی اختیار کرنی پڑے تو گھر کے اندر ہی کر۔''

اس حدیث پر صحیح معنوں میں عمل کرنا ہے، چاہے میاں بیوی علیحدہ ایک مکان میں رہتے ہوں یا مشترکہ خاندان کی صورت میں ایک مکان میں۔دونوں صورتوں میں سب کے حقوق کے ساتھ بیوی کے ساتھ بھی حسن سلوک کے تقاضے مکمل طور پرادا کرے۔

ہمارے معاشرے میں فیملی جوائنٹ سسٹم میں بھاوج نندوں اورساس بہو کا مسئلہ بڑا

---

[1] سنن أبي داود: كتاب النكاح، باب في حق المرأة على زوجها، حديث: 2142

گھمبیر ہے لیکن اگر بیوی سُگھڑ یعنی سلیقہ مند ہو اور وہ بڑوں کا ادب اور چھوٹوں پر شفقت کے اصول کو اپنائے رکھے، اسی طرح گھر کے بڑے بھی بہو کو بیٹی والا پیار اور شفقت دیں، نندیں اس کو اپنی بہن والی حیثیت دیں۔ نیز خاوند بھی نہایت سوجھ بوجھ اور حکمت عملی کے ساتھ سب کو اپنے اپنے مقام پر رکھتے ہوئے سب کے حقوق کا خیال رکھے، نہ بڑوں کے کہنے پر بیوی کے حقوق میں کوتاہی کرے اور نہ بیوی کی محبت میں والدین کے ادب واحترام یا ان کے حقوق میں کوتاہی کرے، تو وہ گھر روایتی جھگڑوں سے محفوظ اور جنت نظیر بن جاتا ہے اور ایسا تب ہی ہوتا ہے جب خاوند سمیت چھوٹے بڑے سب حسن معاشرت (اچھے رویے) کا اہتمام کریں۔

دوسرا اہم موقع عدل وانصاف کرنے کا وہ ہے جب ایک شخص کی ایک سے زیادہ بیویاں ہوں، دو ہوں یا تین یا چار۔ ایسی صورت میں خاوند کے لیے عدل وانصاف کرنا پل صراط سے گزرنے کی طرح نہایت مشکل ہوتا ہے۔

لیکن شریعت نے جہاں کسی معقول ضرورت کی وجہ سے ایک سے زیادہ چار بیویوں تک کی اجازت دی ہے (نہ کہ حکم) وہاں دوسری طرف ان کے درمیان عدل وانصاف اور مساوات کا بھی بڑی سختی کے ساتھ حکم دیا ہے، بصورت دیگر ایک ہی بیوی پر قناعت کرنے کی تاکید کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً﴾ [النساء 3]

''اگر تمھیں اندیشہ ہو کہ تم انصاف نہیں کر سکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کے ساتھ گزارا کرو۔''

گویا ایک سے زیادہ بیوی کی اجازت مشروط ہے عدل وانصاف کے ساتھ۔اگر یہ شرط پوری نہیں کرسکتے تو دوسری عورت سے نکاح کرنے کی بھی اجازت نہیں ہے۔

ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو ظاہر بات ہے کہ فطری طور پر خاوند کا دلی میلان کسی ایک کی طرف زیادہ ہوگا، یہ دل کا معاملہ ہے جس پر کسی کا اختیار نہیں ہے، لیکن کسی ایک بیوی کی محبت کا دل میں زیادہ ہونا یہ قابل گرفت ہے نہ عدل کے خلاف، بشرطیکہ یہ زیادہ محبت اس کو عدل وانصاف کے تقاضوں سے نہ روکے۔

عدل وانصاف اور مساوات کے حکم کی رو سے خاوند تمام بیویوں کے ساتھ لباس، خوراک اور دیگر ضروریات زندگی میں ان کے درمیان امتیاز نہیں کرتا، سب کے ساتھ یکساں سلوک کرتا اور سب کو ایک سی سہولتیں مہیا کرتا ہے۔ اسی طرح میاں بیوی کے خصوصی تعلقات کی ادائیگی میں بھی مساوات کا اہتمام کرتا ہے۔سب کے پاس باری باری جاتا ہے، کسی کی باری پر اس کو محروم کرکے دوسری کے پاس نہیں جاتا۔اس کے اس ظاہری انصاف سے عدل ومساوات کے وہ تقاضے یقیناً پورے ہوجاتے ہیں۔ جو شرعاً مطلوب ہیں، چاہے اس کے دل میں کسی ایک بیوی کی محبت زیادہ ہی ہو۔لیکن محبت کی اس زیادتی نے اس کو دوسری بیوی یا بیویوں کی حق تلفی پر مجبور نہیں کیا تو پھر یہ زیادتیٔ محبت عنداللہ مذموم نہیں ہوگی کیونکہ یہ دل کا معاملہ ہے اور دل میں سب بیویوں کی محبت یکساں نہیں ہوسکتی، تو جو چیز انسان کے اختیار سے باہر ہو، اس پر عنداللہ مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ نبی ﷺ کو بھی اپنی تمام ازواج مطہرات میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے زیادہ پیار تھا، اس لئے آپ نے اگرچہ باریاں بھی مقرر فرما رکھی تھیں (جس کی آپ پوری پابندی فرماتے تھے۔) اور عدل کا بھی پورا اہتمام فرماتے تھے: لیکن چونکہ دل میں محبت ایک بیوی کی زیادہ تھی، اس لیے

آپ یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

«أَللّٰهُمَّ هٰذَا قَسْمِي فِيمَا أَمْلِكُ، فَلَا تَلُمْنِي فِيمَا تَمْلِكُ وَلَا أَمْلِكُ» [1]

''یا اللہ! جن چیزوں میں میرا اختیار ہے، ان میں میں نے یہ باریاں مقرر کر رکھی ہیں۔ پس تو مجھے اس چیز پر ملامت نہ کرنا جس پر تیرا ہی اختیار ہے، میں اس میں بے اختیار ہوں۔''

زیادہ بیویوں والے خاوند کے لیے خطرناک امر جو ہے، وہ یہ ہے کہ کسی ایک بیوی کی محبت، دوسری بیویوں کی حق تلفی کا باعث بن جائے اور وہ دوسری بیوی یا بیویوں کو معلقہ بنا کر رکھ دے، نہ ان کو طلاق دے کر آزاد کرے اور نہ ان کے حقوق ادا کرے۔

اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے بھی زیادہ بیویاں رکھنے والوں کو تنبیہ فرمائی ہے:

﴿وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ﴾ [النساء 129]

''اور تم سے یہ کبھی نہ ہو سکے گا کہ تم اپنی بیویوں میں ہر طرح سے عدل کرو، خواہ تم اس کی کتنی ہی خواہش رکھو، لہٰذا تم کسی ایک ہی کی طرف پوری طرح مائل نہ ہو جاؤ کہ دوسری کو بیچ میں لٹکتی چھوڑ دو۔''

بہر حال عورت کے ساتھ ظلم اور ناانصافی کی کسی صورت میں اجازت نہیں ہے۔ ایک بیوی ہو تب بھی، ایک سے زیادہ ہو تب بھی۔ ایک سے زیادہ بیویاں رکھنا ایک بہت بڑی آزمائش ہے، بہتر ہے آدمی اس آزمائش میں نہ پڑے۔ اور اگر کسی مجبوری کی وجہ سے دوسری بیوی ناگزیر ہو تو اس رخصت سے فائدہ اٹھانا جائز ہے۔ لیکن اس شرعی رخصت سے صرف دنیوی فائدہ ہی نہ اٹھائے، آخرت کی باز پرس کا بھی خیال رکھے جہاں وہی

[1] سنن أبي داود: كتاب النكاح، باب في القسم بين النساء، حديث: 2134

شخص سرخ رو ہوگا جو عدل وانصاف کا اہتمام کرنے والا ہوگا۔

⑩ خانگی امور میں تعاون

حسن معاشرت کا ایک پہلو یہ بھی کہ مرد حسب ضرورت گھریلو امور میں بھی عورت کا ہاتھ بٹائے اور اس باہمی تعاون کو اپنے مردانہ وقار اور شان کے خلاف نہ سمجھے۔ اس سے بھی ازدواجی زندگی میں خوش گواری آئے گی۔

نبی ﷺ کی بابت آتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضرت اسود رحمہ اللہ نے پوچھا:

«مَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَصْنَعُ فِيْ بَيْتِهٖ؟»

''نبی ﷺ اپنے گھر میں کیا کرتے تھے؟'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

«كَانَ يَكُونُ فِي مِهْنَةِ أَهْلِهِ - تَعْنِي خِدْمَةَ أَهْلِهِ - فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ»[1]

''آپ گھر والوں کی خدمت میں (گھریلو امور میں تعاون) کیا کرتے تھے۔ (اس دوران میں) اگر نماز کا وقت ہو جاتا تو نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کی شرح میں شمائل ترمذی کے حوالے سے یہ حدیث نقل کی ہے، یہ بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

«مَا كَانَ إِلَّا بَشَرًا مِنَ الْبَشَرِ، يَفْلِيْ ثَوْبَهُ، وَيَحْلِبُ شَاتَهُ، وَيَخْدِمُ نَفْسَهُ» وَلِأَحْمَدَ وَابْنِ حِبَّانَ مِنْ رِوَايَةِ عُرْوَةَ عَنْ عَائِشَةَ «يَخِيطُ ثَوْبَهُ، وَيَخْصِفُ نَعْلَهُ»[2]

''آپ انسانوں میں سے ایک انسان ہی تھے، اپنے کپڑوں سے جوئیں خود ہی دیکھ لیتے، اپنی بکری کا دودھ دوہ لیتے، اپنا کام خود کر لیتے، اپنا کپڑا سی لیتے اور

[1] صحيح البخاري: كتاب الصلاة، باب من كان في حاجة أهله فأقيمت الصلاة فخرج حديث: 676

[2] فتح الباري: (2/212، 211) طبع دارالسلام

اپنی جوتی بھی گانٹھ لیتے تھے۔‘‘

یعنی ہر کام اہلیہ ہی کے سپرد نہ کرتے، بلکہ چھوٹے موٹے کام خود بھی کر لیتے اور اس کو اپنی شان کے خلاف نہ سمجھتے، جیسے آج کل کے مردوں کا شیوہ ہے۔ ہمیں سوچنا چاہیے کہ ہمارے پیغمبر اتنی عظمت و شان کے باوجود بہت سے گھریلو امور خود ہی انجام دے لیا کرتے تھے اور اس میں کسر شان نہیں سمجھتے تھے، تو آپ کے مقابلے میں ہماری کیا حیثیت ہے؟ اس اسوۂ رسول کو اپنانے میں، جس میں معاشرتی زندگی کا حسن پیدا ہوتا ہے، ہم کیوں اپنی توہین محسوس کرتے ہیں؟

(11) محبت کا بھرپور اظہار

حسن معاشرت کا ایک اہم تقاضا یہ ہے کہ جس طرح عورت کو یہ تاکیدی حکم ہے کہ مرد اس کو جب بھی اپنے پاس (خلوت میں) بلائے، وہ جس حالت میں بھی ہو، اس کی تعمیل کرے تاکہ مرد ادھر ادھر منہ نہ مارتا پھرے۔ اسی طرح مرد کی بھی ذمے داری ہے کہ وہ عورت کے ساتھ بھرپور محبت کا اظہار کرے۔ عورت کے اندر فطری طور پر شرم و حیا کا جذبہ زیادہ ہوتا ہے، سوائے چند شہوت زدہ عورتوں کے۔ اس لیے وہ جنسی جذبات کی تسکین کے لیے بہت کم مرد کے سامنے پہل کرتی ہے۔ عموماً مرد ہی پہل کرتا اور اس کو اس کام کے لیے بلاتا اور آمادہ کرتا ہے۔

اس لیے مرد کی ذمے داری ہے کہ وہ بیوی کے ساتھ از خود بھرپور محبت کا اظہار کرے تاکہ اس کے اندر کوئی تشنگی نہ رہے اور وہ کسی اور کی طرف دیکھنے پر مجبور نہ ہو۔ اس کے لیے اس کو دو طریقے اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

❶ اس کے ساتھ ہنسی مذاق اور دل لگی کے ذریعے سے اس کی دلجوئی و دل داری کا اہتمام کرتا رہے (جیسے نبی ﷺ کو موقع ملتا تو عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ کرتے، ان کو حبشیوں کے جنگی کرتب دکھا کر ان کی تفریح طبع کا سامان کرتے، ان کو گڑیوں اور چھوٹی بچیوں کے ساتھ کھیلنے کا موقع فراہم کرتے، وغیرہ وغیرہ)۔

اسی لیے ایک حدیث میں بھی نبی ﷺ نے بیوی کے ساتھ ہنسی مذاق کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ آپ نے فرمایا:

«لَيْسَ مِنَ اللَّهْوِ إِلَّا ثَلَاثٌ، تَادِيبُ الرَّجُلِ فَرَسَهُ، وَمُلَاعَبَتُهُ أَهْلَهُ وَرَمْيَهُ بِقَوْسِهِ» [1]

''کھیل تین ہی ہیں۔ انسان کا اپنے گھوڑے کو سدھانا (جنگ کے لیے تیار کرنا) دوسرا، اس کا اپنی بیوی کے ساتھ کھیلنا، (ہنسی مذاق اور دل لگی کرنا) تیسرا، اس کا اپنے تیر کمان سے تیر پھینکنے کی مشق کرنا۔''

ان میں سے دو کھیلوں کا تعلق تو جنگی تیاریوں سے ہے جس سے مقصود مسلمانوں کو ہمہ وقت جہاد کے لیے تیار رکھنا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس قسم کے با مقصد کھیلوں کے علاوہ دوسرے تمام کھیل ناجائز ہیں کیونکہ ان میں وقت کا بھی ضیاع ہے اور وسائل کا بھی ضیاع۔ البتہ ان کے علاوہ بیوی کے ساتھ ہنسی مذاق کو بھی ایک جائز کھیل تسلیم کیا گیا ہے کیونکہ اس کا بھی ایک نہایت اہم فائدہ ہے اور وہ ہے گھریلو زندگی کا خوش گوار ہونا، اس لیے شریعت نے اس کی بھی اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ نبی ﷺ نے ثیبہ (شوہر دیدہ عورت، مطلقہ یا بیوہ) کے مقابلے میں کنواری عورت سے شادی کرنے کی ترغیب دی ہے اور اس کی وجہ بھی یہ بیان فرمائی ہے

---

[1] سنن أبي داود: كتاب الجهاد، باب في الرمي، حديث: 2513

کہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ کھیلیں یعنی آپس میں دل لگی کریں اور ایک دوسرے سے وابستگی کا بھرپور اظہار کریں۔ ایک بیوہ کے ساتھ مرد اس طرح وابستگی کا اظہار نہیں کر سکتا جس طرح کنواری کے ساتھ کرتا ہے اور خود بیوہ بھی مرد کو اس طرح ٹوٹ کر نہیں چاہتی جیسے کنواری عورت سے متوقع ہوتا ہے۔

❷ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ عملی طور پر از خود بیوی سے اظہار محبت مختلف پیرایوں سے کرتا رہے، اس کا انتظار نہ کرے کہ بیوی کی طرف سے اظہار ہو۔ جیسے نبی ﷺ بعض دفعہ وضو کی حالت میں بھی اپنی اہلیہ محترمہ کا بوسہ لے لیا کرتے تھے اور پھر نماز کے لیے تشریف لے جاتے، حتیٰ کہ روزے کی حالت میں بھی بوسہ لے لیتے، اسی لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ کو اپنے جذبات پر پورا کنٹرول حاصل تھا، یعنی آپ نے دوسروں کو متنبہ فرمایا کہ بلاشبہ روزے کی حالت میں بیوی سے بوس و کنار کی اجازت ہے کیونکہ نبی ﷺ سے ایسا کرنا ثابت ہے، لیکن یہ عمل نوجوانوں کے لیے اور ایسے لوگوں کے لیے جن کو اپنے جذبات پر پورا کنٹرول نہ ہو، خطرناک بھی ہوسکتا ہے اور وہ جذبات کی رو میں بوسے کی حد سے تجاوز کر کے وہ کام کر بیٹھیں جس کا کفارہ دو مہینے کے روزے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے۔

تاہم عام حالات میں عام لوگوں کے لیے روزے کی حالت کے علاوہ دیگر حالات اور اوقات میں اظہار محبت اور تعلق خصوصی کے لیے مواقع موجود ہیں، خود رمضان میں بھی رات کو ان تمام باتوں کی اجازت ہے جن کا تعلق میاں بیوی کی خلوت سے ہے۔ غالباً اسی لیے شریعت میں یہ بھی اجازت ہے کہ حالتِ جنابت میں سحری کھا کر روزہ رکھا جا سکتا ہے۔ البتہ پھر نمازِ فجر کے لیے غسل کرنا ضروری ہے اور اس پر آسانی سے عمل کیا جا سکتا

ہے۔ یہ رخصت اسی لیے ہے کہ رمضان المبارک کی راتوں میں تعلقات زن وشوہر قائم کرنے میں کسی قسم کی دقت نہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ عبادت میں بھی ایسا غلو (زیادتی) ناپسندیدہ ہے جس سے عورت کی حق تلفی ہو اور وہ مقصد پورا نہ ہو جس کے لیے عورت سے نکاح کیا جاتا ہے، عورت ساری رات خاوند کی منتظر رہے اور میاں صاحب ساری رات نوافل اور عبادت میں گزار دیا کریں۔ حتی کہ عورت دن کے اوقات میں اس بات کی خواہش مند ہو لیکن عابد وزاہد خاوند کا دن بھی نفلی روزے میں گزرے اور وہ اس کو مستقل معمول بنالے اور عورت کو گل دستۂ طاقِ نسیاں بنادے۔ اسلام میں ایسے زہد اور عبادت کی اجازت نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کا یہ واقعہ پہلے گزر چکا ہے کہ وہ زیادہ عبادت و زہد کے اسی شوق میں بیوی کا حق ادا نہیں کرتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں یہ بات آئی تو آپ نے ان کو بلا کر پوچھا: کیا تم رات کو قیام کرتے ہو اور دن کو روزہ رکھتے ہو، کیا بات ایسے ہی ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں، ایسا ہی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس طرح مت کرو، روزہ بھی رکھو اور روزہ چھوڑ بھی دیا کرو۔ رات کو قیام بھی کرو اور سویا بھی کرو۔ اس لیے کہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔''[1]

بہر حال حسن معاشرت کا ایک نہایت اہم تقاضا یہ بھی ہے کہ عورت کو دیگر آسائشیں اور راحتیں بہم پہنچانے کے ساتھ ساتھ اس کی جنسی آسودگی کا بھی مکمل اہتمام ہو۔ حتی کہ اگر آدمی اس میں کمزوری محسوس کرے تو اس کے لیے ڈاکٹر یا حکیم کے مشورے سے مقویات

---

[1] صحيح البخاري: كتاب النكاح، باب لزوجك عليك حق، حديث: 5199

بھی استعمال کرتا رہے تاکہ عورت کو اس معاملے میں بھی تشنگی اور ناآسودگی کا احساس نہ ہو۔

⑫ عورت ہر حیثیت سے قابل احترام ہے

عورت کے ساتھ حسن معاشرت (اچھا برتاؤ کرنے) میں ان تصورات کو سامنے رکھا جائے اور ان کے مقتضیات کو سمجھنے کی کوشش کی جائے جو اسلام نے عورت کی عزت و وقار کی بحالی کے لیے بیان کیے ہیں، تو ایک انسان عورت کے ساتھ بے رحمانہ، ظالمانہ اور سنگ دلانہ سلوک کا نہ تصور کر سکتا ہے اور نہ اس کو محض لذت اندوزی کا سامان سمجھ کر اسے اس کا اصل مقام دینے سے گریز کر سکتا ہے۔

اسلام میں عورت کی صرف چار حیثیتیں ہیں، وہ ماں ہے، بہن ہے، بیٹی ہے اور بیوی ہے۔ ان میں سے ہر حیثیت سے وہ نہایت قابل احترام ہے۔

ماں ہے تو باپ سے بھی زیادہ قابل احترام ہے اسی لیے اللہ کے رسول ﷺ نے ایک صحابی کے اس سوال پر کہ میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ «مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِي» آپ نے فرمایا: ''تمہاری ماں۔'' اس نے سوال کیا، اس کے بعد کون؟ آپ نے فرمایا: تمہاری ماں، اس نے پھر پوچھا: اس کے بعد کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہاری ماں'' اس نے پھر پوچھا: اس کے بعد کون؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تمہاری ماں'' چوتھی مرتبہ سوال کرنے کے بعد فرمایا: ''تمہارا باپ۔''[1]

ماں، باپ سے بھی زیادہ حسن سلوک کی مستحق کیوں ہے؟

نبی ﷺ نے باپ کے مقابلے میں ماں کو تین مرتبہ سب سے زیادہ حسن سلوک کا مستحق

[1] صحیح بخاری: کتاب الأدب، باب من أحق الناس بحسن الصحبة، حدیث نمبر 5971

قرار دیا۔ اس کی توجیہہ میں شارحین حدیث نے فرمایا ہے کہ ماں کے زیادہ استحقاق کی تین وجوہ ہیں۔

1. نو مہینے تک حمل کی تکلیف برداشت کرنا۔
2. وضع حمل (زچگی، ڈلیوری) کے مرحلے سے گزرنا جو عورت کے لیے موت و حیات کا ایک نہایت سنگین مرحلہ ہوتا ہے۔
3. پھر دو سال تک رضاعت (بچے کو دودھ پلانا) راتوں کو اس کے لیے اٹھنا اور اس کی ضروریات اور صفائی ستھرائی کا خیال رکھنا جب کہ وہ بول کر اپنی حاجت اور تکلیف بیان نہیں کرسکتا۔

ان تینوں مراحل کی جاں گداز تکلیفوں میں مرد کا کوئی حصہ نہیں ہوتا، صرف ماں کا جذبۂ شفقت، جسے ماما کہا جاتا ہے، اسے ان تکلیفوں کو برداشت کرنے پر آمادہ کرتا ہے اور وہ ہنسی خوشی ان ذمے داریوں کو ادا کرتی ہے۔

بیوی گھر کی ملکہ اور گھر کی زینت ہے

اللہ تعالیٰ نے عورت کے اندر فطری طور پر ایسے اوصاف رکھے ہیں، جو مردوں سے مختلف ہیں، ان اوصاف کی وجہ سے وہ مذکورہ تینوں مشقتیں برداشت کر لیتی ہے، مرد عورت سے زیادہ قوت وطاقت کا مالک ہے لیکن اس کے باوجود مذکورہ مشقتیں اس کے لیے ناقابل برداشت ہیں، اس لیے مرد کی سمجھ داری کا تقاضا ہے کہ وہ عورت کی ان مشقتوں پر ہمدردی سے غور کرے، اگر وہ ایسا کرے گا تو کبھی عورت کے ساتھ ظلم و زیادتی کا معاملہ نہیں کرے گا۔

وہ سمجھ لے گا کہ میری یہ بیوی میرے بچوں کی ماں ہے اور ماں ہونے کے ناطے سے وہ ان کی خاطر وہ وہ تکلیفیں برداشت کر لیتی ہے جو میں نہیں کر سکتا۔ مزید برآں وہ میری خدمت گزار، میرے گھر کی محافظ، میری خواہشات کے خاکوں میں رنگ بھرنے والی اور مجھے سکون وراحت بہم پہنچانے والی ہے، میرے گھر کی ملکہ اور میرے گھر کی زینت ہے۔ اگر یہ میرے گھر سے نکل جائے تو گھر امن وسکون کا گہوارہ، مہر ومحبت کا مرکز اور عزت ووقار کا سنگم نہیں رہے گا بلکہ ایک بے آب وگیاہ صحرا میں تبدیل ہو جائے گا جہاں کوئی روئیدگی، شادابی اور بہجت ونشاط کی فرحت انگیزیاں نہیں ہوں گی۔ ایک جہنم کدے میں تبدیل ہو جائے گا جہاں زندگی کی رونق اور چہل پہل کے بجائے ویرانی اور جھلسا دینے والی باد سموم کا ڈیرہ ہو گا۔

عورت، بیٹی اور بہن کی حیثیت سے

بہر حال یہ گفتگو تو عورت کے ماں اور بیوی ہونے کی حیثیت سے تھی۔ لیکن جب وہ اپنے ماں باپ کے گھر میں ہوتی ہے تو وہ ان کی بیٹی اور بھائیوں کی بہن ہوتی ہے اور ان دونوں حیثیتوں میں بھی وہ محترم ہوتی ہے اور احادیث میں ان دونوں کے پالنے اور ان کی تربیت کرنے کی بڑی فضیلت وارد ہے۔ بیٹی ماں باپ کی آنکھوں کا تارا اور دلوں کا دلارا ہوتی ہے، ماں باپ اسے شہزادیوں کی طرح ناز ونعمت سے پالتے اور اسے حسن تربیت سے آراستہ کرتے ہیں اور بہن کی حیثیت سے وہ بھائیوں کی مہر ومحبت اور ہمدردیوں کا مرکز ہوتی ہے اور وہ اس کو ہر طرح کا آرام وسکون بہم پہنچانے میں والدین کے ہم دم وہم راز ہوتے ہیں۔ بیوہ اور مطلقہ ہونے کی صورت میں بھی والدین یا بھائیوں کا گھر ہی اس کی

مایوسیوں میں امیدوں کا مرکز اور تاریکیوں میں روشنی کا منبع ہوتا ہے۔

مغرب میں عورت کی ذلت وخواری

اس کے برعکس مغرب میں عورت گرل فرینڈ ہے یا کسی افسر کی سٹینوگرافر یا سیکرٹری، کسی دفتر کی کلرک ہے یا کسی کارخانے کی ورکر (مزدور) ریسپشن گرل (استقبال کرنے والی چھوکری ہے) یا ائیر ہوسٹس (فضائی میزبان، جہازوں کے مسافروں کی خدمت کرنے والی اور ان کے دلوں کو لبھانے والی) یا ہسپتالوں میں مریضوں کی دیکھ بھال کرنے والی اور اپنے افسر ڈاکٹروں کی ناز برداری کرنے والی نرس۔ ہوٹلوں میں گاہکوں کو چائے اور شراب مہیا کرنے پر مامور اور ان کی نگاہ ہوس کا شکار بننے والی خادمہ۔ بلکہ بہت سے شراب خانوں میں ٹاپ لیس سروس پر مجبور، جس میں عورت کو اپنے جسم کا بالائی حصہ عریاں رکھنا پڑتا ہے تاکہ ان کی عریانی سے مردوں کی ہوس کی تسکین ہو سکے۔

مغرب کی یہ عورت اول تو نکاح سے پہلے ہی مردوں سے جنسی تعلقات کے نتیجے میں بن بیاہی ماں بن جاتی ہے اور شادی کے بعد بھی یہ ڈانس کلبوں میں غیروں کی باہوں میں جھومتی اور جھولتی ہے۔ اس کو کبھی نہ گھر کی ملکہ کا اعزاز حاصل ہوتا ہے اور نہ معاشرے میں وہ عزت ومقام جو اسلام نے عورت کو عطا کیا ہے۔ اس کے لیے ذلت ہی ذلت ہے اور قدم قدم پر مردوں کی غلامی ومحکومی، ایک شوہر کی غلامی، جس میں اس کا مکمل احترام ہے، اس کو قید لگتی ہے اور بے شمار ہوس زدہ مردوں کی غلامی، جس میں ذلت وخواری کے سوا کچھ نہیں، یہ ہے وہ آزادئ نسواں جس کا مغرب علم بردار ہے۔

اسلام نے عورت کو ان تمام ذلتوں سے بچا کر مرد کو اس بات کا پابند بنایا ہے کہ اگر وہ

ماں ہے تو اس کی باپ سے بھی زیادہ خدمت کرو، بیٹی ہے تو ناز ونعمت سے اس کی پرورش کرو اور اس کی آرزؤں اور خواہشوں کے مطابق اس کا جیون ساتھی تلاش کر کے اس کے ساتھ اس کا نکاح کردو۔ بہن ہے تو اس کے ساتھ بھی بیٹیوں کی طرح حسن سلوک کرو اور بیوی ہے تو اس کو گھر کی ملکہ بنا کر رکھو اور اس کی تمام ضروریات گھر بیٹھے پوری کرو اور اس کے آرام و راحت کا ہر سامان مہیا کرو۔ اس کو اپنی کسی بھی ضرورت کے پورا کرنے کے لیے گھر سے باہر نکل کر کسی دفتر، کارخانے یا فیکٹری میں کام کرنے کی ضرورت ہے نہ اس کو اس کی شرعاً اجازت ہے۔ سوائے سخت مجبوری کے۔

13 عورت بھی بہ حیثیت انسان کے مرد کے برابر ہے

عورت کے بارے میں اسلام سے قبل عرب کے لوگ ہی جاہلی تصورات نہیں رکھتے تھے جس کی بنا پر عرب معاشرے میں عورت عزت ووقار سے محروم تھی بلکہ عجم میں بھی عورت کی کوئی قدر ومنزلت نہیں تھی، اس کو پیروں کی جوتی کے ساتھ تشبیہ دی جاتی تھی، یا کہا جاتا تھا کہ اس کو مردوں کی غلامی اور چاکری کے لیے پیدا کیا گیا ہے یا وہ شیطان کی ایک آلۂ کار ہے جس سے شیطان انسانوں کو گمراہ کرنے کا کام لیتا ہے، وغیرہ وغیرہ۔

اسلام نے ان تصورات کا خاتمہ کر کے اس کو عزت ووقار کا ایک نہایت اعلیٰ مقام عطا فرمایا اور اس کو بہ حیثیت انسان ہونے کے اس کی بعض امتیازی چیزں سے قطع نظر مردوں کے مساوی قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ [البقرة228]

''اور ان عورتوں کا (حق خاوندوں پر) اسی طرح ہے (جس طرح خاوندوں کا حق) ان عورتوں پر ہے اور ان مردوں کو ان پر کچھ فضیلت ہے۔''

یعنی بہ حیثیت انسان ہونے کے مرد اور عورت دونوں کے حقوق ایک جیسے ہیں جن کو پورے کرنے کے دونوں شرعاً پابند ہیں۔ نہ عورت، مرد کو انسانیت سے ماورا مقام کا حامل سمجھے کہ اس سے ایسے مطالبات کرے جن کا پورا کرنا انسانی طاقت سے بالا ہو اور نہ مرد عورت کو انسانی شرف وتکریم سے عاری مخلوق سمجھے کہ اس کے ساتھ جس طرح کا چاہے غیر انسانی سلوک کر کے اس کی عزت ووقار کو مجروح یا اس کے حقوق کو پامال کرے۔ دونوں کو شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے ہیں جو شریعت نے بتلائے ہیں۔ البتہ اس کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کو ملحوظ رکھا جائے کہ گھر کا نظام چلانے کے لیے مرد وعورت میں سے مرد کو قوّام وحاکم اور عورت کو محکوم بنایا گیا ہے کیونکہ دونوں کو یکساں طور پر اگر حاکمیت کا حق دیا جاتا تو گھر کا نظام چل ہی نہیں سکتا تھا، جیسے ایک ملک میں ایک کے بجائے دو حکمران مساوی طور پر با اختیار ہوں تو نظم مملکت قائم نہیں رہ سکتا۔ یہ نظم ایک ہی با اختیار حکمران کے ذریعے ہی قائم رہ سکتا ہے۔ اسی قوّامیت میں یہ بھی شامل ہے کہ مرد فطری قوتوں میں، جہاد کی اجازت میں، میراث کے دوگنا ہونے میں اور حقِ طلاق ورجوع (وغیرہ) میں عورت سے ممتاز ہے۔ یہی ایک گونہ وہ فضیلت ہے جو اللہ نے مرد کو عطا کی ہے جس کو قرآن کریم میں ''وللرجال علیھن درجۃ'' میں بیان کیا گیا ہے۔

یہ ایک گونہ فضیلت یا امتیاز چونکہ ناگزیر تھا اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۭ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۭ وَسْـــَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ﴾ [النساء32]

''اور اس چیز کی آرزو نہ کرو جس کے باعث اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، مردوں کا اس میں سے حصہ ہے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں

کے لیے اس میں سے حصہ ہے جو انھوں نے کمایا اور اللہ سے اس کا فضل مانگو۔''

اس آیت کی شان نزول میں بتلایا گیا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مرد جہاد میں حصہ لیتے ہیں اور شہادت پاتے ہیں، ہم عورتیں ان فضیلت والے کاموں سے محروم ہیں، ہماری میراث بھی مردوں سے نصف ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [1]

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ مردوں کو اللہ تعالیٰ نے جو جسمانی قوت و طاقت اپنی حکمت و ارادہ کے مطابق عطا کی ہے اور جس کی نبیاد پر وہ جہاد بھی کرتے ہیں اور دیگر بیرونی کاموں میں حصہ لیتے ہیں، یہ ان کے لیے اللہ کا خاص عطیہ ہے، اس کو دیکھتے ہوئے عورتوں کو مردانہ صلاحیتوں کے کام کرنے کی آرزو نہیں کرنی چاہیے۔ البتہ اللہ کی اطاعت اور نیکی کے کاموں میں خوب حصہ لینا چاہیے اور اس میدان میں وہ جو کچھ کمائیں گی، مردوں کی طرح ان کا پورا پورا صلہ انھیں ملے گا۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرنا چاہیے کیونکہ مرد اور عورت کے درمیان، استعداد صلاحیت اور قوت کار کا جو فرق ہے، وہ تو اللہ تعالیٰ کا ایک اٹل فیصلہ ہے جو محض آرزو سے تبدیل نہیں ہوسکتا، البتہ اس کے فضل سے کسب ومحنت میں رہ جانے والی کمی کا ازالہ ہوسکتا ہے۔ [2]

مرد کے بعض صلاحیتوں اور خصوصیات میں ممتاز ہونے کی حکمتیں

مرد اور عورت کے درمیان جو چند امتیازی چیزیں ہیں، اس کی ایک وجہ تو فطری صلاحیتوں کا وہ فرق ہے جو اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے درمیان رکھا ہے جسے دنیا کی کوئی

---

[1] مسند أحمد: (322/6)

[2] تفسیر احسن البیان تفسیر سورہ نساء آیت32

طاقت ختم نہیں کرسکتی، کیونکہ اس کی وجہ وہ تخلیقی مقاصد ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف ہیں جن کی بنیاد پر عورت کا دائرۂ کار گھر کی چار دیواری ہے اور مرد کا دائرۂ کار گھر سے باہر (بیرونِ دَر) کے امور ہیں۔ جن میں امور جہاں بانی، جہاد اور کسب معاش وغیرہ ہیں، عورت ان تمام ذمے داریوں سے سبکدوش ہے۔ اسی میں عورت کی عزت بھی ہے اور اس کی عصمت وتقدس کا تحفظ بھی۔

عورت کو وراثت میں حصے دار بنانا، اس میں بھی عورت کی عزت واحترام کی بحالی ہے جس سے عورت اسلام سے قبل محروم تھی، ورنہ عورت کی جو ذمے داریاں ہیں، ان میں اس کو بالعموم مال کی ضرورت نہیں ہوتی، مال کی زیادہ ضرورت مرد ہی کو رہتی ہے، اسی نے کاروبار کرنا ہے، عورت کی معاشی کفالت اسی نے کرنی ہے، حق مہر بھی اسی نے ادا کرنا ہے، ولیمہ بھی کرنا اور دیگر شادی کے اخراجات ہیں جو مرد ہی نے برداشت کرنے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی ذمے داری عورت پر نہیں ہے۔ اس لیے اس کو وراثت میں مرد کے دوگنا کے مقابلے میں ایک گنا حصے دار قرار دینا، اس کی عزت واحترام ہی کے پیش نظر ہے ورنہ اس کو مال کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

مرد کو طلاق ورجوع کا حق دینے میں بھی بڑی حکمت ہے اور وہ ہے گھر کو بربادی سے بچانا، عورت مرد کے مقابلے میں کم حوصلہ بھی ہے اور جذباتی بھی۔ اگر اس کو بھی طلاق کا حق مل جاتا تو اختلاف ونزاع کی صورت میں وہ فوراً طلاق دے کر اپنے پیروں پر کلھاڑی مار لیا کرتی اور خانماں برباد ہوجایا کرتی۔ مرد کو اللہ تعالیٰ نے زیادہ حوصلہ وہمت سے نوازا ہے اس لیے وہ زیادہ صبر وتحمل کا مظاہرہ کرتا اور گھر بربادی سے محفوظ رہتا ہے۔ اگرچہ بعض مرد جہالت اور بے شعوری کی وجہ سے صبر وتحمل کے بجائے عجلت اور عاقبت نا اندیشی کا

مظاہرہ کرتے ہوئے فوری طور پر طلاق دے دیتے ہیں اور پھر بعد میں پچھتاتے ہیں لیکن اگر عورت کو بھی حق طلاق مل جاتا تو پھر طلاق کی شرح کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

عورت کو مارنے کی رخصت اور اس کی حکمت اور مطلب

جس طرح بعض مرد جہالت کی وجہ سے عورت کے حقوق صحیح طریقے سے ادا نہیں کرتے، تو اس میں اسلام کا تو کوئی قصور نہیں، ان مردوں کا قصور ہے جو اسلام کے عطا کردہ بعض مردانہ امتیازی حقوق کا، جو نہایت حکمت پر مبنی ہیں، غلط استعمال کرتے اور اسلام کی بدنامی کا باعث بنتے ہیں، انھی میں سے یہ طلاق کا بھی حق ہے جسے بعض مرد نہایت غلط طریقے سے استعمال کرتے اور اپنا گھر اجاڑ لیتے ہیں جس کا خمیازہ عورت کے علاوہ ان کو بھی بھگتنا پڑتا ہے، بچے ہوں تو ان کو بھی۔

یا جس طرح اللہ تعالیٰ نے نشوز (عورت کی نافرمانی، سرکشی) کی صورت میں مرد کو اس کو سمجھانے کے لیے وعظ و نصیحت کرنے، اس سے بستر سے علیحدگی اختیار کرنے کے ساتھ ساتھ اس کو مارنے کی بھی اجازت ہے۔

﴿وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ﴾ [النسآء 34]

"اور جن بیویوں سے تمھیں سرکشی کا اندیشہ ہو انھیں سمجھاؤ (اگر نہ سمجھیں) تو خواب گاہوں میں ان سے الگ رہو (پھر بھی نہ سمجھیں تو) انھیں مارو۔"

تو یہ حق بھی گھر کے نظم کو برقرار رکھنے کے لیے ہے کیونکہ گھر کا قوّام (حاکم) مرد ہی ہے جس طرح کسی ملک یا علاقے کے قوّام (سربراہ یا حاکم مجاز) کو ملک یا علاقے کا نظم و نسق برقرار رکھنے کے لیے سختی کرنی پڑتی ہے، دار و گیر سے کام لینا پڑتا ہے اور سرکشوں کے سرِ پُرغرور کو کچلنے کے لیے ان کو زدوکوب بھی کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح مرد کو بھی عورت کو راہ

راست پر رکھنے کے لیے آخری چارۂ کار کے طور پر زدوکوب کرنے کی بھی اجازت دی گئی ہے تاکہ گھر میں مرد کی قوّامیت (حاکمیت) بھی برقرار رہے اور گھر کا نظم و نسق بھی انتشار سے محفوظ رہے۔

لیکن مارنے کا یہ حق غیر محدود نہیں ہے لیکن چونکہ ناگریز حالات میں بطور علاج اس کی اجازت ہے اس لیے یہ مار وحشیانہ اور ظالمانہ نہ ہو، بلکہ علاج کی حد تک ہلکی مار ہو جس سے اس کو شدید چوٹ نہ آئے۔ نبی ﷺ نے خطبۂ حجۃ الوداع میں فرمایا:

«وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لَا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُونَهُ، فَإِنْ فَعَلْنَ ذٰلِكَ فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ» [1]

''تمہارا عورتوں پر یہ حق ہے کہ وہ تمھارے بستروں پر ایسے کسی شخص کو آنے کی اجازت نہ دیں جس کو تم ناپسند کرتے ہو، اگر وہ ایسا کریں تو تم ان کو ایسی مار مارو جس سے ان کو زیادہ چوٹ نہ آئے۔''

ایسی مار جو بطور علاج ہو اور جس میں وحشیانہ پن نہ ہو، تو چونکہ اس کی اجازت ہے اس لیے اس پر قیامت کے دن باز پرس بھی نہیں ہوگی۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَا يُسْأَلُ الرَّجُلُ فِيمَا ضَرَبَ اِمْرَأَتَهُ» [2]

''آدمی سے اپنی عورت (بیوی) کے مارنے پر باز پرس نہیں کی جائے گی۔''

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا تَضْرِبُوا إِمَاءَ اللّٰهِ»

''اللہ کی باندیوں کو مت مارا کرو۔'' [3]

---

[1] صحيح مسلم :كتاب الحج، باب حجة النبي صلى الله عليه وسلم،حديث:1218

[2] سنن أبي داود: كتاب النكاح،باب في ضرب النساء، حديث:2147

[3] سنن أبي داود، كتاب النكاح،باب في ضرب النساء، حديث:حديث:2146

چنانچہ صحابۂ کرام بڑے محتاط ہو گئے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خاوندوں کے مقابلے میں ان کی جسارتیں بڑھ گئیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نتیجے سے آگاہ فرمایا تو آپ نے ان کو مارنے کی رخصت عنایت فرمادی۔ بعض صحابہ نے اس رخصت کا غلط استعمال کیا تو بہت سی عورتوں نے آکر ازواج مطہرات کے پاس ان کی شکایتیں کیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَقَدْ طَافَ بِآلِ مُحَمَّدٍ نِسَاءٌ كَثِيرٌ يَشْكُونَ أَزْوَاجَهُنَّ لَيْسَ أُولَئِكَ بِخِيَارِكُمْ»[1]

''آل محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس بہت سی عورتوں نے آکر اپنے خاوندوں کی شکایت کی ہے، یہ لوگ تم میں بہتر نہیں ہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کہ یہ رخصت بے رحمانہ طریقے سے مارنے کی نہیں ہے اور جو ایسا کرے گا وہ بہتر لوگوں میں شمار نہیں ہوگا اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رخصت کی بڑے حکیمانہ انداز میں وضاحت فرمائی:

«لَا يَجْلِدُ أَحَدُكُمْ إِمْرَأَتَهُ جَلْدَ الْعَبْدِ ثُمَّ يُجَامِعُهَا فِي آخِرِ الْيَوْمِ»

''تم میں سے کوئی شخص اپنی بیوی کو اس طرح نہ مارے جس طرح غلام کو مارا جاتا ہے، (کیونکہ یہ عجیب بات ہوگی کہ اس طرح مارنے کے بعد) پھر دن کے آخر میں اس سے ہم بستری کرے گا۔''

اسی لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث پر باب باندھا ہے:

«بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنْ ضَرْبِ النِّسَاءِ»

''اس بات کا بیان کہ عورتوں کو مارنا ناپسندیدہ (مکروہ) ہے۔''

اور قرآن کریم میں مارنے کی رخصت ﴿واضربوھن﴾ کی تفسیر ان الفاظ میں

[1] سنن أبي داود : كتاب النكاح،باب في ضرب النساء : حديث: 2146

فرمائی ہے: ﴿غَيْرَ مُبَرِّحٍ﴾ ایسی مار جس سے شدید چوٹ نہ آئے۔‘‘[1]

اور یہی وہ تفسیر ہے جو خود نبی ﷺ نے فرمائی ہے جیسا کہ صحیح مسلم کے حوالے سے یہ حدیث گزری ہے۔

بہر حال مقصود اس تفصیل سے یہ ہے کہ ہلکی مار مارنے کی اجازت ایک خاص حکمت کے تحت دی گئی ہے کہ بعض عورتوں کے لیے بعض دفعہ یہ علاج مؤثر ہوتا ہے لیکن جو لوگ حقِّ طلاق کی طرح اس کو بھی غلط استعمال کرتے ہیں تو یہ سخت ناپسندیدہ ہے اور ایسے لوگ اسلام کی بدنامی کا باعث بنتے ہیں، ایسے ہی لوگوں کی بابت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ بہتر بھی نہیں ہیں اور عقل و دانش سے بھی بے بہرہ ہیں کہ مارتے بھی ہیں اور پھر اسی سے اپنی خواہش بھی پوری کرتے ہیں۔

14 عورت کو منحوس سمجھنا غلط ہے

حسن معاشرت کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ عورت کو منحوس نہ سمجھا جائے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ جب عورت نئی نویلی دلہن کی صورت میں آتی ہے تو چونکہ وہ یکسر ایک نئے ماحول میں آتی ہے، دولہا سمیت اس گھر کے سارے افراد اس کے لیے اجنبی ہوتے ہیں، اس کو اس نئے ماحول سے مانوس ہونے میں اور دولہا اور اس کے گھر والوں کے مزاجوں کو سمجھنے میں کچھ وقت درکار ہوتا ہے۔ اسی طرح دلھن بھی تمام افراد خانہ کے لیے اجنبی ہوتی ہے، اس کی خوبیاں (یا برائیاں) ظاہر ہونے میں بھی وقت لگتا ہے۔ چند ایام یا چند ہفتوں میں ایک دوسرے کی بابت اچھا یا برا ہونے کا نہ صحیح طور پر اندازہ کیا جا سکتا ہے اور نہ فیصلہ ہی۔

---

[1] صحيح البخاري: كتاب النكاح، باب ما يكره من ضرب النساء حديث: 5204

لیکن ہمارے معاشرے میں عجلت سے فیصلہ کرنے کا مرض عام ہے دلہن کے آنے کے بعد اگر اتفاقی طور پر کوئی حادثہ ہوجاتا ہے، یعنی کاروبار میں کچھ نقصان ہوجاتا ہے یا کوئی اورارضی وسماوی آفت آجاتی ہے تو فورًا کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ نئی عورت جو ہمارے گھر میں آئی ہے، اس کی نحوست ہے اور پھر گھر کے سارے افراد اس کو منحوس باور کر لیتے ہیں۔

ظاہر بات ہے ایسا سمجھنا اور کہنا جہاں تقدیر الٰہی کے خلاف ہے جو کہ کمال ایمان کے منافی ہے، وہاں حسن معاشرت کے بھی خلاف ہے۔ قدرتی حوادث و آفات کا باعث عورت کو قرار دینا، جب کہ اس میں اس کے ارادے یا عمل کا کوئی دخل نہیں، یکسر خلاف واقعہ اور ایک پاک دامن کو نحوست سے مُتّہم کرنا ہے اور جب اس کو منحوس سمجھ لیا جائے گا تو کون اسے اچھا سمجھے گا یا اس سے اچھا سلوک کرے گا؟

اس لیے حسن معاشرت کا تقاضا ہے کہ اتفاقی حوادث وواقعات کی بنیاد پر عورت کو یا کسی بھی چیز کو منحوس سمجھنا بے بنیاد بات ہے۔

نحوست کے تصور کی بنیاد

دراصل یہ تصور ایک حدیث سے غلط فہمی کے طور پر مشہور ہوگیا ہے، وہ حدیث ہے:

«الشُّؤْمُ فِي ثَلَاثَةٍ، فِي الْفَرَسِ، وَالْمَرْأَةِ، وَالدَّارِ»

''نحوست تین چیزوں میں ہے، گھوڑے میں، عورت میں اور گھر میں۔''

حالانکہ ایک دوسری حدیث سے اس کی وضاحت ہوجاتی ہے، وہ حسب ذیل ہے:

«إِنْ كَانَ الشُّؤْمُ فِي شَيْءٍ، فَفِي الدَّارِ، وَالْمَرْأَةِ، وَالْفَرَسِ» [1]

''اگر کسی چیز میں نحوست ہوسکتی ہے تو وہ گھر ہے، اور عورت ہے، اور گھوڑا ہے۔

[1] صحيح البخاري: كتاب النكاح، باب ما يتقى من شؤم المرأة، حديث: 5093,5094

یہ دونوں روایات امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب النکاح کے "باب مایتقی من شؤم المرأة" وقولہ تعالیٰ ﴿اِنَّ مِنۡ اَزۡوَاجِکُمۡ وَاَوۡلَادِکُمۡ عَدُوًّا لَّکُمۡ﴾ [التغابن 14] میں بیان کی ہیں۔

یعنی امام بخاری نے شؤم المرأۃ (عورت کی نحوست سے بچنے) کا باب باندھا اور اس میں قرآنی آیت بھی ساتھ بیان کر کے یہ واضح کر دیا ہے کہ عورت کا منحوس ہونا کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے بلکہ بعض عورتیں منحوس ہو سکتی ہیں جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے:

''تمہاری بیویوں اور اولاد میں سے بعض تمہاری دشمن ہیں۔''

اللہ تعالیٰ نے "مِنۡ" کا لفظ استعمال فرمایا ہے جو تبعیض کے لیے بھی آتا ہے۔ یعنی ساری بیویاں یا ساری اولاد دشمن نہیں ہے بلکہ بعض ہیں۔ اور یہ واضح ہے کہ جو اولاد ماں باپ کی فرماں بردار اور خیر خواہ ہو، وہ ماں باپ کی دشمن نہیں ہے، صرف وہ اولاد دشمن ہے جو نافرمان اور گستاخ ہو۔ اور اللہ کا یہ فرمان واقعات کے عین مطابق ہے۔ اسی طرح وہ بیوی بھی جو "فالصالحات قانتات حافظات للغیب" کی مصداق ہو، وہ خاوند کی دشمن نہیں بلکہ وفادار، اطاعت شعار اور خیر خواہ ہوگی۔ اور جو اولاد اور بیوی نیک اور صالح ہوگی، ان کی بابت نحوست کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اسی طرح امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی باب میں یہ حدیث بھی ذکر کی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

«مَا تَرَكْتُ بَعْدِي فِتْنَةً أَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ» [1]

''میں نے اپنے بعد عورتوں سے بڑھ کر کوئی فتنہ ایسا نہیں چھوڑا جو مردوں کے لیے سب سے زیادہ نقصان دہ ہو۔''

[1] صحيح البخاري:كتاب النكاح،باب ما يتقى من شؤم المرأة، حديث: 5096

اس حدیث سے بھی یہی نکتہ واضح ہوتا ہے کہ جو عورت فتنے کا باعث ہو، اس میں تو شر اور نحوست کا پہلو ہو سکتا ہے لیکن جو عورت ایسی نہ ہو بلکہ اس کے برعکس نیکی اور صالحیت کا پیکر ہو، تو اسے منحوس کیسے قرار دیا جا سکتا ہے اس کی طرف کسی تقدیری امر کے ظہور کی وجہ سے شر اور نحوست کو منسوب کرنا ایسا ہی ہے جیسے حدیث میں کہا گیا ہے کہ یہ کہنا کفر ہے کہ فلاں ستارے کی وجہ سے بارش ہوئی ہے۔ یعنی بارش برسانے کے فعل کو اللہ کے بجائے ستارے کی طرف منسوب کرنا، یکسر غلط بلکہ کفریہ کلمہ ہے تو پھر مطلقاً عورت کو شر اور نحوست کا باعث قرار دینا کیوں کر صحیح ہے؟ جب کہ اس شر کے ظہور میں اس کا کوئی دخل نہیں ہے، بلکہ ایک تقدیری معاملہ ہے جس کا ظہور اس عورت کے نئے گھر میں آنے کے بعد ہوا ہے۔ اور قضاوقدر کے فیصلے کا اس کے ساتھ توافق ہو گیا ہے۔

عدم موافقت ہو سکتی ہے لیکن صرف اللہ کی مشیت سے

یہ تو ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے کہ بعض دفعہ انسان گھر خریدتا یا کرائے پر لیتا ہے، سواری کے لیے کوئی جانور، یا آج کل کے حساب سے کوئی گاڑی وغیرہ لیتا ہے، اسی طرح کسی عورت سے شادی کرتا ہے۔ لیکن یہ چیزیں انسان کو راس نہیں آتیں، اس کو مسلسل نقصان اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایسی صورت میں اس کو یہ تو اجازت ہے کہ عدم موافقت کی وجہ سے گھر چھوڑ کر، جانور یا گاڑی بیچ کر، بیوی کو طلاق دے کر وہ متبادل انتظام کرلے لیکن ان کا تعلق نحوست سے جوڑ کر بداعتقادی کا اظہار نہ کرے بلکہ اس کو قضا وقدر کا فیصلہ سمجھے۔ اس بارے میں بھی ایک حدیث سے ہمیں کافی رہنمائی ملتی ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

''ایک شخص نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم ایک گھر میں رہتے ہیں، وہاں گھر کے افراد بھی کافی ہوتے ہیں اور مال و دولت کی بھی فروانی ہوتی ہے، لیکن ہم گھر بدل لیتے ہیں تو وہاں ہمارے افراد اور اموال میں کمی ہو جاتی ہے؟ تو آپ نے فرمایا: اس گھر کو اپنے حق میں برا سمجھتے ہوئے چھوڑ دو۔''[1]

اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ شریعت اسلامیہ میں اس تصور کی نفی کی گئی ہے کہ کوئی بیماری متعدی بھی ہوتی ہے بلکہ اس عقیدے کی تاکید کی گئی ہے کہ اللہ کے حکم اور مشیت کے بغیر کسی کو کوئی بیماری نہیں لگ سکتی۔ اس کے باوجود ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ مجذوم (کوڑھی کے مریض) سے اس طرح بھاگو جس طرح تم شیر سے بھاگتے ہو۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ یہ نہیں کہ جذام کا مرض متعدی ہے بلکہ اس کی وجہ اعتقاد کی خرابی سے بچانا ہے۔ کیونکہ اگر کسی شخص کو مجذوم کے پاس بیٹھنے سے اگر جذام کی بیماری لاحق ہو گئی تو اس کی اصل وجہ تو اللہ کا حکم اور اس کی مشیت ہو گی لیکن اس شخص کے اندر عقیدے کی یہ خرابی پیدا ہو سکتی ہے کہ مجھے یہ بیماری اس مریض کے پاس بیٹھنے کی وجہ سے لاحق ہوئی ہے۔ یہ عقیدہ چونکہ اسلامی مسلّمات کے خلاف ہے اس لیے مسلمانوں کے عقیدوں کو محفوظ رکھنے کے لیے احتیاط کرنے کا حکم دیا ہے تا کہ اس بدعقیدگی سے مسلمان محفوظ رہیں۔

اسی طرح عدم موافقت کی صورت میں زیر بحث مذکورہ اشیاء کو چھوڑا جا سکتا ہے لیکن اس رد و بدل میں ان کی نحوست کا عقیدہ نہ رکھا جائے بلکہ اس کو قضا و قدر کا فیصلہ ہی سمجھا جائے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ زیر بحث حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

''یہ حدیث (لوگوں کی رائے کے برعکس) اس مفہوم کی تائید کرتی ہے کہ کسی چیز

[1] سنن أبي داود: كتاب الطب، باب في الطيرة، حديث: 3924

میں نحوست نہیں ہے۔ اس لیے کہ حدیث کے معنی ہیں: ''اگر نحوست کسی بھی چیز میں ثابت ہوتی تو ان تین چیزوں میں ہوتی لیکن بات یہ ہے کہ نحوست کسی بھی چیز میں یکسر ثابت ہی نہیں ہے۔ اور بعض روایات میں جو الفاظ نقل ہوئے ہیں کہ ''نحوست تین چیزوں میں ہے'' یہ بعض راویوں کا اختصار اور تصرف ہے (ورنہ اصل الفظ یہی ہیں کہ اگر نحوست ہوتی تو ان میں ہوتی)۔''[1]

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی بات لکھی ہے، فرماتے ہیں:

''نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر نحوست کسی چیز میں ہوتی تو عورت، گھوڑے اور گھر میں ہوتی۔'' آپ نے یہ خبر نہیں دی کہ ان میں ہوتی ہے بلکہ یہ فرمایا ہے: اگر نحوست کی چیز میں ہوتی تو ان میں ہوتی، یعنی اگر کسی چیز میں ہوتی تو ان میں ہوتی اور جب ان تینوں میں نہیں ہے تو کسی بھی چیز میں نہیں ہے۔''[2]

بعض احادیث اور آثار سے مذکورہ مفہوم کی تائید

ہمارے وضاحت کردہ نکتے کی تائید ذیل کی حدیث سے بھی ہوتی ہے، جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَرْبَعٌ مِنَ السَّعَادَةِ، الَمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ، وَالْمَسْكَنُ الْوَاسِعُ، وَالْجَارُ الصَّالِحُ، وَالْمَرْكَبُ الْهَنِيئُ، وَأَرْبَعٌ مِنَ الشِّقَاءِ: اَلْجَارُ السُّوءُ وَالْمَرْأَةُ السُّوءُ، وَالْمَرْكَبُ السُّوءُ وَالْمَسْكَنُ الضَّيِّقُ»[3]

''چار چیزیں سعادت سے ہیں: نیک عورت، فراخ کشادہ گھر، نیک پڑوسی اور اچھی سواری، اور چار چیزیں شقاوت (بدبختی) سے ہیں: برا پڑوسی، بری عورت،

[1] سلسلة الأحاديث الصحيحة: (72/1)، رقم الحديث: 442

[2] شرح معاني الآثار، بحواله الصحيحه للالباني: (728/2)، رقم الحديث: 993۔

[3] موارد الظمآن، النكاح، حديث: 1232، الصحيحة: (509/1)، رقم الحديث: 282

بری سواری، اور تنگ مکان۔''

یعنی مذکورہ چیزیں کسی کے لیے سعادت کا اور کسی کے لیے شقاوت کا ذریعہ ہیں اور یہ سب کچھ اللہ کی مشیت اور اس کے قضا وقدر کے تحت ہے۔

اسی لیے بعض شارحین نے حدیث شئوم کی شرح میں لکھا ہے، جیسے امام خطابی ہیں:

«اِنْ کَانَتْ لِأَحَدِکُمْ دَارٌ یَکْرَہُ سُکْنَاھَا أَوْ امْرَأَۃٌ یَکْرَہُ صُحْبَتَھَا، أَوْ فَرَسٌ یَکْرَہُ سَیْرَہُ فَلْیُفَارِقْہُ» [1]

''اگر کسی کا گھر ایسا ہے کہ اس میں رہائش اس کو ناپسند ہو، یا بیوی ایسی ہو کہ اس کے ساتھ گزارا مشکل ہو، یا گھوڑا ایسا ہو کہ اس پر سفر اس کو ناگوار ہو، تو وہ ان کو چھوڑ دے۔''

اور بعض نے اس کی تفسیر اس طرح کی ہے:

«إِنَّ شُؤْمَ الدَّارِ ضِیقُھَا وَسُوْءَ جِوَارِھَا، وَشُؤْمَ الْمَرأَۃِ أَنْ لَا تَلِدَ وُشُؤْمَ الْفَرَسِ اَنْ لَا یُغْزُ عَلَیْہِ» [2]

''گھر کی نحوست اس کا تنگ ہونا اور پڑوسی کا برا ہونا ہے، عورت کی نحوست اس کا بانجھ پن اور گھوڑے کی نحوست اس پر جہاد کرنے کا موقع نہ ملنا ہے۔''

بعض آثار سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، جیسے حضرت معمر (تابعی) فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کی یہ تفسیر سنی ہے (بظاہر یہی ہے کہ کسی صحابی سے سنی ہوگی)۔

«شُؤْمُ الْمَرْأَۃِ إِذَا کَانَتْ غَیْرَ وَلُودٍ، وَشُؤُمُ الْفَرَسِ إِذَا لَمْ یُغْزَ عَلَیْہِ وَ شُؤُمُ الدَّارِ جَارُ السُّوءِ» [3]

---

[1] فتح الباري، الجهاد،(77/6)

[2] حوالۂ مذکور

[3] فتح الباری:(77/6)، مصنف عبدالرزاق:(411/10)، رقم الحدیث: 19527

''عورت کی نحوست اس کا بانجھ ہونا ہے، گھوڑے کی نحوست اس پر بیٹھ کر جہاد نہ کرنا ہے اور گھر کی نحوست برے پڑوسی کا ہونا ہے۔''

بہر حال مطلقاً عورت یا کسی بھی چیز کی نحوست کا عقیدہ بے بنیاد اور تقدیر پر ایمان کے منافی ہے، اس لیے اس قسم کے تصورات سے بچنا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

15 بیوی کو عار نہ دلائے

بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک عورت بدچلن یا مرد بدکردار ہوتا ہے لیکن ایسے جوڑے سے اللہ تعالیٰ اولاد صالح پیدا فرما دیتا ہے، اولاد میں ماں باپ کی وہ خرابیاں نہیں ہوتیں جو شریعت میں بھی ناپسندیدہ ہیں اور لوگوں کی نظروں میں بھی ناقابل قبول ہوتی ہیں۔ ایسے ماں باپ کی کوئی نیک چلن لڑکی اگر کسی شخص کے حبالۂ عقد میں آجائے تو کسی بھی موقعے پر اس کی کسی کوتاہی کی وجہ سے اس کو یہ نہ کہے کہ ہاں تو بیٹی تو اسی ماں یا باپ کی ہے جو ایسی ایسی یا ایسا ایسا ہے یا تھی یا تھا۔ اسے عار دلانا کہتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے اسے ناپسند فرمایا اور اسے زمانۂ جاہلیت کی خُو (بدعادت) قرار دیا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص (اپنے غلام) کو برا بھلا کہا اور اور اسے عار دلائی کہ تیری ماں ایسی تھی۔ تو رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

«يَا أَبَا ذَرٍّ! أَعَيَّرْتَهُ بِأُمِّهِ؟ إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ»

''اے ابوذر! کیا تو نے اس کو اس کی ماں کی وجہ سے عار دلائی ہے، تیرے اندر تو ابھی تک جاہلیت کی خُو ہے۔''

پھر فرمایا:

«إِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ أَيْدِيكُمْ، فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ

فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ، وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ، وَلَا تَكَلِّفُوْهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ، فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ فَأَعِينُوْهُمْ»[1]

''تمھارے بھائی (غلام) تمہارے ماتحت ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو تمھارے ماتحت کیا ہے (تم کو ان پر بالا دستی عطا کی ہے اور ان کو تمھارے زیردست کیا ہے) پس جو بھائی (غلام نوکر چاکر) اس کے ماتحت ہو اس کو چاہیے کہ اس کو وہی کچھ کھلائے جو وہ کھاتا ہے، اور اس کو وہی کچھ پہننے کو دے جو وہ خود پہنتا ہے اور ایسا کوئی کام اس کے سپرد نہ کرے جو اس کی طاقت سے بالا ہو، اگر تم ایسا کوئی کام اس کے سپرد کرو تو تم ان کی مدد کرو (ان کے ساتھ مل کر وہ کام کرو۔)''

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ اپنے ماتحتوں، زیردستوں اور غلاموں، نوکروں کو عار دلانا، ان کو اپنے سے کمتر سمجھتے ہوئے ان کو کھانے پینے میں اپنے ساتھ بٹھانے سے گریز کرنا اور ان پر ان کی طاقت سے زیادہ کاموں کا بوجھ ڈالنا یہ سب ممنوع ہیں تو بیوی تو غلام اور ماتحتوں سے زیادہ شرف وفضل اور عزت واحترام کی مستحق ہے، اس کے ساتھ ایسا معاملہ کرنے کی اجازت کب ہوسکتی ہے؟

اس لیے حسنِ معاشرت کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ بیوی کو عار نہ دلائی جائے۔ اس کے ماں باپ کیسے بھی ہوں یا کیسے بھی کبھی رہے ہوں، یا وہ خود بھی کبھی ایسی ویسی رہی ہو لیکن توبہ کر کے اس نے اپنی اصلاح کر لی ہو اور اب وہ صحیح معنوں میں ایک صالح اور نیک چلن ہو اور اسی وجہ سے اس نے اسے اپنا رفیق زندگی بنانے کے لیے پسند کیا ہو تو اس کے بعد اس کو عار دلانے کا کوئی جواز نہیں ہے اور یہ حسنِ معاشرت کے خلاف ہے کیونکہ اس میں

[1] صحيح البخاري: كتاب الإيمان، باب المعاصي من أمر الجاهلية، حديث: 30، وصحيح مسلم: كتاب الأيمان، باب إطعام المملوك مما يأكل حديث: 1661

اس کی دل آزاری کا پہلو ہے جب کہ حسن معاشرت کا تقاضا اس کی دلجوئی و دلداری کرنا ہے نہ کہ دل آزاری۔

16 بیوی پر طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالے

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب ایک غلام اور ماتحت شخص پر بھی اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنا جائز نہیں ہے جب کہ ان کو اپنے گھروں میں رکھنے کا مقصد ہی ان سے اپنی خدمت لینا اور ان سے اپنے اندرونی و بیرونی کام کرانا ہوتا ہے تو بیوی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالنا کب جائز ہوسکتا ہے۔؟

بلا شبہ خاوند کی خدمت اور گھریلو امور کی انجام دہی عورت کی ذمے داری ہے، لیکن مرد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس معاملے میں بھی حسن معاشرت کے تقاضوں کو ملحوظ رکھے اور اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالے۔ اس کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں مثلاً، خاوند اس کو گھریلو اخراجات کے لیے جو رقم مہیا کرے، وہ ضروریات سے بہت کم ہو، لیکن خاوند اس کو مجبور کرے کہ وہ اسی رقم سے تمام ضروریات پوری کرے، ظاہر بات ہے بعض خاوندوں کا یہ رویہ سراسر تحکم اور تکلیف مَالاَ یُطَاق ہی ہے۔

اسی طرح بعض گھروں میں آنے والی نئی بہو پر ضرورت سے زیادہ کاموں کا بوجھ ڈال دیا جاتا ہے جب کہ گھر میں اس کی جوان نندیں وغیرہ بھی ہوتی ہیں۔ عدل وانصاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ سب مل جل کر گھریلو امور سرانجام دیں، ساس سسر بھی اس پہلو کو ملحوظ رکھیں، خاوند اگر اس سلسلے میں ماں باپ سے کوئی بات کرتا ہے تو اس کو زن مرید ہونے کا طعنہ دے کر خاموش رہنے پر مجبور کر دیا جاتا ہے۔ اس بے انصافی کے تین نتیجوں میں سے کوئی

ایک نتیجہ بالعموم ظاہر ہوتا ہے۔

1. یا تو خاوند اور بیوی دونوں، ماں باپ اور ساس سسر کے احترام میں خاموشی سے اس بے انصافی کو برداشت کرتے رہتے ہیں اور عورت طاقت سے زیادہ بوجھ برداشت کرتی رہتی ہے اور گھر کا نظم میاں بیوی کی خاموشی اور بزرگوں کے احترام کی وجہ سے قائم رہتا ہے۔ ظاہر ہے یہ سکون دباؤ کا نتیجہ ہے، حسن معاشرت کا نتیجہ نہیں۔
2. اگر میاں بیوی اس بے انصافی کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے تو جلد یا بہ دیر یہ صورت حال ماں باپ سے علیحدگی پر منتج ہوتی ہے۔
3. گھر کی دوسری خواتین (نندیں، ساس وغیرہ)۔ اگر اس بے انصافی پر مصر رہتی اور سارا بوجھ فرماں بردار بیٹے کی بیوی پر ہی ڈالنے کی پالیسی پر گامزن رہتی ہیں تو جلد ہی پیمانۂ صبر لبریز ہو جائے گا اور پھر آئے دن اس پر باہم تھکا فضیحتی ہوگی جس سے میاں بیوی کا سکون بھی برباد ہوگا، گھر کا امن بھی قائم نہیں رہے گا اور ساس کا بے انصافی پر مبنی یہ رویہ لڑکی کے خاندان کو بھی ان سے بدظن کر دے گا اور مخاصمت و عناد کی ایسی فضا قائم ہو جائے گی۔ جو دونوں خاندانوں کو مضطرب رکھے گا۔

بنابریں یہ تینوں ہی صورتیں ظلم و ناانصافی کی ہیں جو حسن معاشرت کے خلاف ہیں۔ یہ ساس بہو کا وہ روایتی کردار ہے جس کی کہانیاں ہمارے معاشرے میں عام ہیں۔ لیکن اہل دین اور خشیت الٰہی رکھنے والوں کو اس قسم کے رویوں سے بچنا چاہیے، ایسا رویہ آخرت ہی برباد کرنے والا نہیں ہے بلکہ دنیا بھی بگاڑ دینے والا ہے۔

(17) مشاورت کا اہتمام کیا جائے

حسن معاشرت کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ ہر اہم معاملے میں مرد بیوی سے مشاورت کا

اہتمام کرے، بیوی کو نظر انداز کر کے کوئی فیصلہ نہ کرے۔ یہ حسن معاشرت کے بھی خلاف ہے اور عقل و دانش کے بھی منافی۔ عدم مشاورت سے بھی بعض دفعہ میاں بیوی کے درمیان ایسی تلخیاں اور کشیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں جو پورے گھر کے سکون کو برباد کر دیتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر تک کو یہ حکم دیا کہ وہ مسلمانوں سے مشاورت کا اہتمام کریں۔

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ [آل عمران 159]

''اور معاملات میں ان سے مشورہ کیا کیجئے۔''

اور مسلمانوں کی صفت یہ بھی بیان فرمائی کہ وہ اپنے معاملات باہم مشاورت سے چلاتے ہیں۔

﴿وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ﴾ [الشوریٰ 38]

''اور ان کے کام باہمی مشورہ سے طے پاتے ہیں''

صلح حدیبیہ کے موقعے پر جو معاہدہ لکھا گیا تھا، مسلمان اس کی ظاہری دفعات سے دل گیر تھے اور نبوت کی نگاہِ دور رس میں اس کے جو فوائد تھے، عام مسلمان اس کا اندازہ کرنے سے قاصر تھے۔ بنا بریں جب رسول اللہ ﷺ نے معاہدے کے تحریر کیے جانے کے بعد صحابہ کو حکم دیا کہ اٹھو! اور اپنے اپنے جانور قربان کر دو (کیونکہ اس سال ہم مکہ جا کر عمرہ نہیں کر سکیں گے) لیکن صحابہ غم سے نڈھال اور دل گرفتہ تھے، اس لیے کوئی بھی نہ اٹھا، حتی کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بات تین مرتبہ دہرائی مگر پھر بھی کوئی نہ اٹھا تو آپ اپنی زوجۂ مطہرہ حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور صحابہ کے اس طرز عمل کا ذکر کیا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے مشورہ دیا کہ آپ کسی کو کچھ نہ کہیں اور جا کر اپنا جانور ذبح کر دیں اور اپنا سر منڈا لیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس مشورے کے مطابق

اپنی ہَدیٰ کا جانور ذبح کردیا اور حجام کو بلا کر سر منڈوالیا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صحابہ نے آپ کے عمل کو دیکھ کر بلا توقف اپنے اپنے جانور بھی ذبح کردیے اور باہم ایک دوسرے کے سر بھی مونڈ دیے۔

یعنی رسول اللہ ﷺ نے اپنی تمام تر عظمت کے باوجود جب اپنی اہلیہ محترمہ سے جا کر مشورہ کیا تو انھوں نے جو مشورہ دیا، اس پر عمل کرنے سے ایک نہایت اہم مسئلے کا فوری حل نکل آیا جس پر آپ خود بھی سخت پریشان تھے۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ انسان کو صرف اپنی عقل و دانش ہی کو حرف آخر نہیں سمجھنا چاہیے بلکہ اپنے رفیق زندگی یعنی بیوی سے بھی ہر اہم معاملے پر مشورہ کرنا اور باہم مل کر سوچ بچار کرنا نہایت بابرکت عمل ہے۔ نہ عورت اپنے طور پر فیصلہ کرے اور نہ مرد ہی ایسا کرے بلکہ دونوں قدم سے قدم ملا کر اور ایک دوسرے کو اپنا ہم نوا بنا کر اور اعتماد میں لے کر فیصلہ کریں۔

جب بچے بچیاں جوان ہوجاتے ہیں تو ان کے رشتوں ناطوں کے سلسلے میں اگر باہم مشاورت اور افہام و تفہیم سے کام نہ لیا جائے تو بڑی پیچیدگیاں پیدا ہوجاتی ہیں اور بعض دفعہ بچوں کے مستقبل بھی تاریک ہوجاتے ہیں، وعلی ہذا القیاس، دوسرے معاملات ہیں، سب میں باہم مشاورت باعث برکت بھی ہے اور حسن معاشرت کا تقاضا بھی، اور گھر کی خوش گوار فضا اور اس کے امن وسکون کو برقرار رکھنے کا ایک بڑا سبب بھی۔

(18) مرد حسن باطنی کے ساتھ، ظاہری زیب و زینت بھی اختیار کرے

جس طرح مرد کی خواہش ہوتی ہے کہ بیوی حسن و جمال کا پیکر ہو یا کم از کم آرائش و

زیبائش کا اہتمام کرنے والی ہو۔ اسی طرح عورت کی بھی خواہش ہوتی ہے کہ اس کا خاوند مردانہ جاہ وجلال اور حسن و جمال کا حامل ہو۔ اس لیے مرد کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ عورت کی اس جائز خواہش کا احترام کرے اور شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے ظاہری زیب و زینت اختیار کرنے میں بے اعتنائی نہ برتے۔ جیسے صاف ستھرا رہنا، نظافت وطہارت کا خیال رکھنا، خوشبو وغیرہ کا استعمال اور کنگھی تیل کا اہتمام، وغیرہ، اسی لیے حدیث میں آتا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے گھر تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلا کام کیا کرتے تھے؟

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''مسواک کرتے تھے۔ (تاکہ منہ سے خوش گوار خوشبو آئے۔) تاہم اس زیب وزینت کے اختیار کرنے میں نہ شریعت سے تجاوز ہو اور نہ کبر وغرور کا اظہار ہو، یہ دونوں باتیں ناپسندیدہ ہیں۔''

مثلاً، آج کل زیب وزینت کا معیار یہ ہے کہ مرد کا چہرہ سنتِ رسول (داڑھی) سے پاک ہو، انگریزوں کے لباس (ٹائی، پتلون) میں ملبوس ہو اور بیوٹی پارلر میں جا کر آراستہ و پیراستہ ہو۔ ظاہر بات ہے یہ زیب وزینت اللہ کو ناپسند ہے۔

اسی طرح زیب وزینت کے ڈانڈے کبر وغرور سے نہ جا ملیں۔ بلکہ یہ زیب و زینت ظاہری و باطنی حسن و جمال کا ایسا حسین امتزاج ہو جس میں حُسن صورت بھی ہو اور حُسن سیرت بھی۔ حُسنِ سیرت اور باطنی جمال کے بغیر ظاہری حسن کی حیثیت اس شخص کی طرح ہے جو غبار آلود چہرے پر غازہ پاشی کر لیتا ہے جس سے اس کا چہرہ نکھرنے کے بجائے اور دھندلا جاتا اور کالک زدہ سا ہو جاتا ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جہاں ظاہری لباس کو وجہ زینت بتلایا ہے تو وہیں لباس تقوی کی

اہمیت کو بھی اجاگر کیا ہے جس کا تعلق انسان کے باطن سے ہے۔

﴿ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴾ [الأعراف26]

''اے بنی آدم (انسانو)! ہم نے تمہارے لیے لباس اتارا ہے جو تمہاری شرم والی چیزوں کو بھی چھپائے اور زینت کا باعث بھی ہو، اور لباس تقوی (دل میں خشیت الٰہی) یہ بہت بہتر ہے، یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔''

گویا دل میں عجب، کبر و غرور اور ظاہری حسن کا پندار اور گھمنڈ نہ ہو، بلکہ اللہ کا خوف ہو جو انسان کو بہکنے اور بھٹکنے سے محفوظ رکھے۔ نبی ﷺ کا فرمان گرامی ہے:

«لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ كَانَ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِنْ كِبْرٍ»

''وہ شخص جنت میں نہیں جائے گا جس کے دل میں ذرہ برابر بھی تکبر ہوگا۔''

نبی ﷺ کا یہ فرمان سن کر ایک شخص نے پوچھا:

«إِنَّ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَنْ يَكُونَ ثَوْبُهُ حَسَنًا وَ نَعْلُهُ حَسَنَةً»

''ایک آدمی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کا لباس اچھا ہو اور اس کی جوتی اچھی ہو (کیا یہ بھی کبر ہے؟۔'')

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ جَمِيلٌ يُحِبُّ الْجَمَالَ، اَلْكِبْرُ بَطْرُ الْحَقِّ وَغَمْطُ النَّاسِ»

''اللہ تعالیٰ خوب صورت ہے، خوب صورتی کو پسند کرتا ہے۔ کبر (غرور) تو حق کا انکار کرنا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے۔'' [1]

یعنی اچھا لباس پہن کر خوب صورتی اختیار کرنا تو اللہ کو پسند ہے کیونکہ وہ خود

[1] صحیح مسلم: كتاب الإيمان، باب تحريم الكبر وبيانه، حديث: 91

خوب صورت ہے۔ البتہ اچھا لباس (خلعتِ فاخرہ) پہن کر اس پر اترانا، اکڑنا اور کبر وغرور کا اظہار بایں طور کرنا کہ اس کو حق کی بات بتلائی جائے تو اپنی انانیت میں اس کا انکار کر دے اور اپنے سے کم تر رتبوں کے لوگوں کو حقیر سمجھے، یہ کبر ہے جو اللہ کو ناپسند ہے۔

ایک اور حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

«كُونُوا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا، اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَايَظْلِمُهُ، وَلَا يَخْذُلُهُ، وَلَا يَحْقِرُهُ، التَّقْوٰى هٰهُنَا، وَيُشِيرُ إِلٰى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مِرَارٍ، بِحَسْبِ امْرِءٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ ...الحديث» [1]

''اللہ کے بندو! بھائی بھائی ہو جاؤ۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے، اس پر نہ ظلم کرے، نہ اس کو (مدد کے وقت) بے یار و مددگار چھوڑے اور نہ اس کو حقیر سمجھے۔ اور اپنے سینے کی طرف تین مرتبہ اشارہ کر کے فرمایا: تقویٰ یہاں ہے، تقویٰ یہاں ہے، تقویٰ یہاں ہے، یعنی دل (سینے) میں۔ آدمی کے برا ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔''

ایک اور حدیث میں فرمایا:

«إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلٰى أَجْسَادِكُمْ وَلَا إِلٰى صُوَرِكُمْ، وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلٰى قُلُوبِكُمْ وَأَشَارَ بِأَصَابِعِهِ إِلٰى صَدْرِهِ وَفِي رِوَايَةٍ وَأَعْمَالِكُمْ» [2]

''اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں اور تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا، وہ تو تمہارے دلوں کو (اور اپنے ہاتھوں سے اپنے سینے کی طرف اشارہ فرمایا) اور تمہارے عملوں کو دیکھتا ہے۔''

[1] صحیح مسلم: کتاب البر والصلة والآداب، باب تحریم ظلم المسلم وخذله واحتقاره ودمه وعرضه وماله، حدیث: 2564

[2] صحیح مسلم: کتاب البر والصلة والآداب، باب تحریم ظلم المسلم وخذله واحتقاره ودمه وعرضه وماله، حدیث: 2564

19 مرد رات کا بیشتر حصہ گھر میں گزارے

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی بابت پہلے گزرا کہ وہ ساری رات قیام کرتے اور دن کو روزہ رکھتے تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں یہ بات آئی تو آپ نے ان سے فرمایا:

«وَلِأَهْلِكَ عَلَيْكَ حَقًّا»[1]

''تیرے گھر والوں (بیوی) کا بھی تجھ پر حق ہے۔''

اس سے معلوم ہوا کہ قیام اللیل رات کو (اللہ کی عبادت کرنا) بلا شبہ بہت فضیلت والا عمل ہے لیکن رات کو بیوی کے حقوق کو نظر انداز کر کے اگر قیام کیا جائے گا تو یہ پسندیدہ امر نہیں ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی مرد راتوں کو اپنا وقت دوستوں کے ساتھ گپ شپ میں یا اسی طرح کی دیگر سرگرمیوں میں گزارتا ہے اور رات کو دیر سے گھر میں آتا ہے تو یہ بھی بیوی کی حق تلفی ہے اور حسن معاشرت کے بھی منافی ہے۔

حُسنِ معاشرت کا تقاضا ہے کہ مرد سارا دن گھر سے باہر گزارنے کے بعد رات کا وقت بیوی کے پاس گزارے اور اس کی دلداری و دلجوئی کا اہتمام کرے۔ سارے دن کی جدائی کے بعد رات کو بھی عورت کو انتظار کے کرب انگیز لمحات گزارنے پر مجبور کرنا کسی لحاظ سے بھی مستحسن اور پسندیدہ نہیں ہے۔

20 میاں بیوی کے درمیان راز کی باتیں دوستوں میں بیان نہ کی جائیں

بہت سے نوجوان اپنے دوستوں کی محفل میں تنہائی اور راز کی باتیں مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں جو ان کے اور ان کی بیویوں کے درمیان ہوتی ہیں، بالخصوص شب زفاف (شادی کی پہلی رات کی) باتیں۔ یہ شرعاً ناپسندیدہ امر ہے اور اس پر سخت وعید وارد ہے۔

[1] السنن الکبریٰ للبیهقی :(16:3)

نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ مِنْ أَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ، الرَّجُلُ يُفْضِىْ إِلٰى امْرَأَتِهٖ وَتُفْضِىْ إِلَيْهِ ثُمَّ يُنْشُرُ سِرَّهَا، وَفِى رِوَايَةٍ: إِنَّ مِنْ أَعْظَمِ الْأَمَانَةِ أَیْ أَعْظَمِ خِيَانَةِ الْأَمَانَةِ، عِنْدَ اللّٰهِ...»

''قیامت کے دن اللہ کے ہاں لوگوں میں سب سے زیادہ بدتر درجے والا (دوسری روایت کے الفاظ ہیں) امانت میں سب سے زیادہ بڑی خیانت کرنے والا، وہ شخص ہوگا جو اپنی بیوی کے پاس جاتا اور وہ اس کے پاس جاتی ہے (دونوں ہم بستری کرتے ہیں) پھر وہ شخص اپنی بیوی کی راز کی باتیں پھیلاتا (دوستوں میں بیان کرتا) ہے۔''[1]

بیوی کے راز افشا کرنے کا مطلب ہے، ہم بستری کے وقت میاں بیوی ایک دوسرے کے ساتھ جو پیار محبت کی باتیں کرتے، ایک دوسرے کو جنسی تلذذ پر آمادہ کرنے کے لیے جو حرکتیں کرتے اور اس خصوصی عمل سے جو لذت حاصل کرتے ہیں، ان کیفیات کو بیان کرنا۔ اس کی ممانعت میں کئی حکمتیں ہیں:

1. یہ بے حیائی کی باتیں ہیں، ان سے بے حیائی کو فروغ ملتا ہے۔
2. بیوی کے حسن و جمال اور اس کی نازنینانہ اداؤں اور محبوبانہ غمزوں اور عشووں کے بیان کرنے میں خطرہ ہے کہ اس کے دوست، یہ باتیں سن کر اس کے رقیب بن جائیں اور اس کی دلربا بیوی سب کے لیے فتنہ اور آزمائش بن جائے۔
3. اور اگر بیوی اس کے برعکس ہو، یعنی خوب رو نہ ہو تو اس کی برائیاں یا اس کے بارے میں ناخوشگوار تاثرات یہ حسن معاشرت کے منافی ہے۔ دوستوں میں ان باتوں کے بیان کرنے کی وجہ سے یہ باتیں دونوں خاندانوں میں بلکہ دوستوں کے گھرانوں میں

[1] صحیح مسلم: کتاب النكاح ،باب تحريم إفشاء سر المرأة، حديث: 1437

پھیلیں گی جس کے اثرات اچھے نہیں ہوں گے۔

یہی حکم عورت کے لیے بھی ہے کہ وہ خلوت کی ان باتوں کو اپنی سہیلیوں میں بیان نہ کرے۔

⑳ بیوی کو دینی تعلیمات سے آگاہ کیا جائے

حسن معاشرت کا ایک حصہ یہ ہے کہ جس طرح بیوی کے لیے اپنی طاقت کے مطابق دنیوی آسائشیں اور سہولتیں مہیا کرے، اسی طرح خاوند اس بات کا بھی اہتمام کرے کہ بیوی کی آخرت کی زندگی بھی بہتر ہو۔ اور آخرت کی زندگی کا سنورنا منحصر ہے اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے میں۔ اور عمل تب ہی ہوگا جب اس کو دینی تعلیمات سے آگاہی اور ان پر عمل کرنے کا جذبہ ہوگا۔

بنابریں مرد کی ذمے داری ہے کہ وہ عورت کی دینی تعلیم وتربیت کا بھی اہتمام کرے اور دین پر عمل کرنے کا جذبہ بھی اس کے اندر پیدا کرے۔ اگر بیوی اس میں کوتاہی کرے تو اس پر سختی کرے اور دین پر عمل کروائے تاکہ اس کی آخرت برباد نہ ہو۔

علاوہ ازیں اس کی دین داری کی وجہ سے اس کی گود میں پلنے والی اولاد بھی دین دار ہوگی، بصورت دیگر اولاد کی بھی بے راہ روی کا شدید خطرہ ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یہ حکم دیا ہے:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ [التحريم 66]

''اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو بھی اور اپنے گھر والوں (اہل) کو بھی اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں۔''

اسی حکم میں نماز کی پابندی بھی شامل ہے، یعنی بیوی بچے اگر نماز میں سستی کرتے ہوں تو

انھیں سختی سے نماز پڑھنے کی تلقین کرے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو حکم دیا:

﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا﴾ [طٰہٰ 132]

”اپنے اہل خانہ کو نماز کا حکم دیں اور اس پر مضبوطی سے قائم رہیں۔“

اور نبی ﷺ کا فرمان گرامی ہے:

«مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِينَ وَفَرِّقُوا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ»[1]

”تم اپنی اولاد کو، جب کہ وہ سات سال کی ہوجائے، نماز کا حکم دو اور جب وہ دس سال کی ہوجائے (اور وہ نماز میں سستی کرے) تو اس پر اس کی سرزنش کرو، اور (اس عمر میں) ان کے بستر ایک دوسرے سے الگ کردو۔“

22 گھر سے باہر جانے کی اجازت دے، مگر...

حسن معاشرت میں یہ بھی شامل ہے کہ خاوند بیوی کو گھر سے حسب ضرورت باہر نکلنے کی اجازت دے، اس میں بلاوجہ قدغنیں نہ لگائے۔ جیسے بعض لوگ بیوی کو اس کے رشتے داروں کے پاس جانے سے روکتے ہیں، بعض گھر سے ہی نہیں نکلنے دیتے، بعض مسجدوں میں جانے سے روکتے ہیں۔ یہ سب باتیں حسن معاشرت کے منافی ہیں۔ جب شریعت نے یہ پابندیاں عائد نہیں کی ہیں تو کسی اور کو اس کا حق کس طرح حاصل ہوسکتا ہے؟

البتہ یہ ضروری ہے کہ عورت بلاوجہ گھر سے باہر نہ گھومتی پھرے اور اگر کسی ضرورت کی وجہ سے باہر جانا پڑے تو شریعت کے حکم کے مطابق سادگی اور پردے سے باہر جائے۔ بعض عورتیں پردے اور سادگی کی اہمیت کو نہیں سمجھتیں اور بے پردہ بلکہ نیم عریاں ہوکر گھر

[1] سنن أبي داود: كتاب الصلاة، باب متى يؤمر الغلام بالصلاة، حديث: 495

سے نکلتی ہیں۔ مرد کی ذمے داری ہے کہ ایسی بے پردہ اور فیشن ایبل عورت کو سختی سے پردے کا پابند بنائے اور اس کو اس حدیث کا مصداق بننے سے روکے جس میں رسول اللہ ﷺ نے بہت سی عورتوں کو ''لباس پہننے کے باوجود عریاں قرار دیا اور ان کی بابت جہنم کی وعید بیان فرمائی۔ یہ حدیث مکمل الفاظ میں پہلے گزر چکی ہے۔

23 گھر کے اندر بھی عورت کی حفاظت کرے

اس کا مطلب یہ ہے کہ گھر میں ایسے لوگوں کو آنے کی اجازت نہ دے جن سے عورت کی عزت کو خطرہ ہو اور نہ وہ خود ایسے دوستوں کو گھر میں لا کر گھنٹوں بٹھائے رکھے جس سے اس قسم کے خطرات پیدا ہوں۔ اسی طرح قریبی رشتے داروں کے نوجوان بچوں کو بلا محابہ گھر میں آنے جانے کی اجازت نہ دی جائے، حتی کہ شریعت نے دیور اور جیٹھ تک سے پردہ کرنے کی تاکید کی ہے۔ ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِيَّاكُمْ وَالدُّخُولَ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! أَفَرَأَيْتَ الْحَمْوَ؟ قَالَ: اَلْحَمْوُ الْمَوْتُ» [1]

''عورتوں کے پاس جانے سے اجتناب کرو۔ ایک انصاری نے پوچھا: خاوند کے قریبی رشتے دار (دیور، جیٹھ وغیرہ) کے بارے میں وضاحت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا: خاوند کا قریبی رشتے دار (دیور، جیٹھ وغیرہ) تو موت ہیں۔''

''حمو'' عربی میں خاوند کے نہایت قریبی رشتے دار کے لیے استعمال ہوتا ہے، اس لیے اکثر لوگ اس کا ترجمہ دیور، جیٹھ کر دیتے ہیں۔ بلاشبہ قریبی رشتے داروں میں سب سے پہلے خاوند کے حقیقی بھائی ہی آتے ہیں لیکن اس لفظ میں وسعت ہے۔ اس میں حقیقی

[1] صحيح البخاري:كتاب النكاح، باب لا يخلون رجل بامرأة إلا ذو محرم، والدخول على المغيبة،حديث: 5232

بھائیوں کے علاوہ اس کے چچا زاد، ماموں زاد، پھوپی زاد، اور خواہر زاد (بھانجے) سب آجاتے ہیں جن سب کے لیے آج کل کزن کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ شریعت اسلامیہ میں ایک عورت کے لیے یہ سب غیر محرم ہیں جن سے پردہ کرنے کا حکم ہے۔ لیکن ہمارے معاشرے میں ان سے پردے کا رواج نہیں ہے، سوائے چند گھرانوں کے بیشتر گھروں میں اس پر عمل نہیں کیا جاتا، جس کی وجہ سے بعض دفعہ عورت فتنے کا شکار ہو جاتی ہے اور ایسا کام کر بیٹھتی ہے جس کی سزا رجم (سنگساری) ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے دیور، جیٹھ اور کزنوں کو موت سے تعبیر فرمایا ہے۔

اس لیے مرد کی ذمے داری ہے کہ گھر کے اندر گھر میں ساتھ رہنے والے بھائیوں اور گھر میں آنے جانے والے کزنوں پر نظر رکھے اور جہاں تک ہو سکے پردے کا اہتمام کرے تاکہ کسی قسم کی ناخوشگوار صورت حال سے دوچار نہ ہونا پڑے۔

اسی طرح گھروں میں ایسے لوگوں کو بھی داخلے کی اجازت نہ دی جائے جو بے حیائی کی ترغیب دینے والے ہوں۔ جیسے مخنّث (ہیجڑے) وغیرہ۔ نبی ﷺ ایک مرتبہ اپنی اہلیہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر تھے۔ گھر میں ایک مخنّث بھی تھا، وہ حضرت ام سلمہ کے بھائی عبداللہ بن ابی امیہ سے کہنے لگا: اگر کل کو اللہ نے تمہارے لیے طائف کو فتح کروا دیا تو میں تمہیں وہاں رہائش پذیر غیلان کی بیٹی بتلاؤں گا جو موٹی تازی ہے، چلتے وقت اس کے جسم میں آگے پیچھے اتنے اتنے بَل پڑتے ہیں۔ نبی ﷺ نے اس کے یہ الفاظ سنے تو فرمایا:

«لَا يَدْخُلَنَّ هٰذَا عَلَيْكُمْ»[1]

[1] صحيح البخاري: كتاب النكاح، باب ما ينهى من دخول المتشبهين بالنساء على المرأة، حديث: 5235

’’یہ تمہارے گھروں میں داخل نہ ہوں۔‘‘

(24) عورت کی خدمات کا اعتراف کرے

حسن معاشرت کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مرد عورت کی ان خدمات کا اعتراف کرے جو ایک عورت گھر کے اندر رہ کر شب و روز سرانجام دیتی ہے۔

جیسے:

- گھر کی صفائی
- کھانا پکانا اور انواع و اقسام کی ہانڈیاں تیار کرنا۔
- افراد خانہ کے کپڑے دھونا۔
- بچوں کی خبر گیری کرنا، ان کی خوراک وغیرہ کا خیال رکھنا۔
- آئے گئے مہمانوں کی خاطر تواضع کرنا۔
- خاوند کی خدمت اور اس کی خواہش پوری کرنا۔
- سلیقہ مندی اور سگھڑ پن سے گھر کا انتظام چلانا۔
- رشتے داریوں اور ان کے تقاضوں کو نبھانا۔
- شادی شدہ بیٹیوں اور بیٹوں کے بچوں کا خیال رکھنا۔
- مستقبل کی منصوبہ بندی اور اس کو اپنے لیے اور پورے کنبے کے لیے زیادہ سے زیادہ روشن بنانے کی سعی پیہم اور جہدِ مسلسل کرنا، وغیرہ وغیرہ۔

ایک کتاب کے فاضل مؤلف کی صراحت

ایک کتاب کے فاضل مؤلف نے عورت کی خدمات کا بڑے مؤثر انداز میں تذکرہ کیا

ہے، اس کی افادیت کے پیشِ نظر ہم اپنے قارئین کی خدمت میں اسے پیش کرتے ہیں۔

''بعض نادان لوگ سمجھتے ہیں کہ عورت کا خانگی اور گھریلو کام آسان ہوتا ہے۔ لہٰذا دن بھر صرف انہی کاموں کے لیے فارغ رہنا ایسا ضروری نہیں ہے۔ یہ گمان جہالت پر مبنی ہے اس لیے کہ بچوں کی تربیت جیسی اہم ذمے داری جب تک عورت کے کاندھے پر ہوتی ہے اس کے لیے فرصت ضروری ہے تاکہ اپنی ذمے داری کو حدیث میں بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق نباہنے کے لیے اسے کچھ پڑھنے اور بکثرت مشاہدے کا موقع ملے۔ مزید برآں اسے اپنا ذہن یکسو اور دل کو مطمئن رکھنے کے لیے بھی وقت درکار ہوتا ہے تاکہ ایسے زوردار اثر احساس اور تیز جذبے سے محفوظ ہو جس کا راست اثر پیٹ کے اندر یا دودھ پینے والے بچے پر پڑتا ہے اور بدترین اندیشہ سامنے آتا ہے۔ علم نفسیات کے تجربے اور مشاہدے سے اس کا ثبوت ملتا ہے۔ ڈاکٹر محمد حسین لکھتے ہیں:

''یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ عورت کا پہلا کام یعنی بچہ پیدا کرنا اور نسل انسانی کی حفاظت کرنا ایسا عمل ہے کہ اس کے علاوہ کوئی اور انجام نہیں دے سکتا۔ مرد کے جسمانی اعضاء کی بناوٹ پیٹ میں بچہ پالنے یا دودھ پلانے کے لائق ہرگز نہیں ہوتی۔ اب اگر عورت کو شدت سے کام میں جوڑ دیا جائے تو ظاہر ہے اس کے دل و دماغ اور اعصاب پر اس کا اچھا اثر مرتب نہیں ہوگا۔

نیز یہ بھی طے شدہ حقیقت ہے کہ اس قسم کے گہرے اثرات عورت کے دل سے ہو کر حمل کی حالت میں رہنے والے پیٹ کے بچے پر براہ راست پڑتے ہیں اسی طرح شیر خوار بچہ بھی ان اثرات سے کسی طرح خود کو نہیں بچا سکتا۔ موروثی اثرات کے بعض ماہرین یہاں تک کہتے ہیں کہ ماں اور باپ پر جو حالت یا کیفیت جنسی ملاپ یا (ماں پر) حمل کے دوران طاری ہوتی ہے اس کا تمام تر اثر بچے کی عادت

اور طبیعت پر پڑتا ہے جن عورتوں کو حمل کی مشقت اٹھانی پڑتی ہے، پیٹ کے اندر بچے کی حفاظت اور پیدائش کے بعد ان کی تربیت اور نگہداشت جن کے ذمہ عائد ہوتی ہے، ایسی تمام خواتین کے لیے ضروری ہے کہ اعصابی ہیجان سے دور رہیں اور کوئی مشقت کا ایسا کام نہ کریں جس سے عضلات اور دماغ سخت تکان کا شکار ہو جائے۔ ورنہ اس کے اثرات زیر پرورش پیٹ کے بچے یا شیر خوار پر گہرے اور بدترین پڑیں گے اور تادیر باقی رہیں گے۔ ظاہر ہے اس ذمہ داری کو سنبھالنا بھی اہم فریضہ اور جانگسل مشغلہ ہے جس میں نسل انسانی کی بقا افزائش اور ترقی مضمر ہے۔ اس مرحلہ سے عہدہ برآ ہونے کے بعد یہ بھی ضروری ہے کہ اہلیہ اپنے بچوں پر کامل توجہ صرف کرنے کے لیے پوری طرح فرصت سے رہے، اپنے جسم، عقل اور اپنی عادات و اطوار کو اس طرح قابو میں رکھے کہ تندہی سے ان بچوں میں اعلیٰ تعلیم اور اخلاق اور نیک کردار کا بیج بو سکے اور بری عادت سے انھیں بچا سکے۔ اور یہ کام ایک دو بار حکم دینے یا منع کرنے سے نہیں ہوگا بلکہ اس کے لیے مسلسل نگرانی کڑی توجہ اور پوری دیکھ بھال ضروری ہے تا کہ بچوں کے اندر یہ صلاحیتیں راسخ ہو جائیں۔

بچوں کو کسی غلط کام پر پے در پے ٹوکنا اور مسلسل اس کے لیے بیدار ہونا بھی طبیعتوں میں غلط چیز راسخ ہونے سے حفاظت کا سبب بنتا ہے۔ یہ نگرانی جس سے اگر غفلت نہ برتی گئی، صبر اور ثابت قدمی سے اس پر عمل کیا گیا اور کسی قسم کی اکتاہٹ روا نہ رکھی گئی تو اس میں شک نہیں کہ بچوں اور بچیوں میں غلط افکار جڑ پکڑنے سے پہلے کامل طریقہ سے ان کی بیخ کنی ہوگی اور ان کا علاج مشکل نہ ہوگا۔

اور اگر کوئی یہ کہے کہ بچہ صرف حمل یا شیر خوارگی کے دوران ہی اپنی ماں کے اثرات کو قبول کرتا ہے اور اس سے ربط قائم رکھتا ہے، تو ظاہر ہے یہ نظریہ انسان کو

حیوان کی صفت میں کھڑا کر دینے کے مترادف ہے۔ اس لیے کہ یہ انسان کی خصوصیت ہے کہ وہ غذائی پرورش کے ذریعہ ہی نہیں بلکہ اخلاقی اور ذہنی نگہداشت اور پرورش کے ذریعہ بھی اپنے اوصاف کو بچے کے اندر منتقل کرتا ہے۔ جب کہ حیوان اس جوہر سے یکسر خالی ہوتا ہے۔ انسانی ترقی اور حیوانوں سے اس کے افضل ہونے کا یہ بھی ایک سبب ہے۔ اس طریقہ سے نئی نسلیں اپنی پیش رو نسلوں سے تجربے حاصل کرتی ہیں علم وآگہی کا سبق سیکھتی ہیں جس سے وہ اپنا فرض کما حقہ انجام دیتے ہیں۔ اور تجربے کرنے میں جو وقت اور محنت صرف ہوتی ہے انھیں اس سے نجات مل جاتی ہے۔

اور اگر کسی عورت نے خود ان کاموں کو انجام دینے کی بجائے اپنے بچوں کی نگہداشت اور پرورش کے لیے اپنے نوکروں اور خادموں پر اعتماد کیا، تو ان کی ترقی رک جائے گی۔ کیونکہ ماں جس قدر توجہ اور سرگرمی سے اپنے بچوں کے لیے وقت صرف کرسکتی ہے، جتنے اخلاص اور دردمندی سے وہ کام کرسکتی ہے، اس کا سواں حصہ بھی اس کے علاوہ کسی اور میں نہیں پایا جاسکتا کیونکہ ماں کے اخلاص اور پرورش کی شدید خواہش کے پیچھے اس کے ممتا بھرے جذبات ہوتے ہیں اور اس معاملہ میں نوکروں اور ماتحتوں پر اعتماد کرنے سے تربیت اور پرورش کا وہ پہلا معیار قطعاً برقرار نہیں رہ سکتا۔ خواہ نوکروں سے کتنی ہی اعلیٰ درجے کی خدمت لی جائے۔ خواہ ترقی اور کمال کے لیے بڑے سے بڑا وسیلہ اختیار کیا جائے اور ان خیانتوں اور سستی اور غفلت سے صرف نظر کیا جائے، جس کا نوکروں کی طرف سے روزمرہ کی زندگی میں بارہا مشاہدہ کیا جاتا ہے۔

اور آج جو دفاتر میں کام کرنے والی ماؤں نے اپنا دودھ پلانے کی بجائے مصنوعی طریقہ استعمال میں لانا شروع کر رکھا ہے ہماری نظر میں یہ امانت میں خیانت ،حدود سے تجاوز اور سنت الٰہیہ کو بگاڑ دینے کے مترادف ہے۔ اس لیے کہ اللہ نے

عورت کو چھاتی اس لیے نہیں دی کہ نائٹ کلبوں میں اس کا مظاہرہ کیا جائے اور سڑکوں اور شاہراہوں پر اپنے حسن و جمال کی نمائش کی جائے۔ بلکہ اس کی تخلیق کا اصل مقصد یہی شیر خوارگی ہے پھر شیر خوارگی کا یہ عمل صرف ایک عضو کا استعمال نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے شفقت مادری اور مضبوط عہد و پیان کا رشتہ ہوتا ہے اور آج شیر خوارگی کے ان مصنوعی طریقوں کو دیکھ کر یہ اندیشہ محسوس ہوتا ہے کہ خدانخواستہ مستقبل میں ایسے طریقے نہ ایجاد کر لیے جائیں جن میں مرد کے نطفہ کو ماں کے رحم سے ہٹا کر کہیں اور اس کی پرورش کی جائے تا کہ عورت کو حمل کی مشقت اور خوبصورتی کے زائل ہونے کا اندیشہ نہ رہے۔

اس صدی کے آغاز میں اٹھنے والی تعلیم نسواں کی تحریک ابتدا میں بکثرت اس بات کا پروپیگنڈہ کرتی تھی کہ بچوں کی بہتر تعلیم و تربیت کے لیے یہ ضروری ہے کہ عورت خود بھی تعلیم و تربیت یافتہ ہو۔لیکن جب عورت زیور تعلیم سے آراستہ ہوئی تو یہ تحریک اپنا پچھلا پروپیگنڈہ خود بھول گئی یا بھلا دی گئی۔اور اب وہ یہ کہنے لگے کہ عورت مرد کے شانہ بشانہ مردوں کی طرح خود بھی کام کرے۔ظاہر ہے ان کا یہ عمل ان کے پچھلے پروپیگنڈے کے اندر موجود کھوٹ کی غمازی کرتا ہے اور پتہ چلتا ہے کہ اس پروپیگنڈے اور مشن کے پیچھے کون سے اغراض و مقاصد کارفرما تھے جو ان کے قول و فعل کے تضاد کا باعث بنے۔

علاوہ ازیں ہم چاہیں تو عورتوں اور خود اپنے آپ کے دشمن ان لوگوں کو جنھیں اخبارات اور رسالے عورتوں کے نام نہاد حامی اور معاون لکھتے آرہے ہیں یہ کہہ سکتے ہیں کہ دیکھو! عورت محنت کی عادی نہیں نہ ایسے تمام کاموں کو وہ انجام دے سکتی ہے جنھیں مرد کرنے کی سکت رکھتا ہے۔ کیونکہ تکوینی طور پر عورت مہینہ میں کم وبیش ایک ہفتہ حیض سے ہوتی ہے۔ یہ حالت قریب قریب مرض کی حالت ہے۔ جس کے تحت عورت روزمرہ کے بہت سارے کام حسب معمول انجام نہیں دے

سکتی۔اس کے بعد جب اسے حمل ٹھہرتا ہے تو قرار حمل کے ابتدائی دنوں میں اسے کافی تکالیف اور متعدد بیماریاں آگھیرتی ہیں۔حمل کے آخری دنوں میں اس کی حالت کبھی ایسی ہوجاتی ہے جیسے اس کا بدن ٹوٹ کر شل ہوگیا ہو۔ پھر ایک مزدور عورت اگر غیر شادی شدہ ہے تو اس کا المیہ یہ ہے کہ اسے مناسب شوہر کی تلاش ہوتی ہے، وہ یہ کوشش کرتی ہے کہ ایسی ہر جگہ سے صاف بچ کر نکل جائے، جہاں اس کی نگاہیں خیرہ اور نظریں چکا چوند ہوتی ہوں۔اور بچ کر یہ نکل جانا کبھی اس کے لیے نئے شوہر کی تلاش سے زیادہ خطرناک اور مشکل ہوجاتا ہے۔

عورت کے ان دوست نما دشمنوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ عورت کا گھر بیٹھے رہنا اس کے حقوق کو تلف کرنے اس کی شخصیت کو ختم کرنے اور اس کے وجود کو تہس نہس کر دینے کے برابر ہے۔ حالانکہ جیسے زنگی کو الٹے کافور کہا جاتا تھا اسی کے مصداق یہ بھی ہوگا کہ جو محفوظ ہو جس کی خدمت کی جائے اور جس کی ایک ایک ضرورت پوری کی جائے ایسی ذات کو آزادئ نسواں جیسی کتابوں کے مصنف کی طرح ہم قیدی اور نظر بند کا نام دینے لگیں۔ حالانکہ یہ واقعہ ہے کہ ایک عورت پردے کے پیچھے رہ کر بھی باعزت، شان وشوکت والی اور اپنے شوہر پر حکومت کرنے والی ہوتی ہے۔اسے کسی دن یہ احساس نہیں ہوتا کہ اس کے حقوق پامال کیے گئے ہیں یا وہ مظلوم و مجبور ہے، یا قیدی اور نظر بند ہے یا اس کی عزت نفس داغدار اور شخصیت مجروح ہوچکی ہے۔ بلکہ اس قسم کی نفرت کا مظاہرہ آئے دن انھی اہل قلم لوگوں کی تحریروں سے ہوتا ہے جو نام نہاد ''حقوق نسواں'' کا بینر لگا کر نکل پڑے ہیں۔ اس ذہنیت کا شکار صرف مرد ہیں عورتیں ان کے ساتھ قطعی شریک نہیں ہیں۔اور ان کا مقصد مرد وزن دونوں کی زندگی بگاڑنے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ پھر زندگی تو درحقیقت سکون و اطمینان کا نام ہے جس میں لوگ اپنے لیے برکت اور ثابت قدمی کی راہیں تلاش کرسکیں۔ جب کہ اس نام نہاد تحریک کی پیدا کردہ

عورتوں مردوں کے اندر اس یورش اور بغاوت کی غرض صرف یہ ہے کہ ان کے اندر سکون اور چین کے بجائے کشمکش، اضطراب اور بے چینی پیدا کی جائے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہر دو کے اندر محبت اور رأفت و رحمت پیدا ہو، تا کہ کائنات کی آباد کاری اور نسل انسانی کی حفاظت اور بقا کا مرحلہ آسان ہو۔

صحت مند سماج کی بنیاد ہی ہمیشہ باہم میل محبت، رحم دلی اور سچائی پر مبنی ہوتی ہے۔ تا کہ سماج کا ہر فرد خوشی خوشی اپنا فرض منصبی انجام دے سکے۔ اسے کسی اکتاہٹ اور بے چینی کا احساس نہ ہو۔ سماج کی حالت ایک جسم کی ہوتی ہے جس کا ہر عضو اپنا کام کرنے اور اپنی ڈیوٹی پوری کرنے کا پابند ہوتا ہے۔ اگر ایک عضو بھی اپنے فرض منصبی کی ادائیگی سے رک جاتا ہے تو پورا نظام بگڑ کر رہ جاتا ہے۔ یہ اللہ کی بے عیب اور بلند ذات بابرکات ہے جس نے ہر چیز کو مناسب طریقے سے پیدا فرمایا، پھر اسے راستہ پر لگا دیا۔ اسی نے ایک ایک فرد کو اور کائنات کے ذرے ذرے کو خواہ وہ حیوانات و نباتات یا جمادات ہوں، یا کوئی اور ہوں، غرض سب کو خاص کاموں کے لیے پیدا کر رکھا ہے۔ ان کے اندر مناسب طبیعتیں بنائی ہیں اور انھی کاموں کا انھیں خوگر بنا ڈالا ہے۔ ہماری موجودہ اور نئی سے نئی زندگی اپنے ہر میدان میں بس اسی شاہراہ پر گھومتی ہے علم وحکمت کا صیغہ ہو، یا صنعت وحرفت کا کل پرزہ ہو۔ آج ہر پہیہ بڑی باریکی، نزاکت اور صفائی کے ساتھ اسی ڈگر پر گھوم رہا ہے جہاں اسے جوڑ دیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں ترقی و تربیت کے جدید اصول اس کے لیے کوشاں ہیں کہ تحقیق و جستجو کے بعد بچوں اور بچیوں کی مخفی صلاحیتوں کو اجاگر کیا جائے، تا کہ ہر کوئی اپنے تکوینی فرائض اور مخصوص ذمہ داریوں کو انجام دے سکے۔ جب دیگر عناصر کے لیے اس قسم کی تخصیص اور مناسب کارکردگی کی کوشش کی جاتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ مردوں عورتوں کے لیے اس کے مخالف کوشش کی جائے اور ان کے تکوینی کاموں سے انہیں علیحدہ

رکھا جائے۔

سچ پوچھیے تو ایک مرد جو گھر کے باہر کام کرتا ہے اور محنت و مشقت کے بعد تھک کر چور ہوجاتا ہے، اسے ایسی بیوی کی ضرورت ہوتی ہے جو آراستہ و پیراستہ ہو، خوشبو میں بسی ہوئی ہو، آسودہ حال اور فارغ البال ہو، جس سے مرد سکون حاصل کرے اس کی قربت سے اس کی تھکن کافور ہو، پژمردگی اور اس کی ایک ایک پریشانی کا ازالہ ہو۔ لوگوں کے ساتھ مصروف رہ کر تنگی اور شکر رنجی جو طبیعت میں بس جائے اور جس اکتاہٹ کا وہ شکار ہو اس سب کا خاتمہ ہو۔ اس کے بجائے اگر عورت نے محنت مشقت کے میدان میں قدم رکھا تو شوہر اور بال بچوں کی رعایت وہ بھلا کیسے کرے گی اس لیے کہ کام کے بعد وہ بھی تھک کر چور لوٹے گی جیسے ابھی ابھی مرد لوٹا ہے۔ اب تھکا ہوا تھکے ہوئے سے کس طرح تسلی پا سکتا ہے؟ ان میں سے کس کا دل گردہ ہے جو بچوں کے ساتھ ہنسی مذاق اور دل لگی کرے، ان کی تربیت اور انہیں خوش رکھنے کے پتّہ مارنے والے کام کو باآسانی انجام دے سکے۔ اور اگر خدانخواستہ مرد و زن نے یہ وطیرہ اختیار کرلیا تو ان کی زندگی کا بس اللہ ہی نگہبان ہے۔ اس صورت میں ان کی زندگی اذیت و تکلیف اور بدبختی کا دوسرا نام ہوگی، اور پھر سماج کے یہ افراد خواہ مرد، عورت ہوں یا جوان اور بچے ہوں، ان کی حیثیت زندگی کی مشینری میں ان بے جان کل پرزوں کی سی ہوگی جن کی قسمت میں سکون اور ٹھہراؤ نہیں۔ ان کا کام بس چلتے رہنا اور گھستے رہنا ہے۔

ہر بصیرت اور ادنیٰ شعور رکھنے والا اس حقیقت کو سمجھ سکتا ہے کہ اس پہلو سے آج امریکن اور یورپین سماج پر ذلت اور ناکامی کے آثار چھائے ہوئے ہیں اور ابھی تو یہ آثار اور بھی گہرے ہوں گے اس لیے کہ تمام خرابیاں ابھی جڑ تک نہیں پہنچیں۔ بہرکیف یورپ کی موجودہ ذلت کی ماری نئی پود کا تعلق ایسے ماں باپ سے ہے، جو حیران و پریشان اور گم کردہ راہ ہیں جن کے اعصاب ٹوٹ چکے ہیں، جن کے

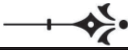
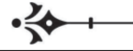
افکار پراگندہ اور جن کے دل سخت بے چینی کا شکار ہیں اور گراوٹ کا یہ اونچا تناسب......جس کے کل اعداد وشمار کو مغربی ماہرین نے فراہم کیا ہے اس کے اندر بے راہ روی اور کجی اپنے پورے رنگ اور پوری نوعیت کے ساتھ جھلکتی نظر آتی ہے یہ مظاہر اور آثار اس تجربہ کے آئینہ دار ہیں جو یورپ نے عورت کے اوپر اب تک کئے ہیں۔ اس لیے کہ یہ نئی نسل تمام تر انھی مزدور اور ملازم پیشہ خواتین کی اولاد ہیں، جنھوں نے ماں کے پیٹ سے مشقت اور کام کے دباؤ کو محسوس کیا ہے۔ اور جب انھوں نے جنم لیا تو یہ ان کی سستی، غفلت اور بے توجہی کا شکار ہوئے۔ اس تجربے کے ناکام ہونے کے بعد کیا پھر کوئی کسی قسم کے تجربے کی جرأت کر سکتا ہے؟ کیا لوگ اب بھی غور وفکر نہیں کریں گے؟

عورتوں کے ان نام نہاد حمایتیوں کے پاس ان کے گمان کے مطابق جو دلیل اور ثبوت ہیں جن کی بنیادیں تمام تر مغالطے پر مبنی ہیں۔ ان کا سب سے بڑا مغالطہ یہ ہے جو وہ سمجھتے ہیں کہ عورت کے گھر میں رہنے سے تقریباً آدھا سماج معطل اور بیکار ہو کر رہ جائے گا۔ گویا ان کے کہنے کا منشا یہ ہے کہ عورت کے لیے گھر میں کوئی کام نہیں ہے۔

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ عورتوں کی گھریلو ذمہ داری، شوہر کی نگہداشت اور خدمت، بال بچوں کی تربیت اور پرورش اور ان کی طرح طرح کی ضروریات کی تکمیل بذات خود اتنی اہم ہوتی ہے جو عورتوں کا پورا وقت لے لیتی ہے بشرطیکہ عورت کما حقہ اس فریضہ کو انجام دے۔ ورنہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ فرائض کی تکمیل کے لیے پھیلا ہوا وقت بھی تنگ پڑ جاتا ہے۔ ہمارے اس دعوے پر مسکت دلیل جو مخالف کو تقریباً خاموش کر سکتی ہے وہ یہ ہے کہ کام کرنے والی مزدور خواتین ہمیشہ یہ عذر پیش کرتی ہیں کہ جو کام وہ نہیں کر سکتیں ان کی تلافی کے لیے کچھ مرد یا عورت ملازم رکھ لیے جائیں۔ ظاہر ہے اس صورت میں حکومت کی آمدنی میں کون سی ایسی کمائی

یا اضافہ ہوسکتا ہے کہ عورت گھر کے باہر کام کے لیے نکلے۔ اور اس کے پیچھے پیچھے ایک یا دو آدمی ایسے ہوں جنھیں وہ کام سے الگ کیے رہے۔ کیا اس کو اقتصادیات کی اصطلاح میں نفع بخش آدمی کہا جاسکتا ہے اور کیا یہ خود خرابی اور خلل کا پیش خیمہ نہیں ہے کہ عورت گھر کے باہر مردوں کا کام کرے اور کام کرنے والے لوگوں میں سے ایک یا دو آدمی کم ہو کر گھر میں اس عورت کے چھوڑے ہوئے کاموں کو انجام دیں۔ اور اس طرح باضابطہ اور بے ضابطہ ایسے بیکار لوگ لسٹ میں باقی رہیں جن کے نقصان کا کوئی اثر منافع یا خسارے کے بجٹ میں کہیں نظر نہ آئے۔ اور اگر اس کو درست تسلیم کیا گیا کہ سماج کے نصف بے کار مزدوروں کو کام ملے اس لیے عورت کو کام میں لگانا چاہیے۔ تو اس سے تو یہ لازم آئے گا کہ سماج کے جملہ مزدوروں کو کام سے ہٹا دیا جائے تا کہ ایک عورت کو عوامی کام دیا جاسکے۔''[1]

[1] ہمارے قلعوں کو درپیش اندرونی خطرات، ص: 147-153۔ بحوالہ تحفۃ العروس، ص: 303-310

حقوقِ مرداں

یعنی

بیوی کے ذمّے خاوند کے حقوق

بیوی کے ذمے خاوند کے حقوق

مرد کے ذمے بیوی کے جو حقوق ہیں جن کا ادا کرنا مرد کے لیے ضروری ہے، ان کی تفصیل گزشتہ صفحات میں بیان ہوئی ہے۔اب ملاحظہ فرمائیں مرد کے وہ حقوق جو ایک عورت (بیوی) پر عائد ہوتے ہیں یعنی جن کا ادا کرنا عورت کے لیے ضروری ہے۔

مرد اور عورت انسانی زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں، دونوں پہیے رواں دواں ہوں گے یعنی دونوں کی کارکردگی صحیح اور یکساں ہوگی تو دونوں کی زندگی، جو ایک ہی گاڑی کے سوار ہیں، نہایت خوش گوار گزرے گی، اسی طرح میاں بیوی اگر ایک دوسرے کے حقوق وفرائض صحیح طریقے سے اور خوش اسلوبی سے ادا کریں گے تو زندگی کے تمام نشیب وفراز میں وہ کامیاب اور سرخ رو رہیں گے، ان کے ملاپ سے ہونے والی نسل بھی سرسبز وشاداب ہوگی جن کے ثمرات وفوائد سے یہ دونوں میاں بیوی بھی فیض یاب ہوں گے اور یہ سعادت منداولا دان کے لیے عصائے پیری (بڑھاپے کا سہارا) ثابت ہوگی۔

امہات المومنین کے لیے بیان کردہ احکام میں تمام مومنات کے لیے رہنمائی

سب سے پہلے ان عمومی صفات کا تذکرہ کیا جاتا ہے جن سے ہر مومن عورت کو مُتَّصف ہونا چاہیے، ان صفات سے آراستہ عورت کے لیے ان خصوصی صفات کا اپنے اندر پیدا کرنا آسان ہوجاتا ہے جو شوہر کے حقوق کی ادائیگی کے لیے ضروری ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے لیے، جن کو اس نے امہات المومنین (مومنوں کی مائیں) قرار دیا ہے، قرآن مجید میں چند احکام بیان فرمائے ہیں۔فرمایا:

﴿يٰنِسَآءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَاَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ اِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ وَّقُلْنَ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝٣٢ وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْاُوْلٰى وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ۝٣٣ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ لَطِيْفًا خَبِيْرًا ۝٣٤﴾ (الأحزاب 33:32:34)

”اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تم متقی و پرہیزگار ہو تو (کسی بھی غیر محرم سے) آہستگی اور نرمی سے (لوچ دار لہجے میں) بات نہ کیا کرو کہ پھر وہ شخص، جس کے دل میں روگ ہو، طمع و لالچ کرنے لگے، اور تم سیدھی صاف اچھی بات (سختی سے) کہا کرو۔ اور تم اپنے گھروں میں ٹک کر رہو، اور گزشتہ دورِ جاہلیت کی طرح اپنی زیب و زینت کی نمائش نہ کرتی پھرو، اور نماز قائم

کرو اور زکوٰۃ دو، اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اے اہل بیت! بس اللہ تو چاہتا ہے کہ وہ تم سے ناپاکی دور کردے، اور تمھیں بالکل پاک صاف کردے۔ اور تمھارے گھروں میں جو اللہ کی آیات اور سنت (کی باتیں) پڑھی جاتی ہیں وہ یاد کرو۔ یقیناً اللہ نہایت باریک بین، خوب باخبر ہے۔''

ان آیات کی مختصر تفسیر حسب ذیل ہے:

1. پہلے جملے میں فرمایا: تمھاری حیثیت اور تمھارا مرتبہ عام عورتوں کا سا نہیں ہے بلکہ اللہ نے تمھیں رسول اللہ ﷺ کی زوجیت کا جو شرف عطا فرمایا ہے اس کی وجہ سے تمھیں ایک خاص امتیازی مقام حاصل ہے چنانچہ انھیں ان کے مقام و مرتبے سے آگاہ کرکے انھیں کچھ ہدایات دی جارہی ہیں۔ ان کی مخاطب اگرچہ ازواج مطہرات ہیں لیکن انداز بیان سے صاف واضح ہوتا ہے کہ مقصد پوری امت مسلمہ کی عورتوں کو سمجھانا اور متنبہ کرنا ہے اس لیے یہ ہدایات تمام مسلمان عورتوں کے لیے ہیں۔
2. اللہ تعالیٰ نے عورت کے وجود کے اندر مرد کے لیے جنسی کشش رکھی ہے (جس کی حفاظت کے لیے بھی خصوصی ہدایات دی گئی ہیں تاکہ عورت مرد کے لیے فتنے کا باعث نہ بنے۔) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی آواز میں بھی فطری طور پر دل کشی، نرمی اور نزاکت رکھی ہے جو مرد کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ بنابریں اس آواز کے لیے بھی یہ ہدایت دی گئی ہے کہ مردوں سے گفتگو کرتے وقت قصداً ایسا لب ولہجہ مت اختیار کرو جس میں نرمی اور لطافت ہو بلکہ قاعدے کے مطابق کلام کرو تاکہ کوئی بد باطن لہجے کی نرمی سے تمھاری طرف مائل نہ ہو اور اس کے دل میں برا خیال پیدا نہ ہو۔
3. بات اگرچہ نرم لہجے کے ساتھ کرنا منع ہے تاہم زبان سے ایسا لفظ بھی نہ نکالنا جو معروف قاعدے اور اخلاق کے منافی ہو۔

❹ {إِنِ اتَّقَيْتُنَّ} کہہ کر اشارہ کر دیا کہ یہ بات اور دیگر ہدایات جو آگے آ رہی ہیں، متقی عورتوں کے لیے ہیں کیونکہ انھیں ہی یہ فکر لاحق ہوتی ہے کہ ان کی آخرت برباد نہ ہو جائے۔ جن کے دل خوف الٰہی سے عاری ہیں انھیں ان ہدایات سے کیا تعلق؟ اور وہ کب ان ہدایات کی پروا کرتی ہیں؟

❺ ''گھروں میں ٹک کر رہو۔'' اور بغیر ضروری حاجت کے گھر سے باہر نہ نکلو، اس میں وضاحت کر دی گئی کہ عورت کا دائرۂ عمل امور سیاست و جہانبانی نہیں، معاشی جھمیلے بھی نہیں بلکہ گھر کی چار دیواری کے اندر رہ کر امور خانہ سر انجام دینا ہے۔

❻ پھر گھر سے باہر نکلنے کے آداب بتلا دیے کہ اگر باہر جانے کی ضرورت پیش آ جائے تو بناؤ سنگھار کر کے یا ایسے انداز سے جس سے تمھارا بناؤ سنگھار ظاہر ہو، مت نکلو۔ جیسے بے پردہ ہو کر نکلو جس سے تمھارا سر، چہرہ، بازو اور چھاتی وغیرہ لوگوں کو دعوت نظارہ دے بلکہ بغیر خوشبو لگائے، سادہ لباس میں ملبوس اور باپردہ باہر نکلو۔

❼ ''تَبَرُّج'' بے پردگی اور زیب و زینت کے اظہار کو کہتے ہیں قرآن نے واضح کر دیا ہے کہ یہ تبرج جاہلیت ہے جو اسلام سے پہلے تھی اور آئندہ بھی جب کبھی اسے اختیار کیا جائے گا، یہ جاہلیت ہی ہوگی، اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے چاہے اس کا نام کتنا ہی خوش نما اور دل فریب رکھ لیا جائے۔ برائی سے اجتناب کی ہدایات کے بعد نیکی اختیار کرنے کی ہدایات دی جا رہی ہیں لیکن ضمناً ''اہل بیت'' کی وضاحت بھی فرما دی کہ اس سے مراد کون ہیں؟

❽ یہاں قرآن کریم کے سیاق سے واضح ہے کہ ازواج مطہرات نبی ﷺ کی بیویوں کو ﴿اهل البيت﴾ کہا گیا ہے۔ قرآن میں دوسرے مقامات پر بھی بیوی کو اہل بیت

کہا گیا ہے، مثلاً: (سورہ ہود 11 / 73) میں۔ اس لیے ازواج مطہرات کا اہل بیت ہونا نصِ قرآنی سے واضح ہے۔

بعض لوگ بعض روایات کی رو سے اہل بیت کا مصداق حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہم کو مانتے ہیں اور ازواج مطہرات کو اس سے خارج سمجھتے ہیں۔ لیکن ایسا سمجھنا قرآن کی صراحت کے خلاف ہے۔ حقیقت میں دونوں ہی اہل بیت ہیں۔ ازواج مطہرات تو اس نصِ قرآنی کی وجہ سے اور حضرت علی و فاطمہ اور حضرت حسن و حسین رضی اللہ عنہم ان روایات کی رو سے جو صحیح سند سے ثابت ہیں جن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی چادر میں لے کر فرمایا: اے اللہ! یہ میرے اہل بیت ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے تفسیر "فتح القدیر" للشوکانی رحمہ اللہ

9 جن نیکیوں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ان میں:

نماز پڑھنا ہے۔

زکوٰۃ ادا کرنا ہے۔

اللہ رسول کی اطاعت کرنا ہے۔

قرآن کریم کی تلاوت اور حکمت کی تلاوت کرنا ہے۔

حکمت سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے جس کو حدیث بھی کہا جاتا ہے۔

10 مذکورہ نیکیاں کرنے کا فائدہ کیا ہے؟ وہ بھی بیان فرما دیا، وہ تطہیر ہے یعنی گناہوں سے پاکیزگی اور اخلاق و کردار کی کمزوریوں سے پاکیزگی۔

جب ایک مسلمان چاہے مرد ہو یا عورت، مذکورہ احکام الٰہی کا پابند، اللہ رسول کی اطاعت کرنے والا اور قرآن و حدیث کو اپنے فکر و نظر اور علم و عمل کا محور بنا لے تو اس کے

عقائد کی بھی تطہیر ہوجاتی ہے اخلاق و کردار کا بھی تزکیہ ہوجاتا ہے اور آخرت کی زندگی سنوارنے کا جذبہ بھی توانا اور قوی ہوجاتا ہے جس کے بعد ہر برائی سے بچنا اور ہر نیکی کا کرنا اس کے لیے آسان ہوجاتا ہے۔ اور ایسے مسلمان مرد و عورت، جو حقوق اللہ کے پابند ہو جاتے ہیں، حقوق العباد کی ادائیگی میں کوتاہی کا ارتکاب بالعموم نہیں کرتے۔



مشترکہ حقوق

وہ حقوق جن کی ادائیگی میاں بیوی دونوں کے لیے ضروری ہے

اب ملاحظہ فرمائیں شوہر کے وہ حقوق جو عورت کے ذمے ہیں، یعنی جن کا ادا کرنا عورت کے فرائض میں داخل ہے۔لیکن اس سے پہلے چند وہ حقوق بیان کیے جاتے ہیں جو مرد وعورت کے درمیان مشترک ہیں یعنی دونوں ہی کو ان کی پاسداری کرنی ہوتی ہے۔مثلاً

1. پہلے یہ حدیث گزر چکی ہے کہ جس میں مرد کو عورت کے ساتھ گزارا کرنے کے لیے یہ گُر بتلایا گیا تھا کہ اس کی اگر ایک بات ناپسندیدہ ہوگی تو کچھ دوسری باتیں پسندیدہ بھی ہوں گی۔مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ کمزوریوں اور کوتاہیوں کو نظر انداز کر کے اگر خوبیوں پر نظر رکھی جائے تو پھر نباہ آسان ہوجاتا ہے۔حدیث میں یہ بات اگرچہ عورت کے حوالے سے بیان ہوئی ہے اور مخاطب مرد ہیں۔لیکن اگر عورت بھی اس پر عمل کرے اور خاوند کی کوتاہیوں کو نظر انداز کر کے اس کی خوبیوں پر نظر رکھے تو اس کے لیے بھی مرد کے ساتھ نباہ آسان ہوجائے گا، یعنی یہ نسخۂ نبوی یا نباہ کرنے کا گر دونوں (میاں بیوی) کے لیے نہایت مفید اور کارآمد ہے۔کاش مسلمان گھرانے اس پر عمل کرسکیں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ﴾ [البقرة216]

’’تم کسی چیز کو اچھی سمجھو، حالانکہ وہ تمہارے لئے بری ہو‘‘

(2) حسن معاشرت کے تقاضوں کو بیان کرتے ہوئے عرض کیا گیا تھا کہ مرد کسی بھی بات یا مسئلے کو انا اور وقار کا مسئلہ نہ بنائے۔ اسی طرح عورت کے لیے بھی یہی راستہ بہتر بلکہ مرد کے مقابلے میں زیادہ ضروری ہے۔ عورت کسی بھی مسئلے میں نہ اپنی رائے پر اصرار کرے اور نہ اسے انا کا مسئلہ بنائے۔ بلکہ خاوند کے قدم بہ قدم چلے۔ بالخصوص جب بچے جوان ہوجائیں تو ان کے رشتوں کے معاملے میں بعض دفعہ میاں بیوی کے درمیان اختلاف ہوجاتا ہے، عورت اپنے رشتے داروں میں اور مرد اپنے رشتے داروں میں رشتہ کرنا چاہتا ہے۔ ایسے موقعے پر کوئی بھی اسے اپنی انا کا مسئلہ بنائے، نہ رشتے داریوں کو دیکھا جائے بلکہ ایک تو شرعی معیار کو سامنے رکھا جائے، دوسرے بچے، بچی کے جذبات اور ان کی پسند کا خیال رکھا جائے۔

(3) خرچ کے معاملے میں عرض کیا گیا تھا کہ مرد نہ بخل کا ارتکاب کرے اور نہ فضول خرچی کا، بلکہ اعتدال اور میانہ روی کو اختیار کرے۔ عورت کو بھی ایسا ہی رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ اگر اخراجات اس کے ہاتھ میں ہوں تب بھی اور اگر خاوند کے ہاتھ میں ہوں تب بھی۔ اور وہ اس طرح کہ وہ مرد کو فضول خرچی یا بخل پر آمادہ نہ کرے۔ فضول خرچ عورت کے ناجائز مطالبات اکثر و بیشتر مردوں کو حرام ذرائع آمدنی اختیار کرنے پر مجبور کردیتے ہیں۔ عام طور پر جو لوگ کہتے ہیں کہ تنخواہ میں یا حلال آمدنی میں گزارا نہیں ہوتا، اس لیے رشوت یا ملاوٹ کے بغیر چارہ نہیں۔ اس کے پیچھے ایمانی کمزوری کے علاوہ ایسی ہی بیویاں ہوتی ہیں جو شوہر کی آمدنی کو دیکھے بغیر آئے دن ایسے مطالبات کرتی رہتی ہیں جو غیر ضروری ہوتے ہیں اور جن کو صرف حلال آمدنی سے پورا کرنا ممکن نہیں ہوتا۔

ظاہر بات ہے اس حرام خوری اور لوٹ کھسوٹ میں جو مرد محض عورت کے مطالبات کی وجہ سے ملوث ہوتا ہے تو عورت بھی برابر کی شریکِ جرم ہوگی۔

④ عدل و انصاف کا اہتمام جس طرح مرد کے لیے ضروری ہے جس کی ضروری تفصیل مردوں پر عورتوں کے حقوق کے ضمن میں گزر چکی ہے، اسی طرح عورت کے لیے بھی اس عدل کا اہتمام ضروری ہے، اس کو بھی قدم قدم پر اس کا خیال رکھنا ہے بالخصوص مشترکہ خاندان میں یہ نہایت ناگزیر ہے۔عورت ایسا رویہ ہرگز اختیار نہ کرے کہ جس کی وجہ سے مرد اپنی ماں سے یا اپنی بہنوں سے یا دوسری بیویوں سے (ایک سے زیادہ بیویاں ہونے کی صورت میں) بدظن ہوجائے اور وہ ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کا مرتکب ہونے لگے۔

مرد کی اس ناانصافی کی وجہ بالعموم عورت کا غیر منصفانہ رویہ ہی بنتا ہے خوفِ الٰہی رکھنے والی عورت کو اس سے دامن کشاں رہنا چاہیے اور گھر کے تمام افراد کے حقوق خوش دلی سے اور عدل وانصاف کے تقاضوں کو بروئے کار لاتے ہوئے ادا کرنے چاہئیں۔

⑤ جس طرح مرد کے لیے ضروری ہے کہ وہ بیوی سے بھرپور طریقے سے محبت کرے۔ اسی طرح عورت کا مستقبل بھی تب ہی خوش گوار ہوگا جب وہ ٹوٹ کر اپنے شوہر سے محبت کرے گی۔اس کے لیے جو جو طریقے اختیار کرنے ضروری ہیں، وہ ان کو سامنے رکھے اور ہر موقع پر انہیں اختیار کرے۔ایسا رویہ ہرگز اختیار نہ کرے کہ جو خاوند کے دل میں اس کے لیے نفرت کی اور کسی اور عورت کے لیے محبت کی تخم ریزی کردے۔

⑥ عورت مرد سے زیادہ مطالبات نہ کرے اور اس پر اتنا بوجھ نہ ڈالے جسے وہ اٹھا نہ سکے، اس سے بھی تعلقات میں ناخوش گواری پیدا ہوتی ہے جب کہ ضرورت زیادہ

سے زیادہ خوشگوار ماحول پیدا کرنے اور اس کو ہر وقت برقرار رکھنے کی ہے۔ اور ایسا تب ہی ہوسکتا ہے جب عورت بھی اپنی چادر کے مطابق ہی پاؤں پھیلائے۔

⑦ جس طرح مرد کے لیے ضروری ہے کہ وہ عورت کو عار نہ دلائے، جیسا کہ اس کی تفصیل گزری، اسی طرح عورت بھی مرد کو عار نہ دلائے اور دبی ہوئی چنگاری کو پھونکیں مار کر شعلہ نہ بنائے۔ اس سے اس کا اپنا گھر بھی بھسم ہوسکتا ہے۔

⑧ عورت زیب و زینت اختیار کرنے کی مرد سے زیادہ دل دادہ ہوتی ہے اور اس کی ضرورت بھی اس کو مرد سے زیادہ ہے۔ اس لیے اس میں وہ ہرگز کوتاہی نہ کرے، بالخصوص جب شام یا رات کو خاوند کے گھر آنے کا وقت ہو تو وہ صاف ستھرے لباس اور مناسب سولہ سنگھار سے آراستہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ خاوند جب بھی گھر میں آئے تو وہ گھر کی صفائی میں یا کھانا پکانے میں ایسی مصروف ہو کہ اس کو نہ اپنے لباس کا ہوش ہو اور نہ صفائی ستھرائی کا۔

تاہم زیب و زینت کے اختیار کرنے میں بھی اعتدال کو ملحوظ رکھا جائے اور آج کل زیب و زینت کے نام پر جس طرح اپنا حلیہ بگاڑ لیا جاتا ہے۔ یا سامان آرائش و زیبائش میں پانی کی طرح پیسہ بہایا جاتا ہے۔ یہ دونوں ہی باتیں غلط ہیں۔ اسی طرح میک اپ کے لیے بیوٹی پارلروں کا سہارا لینے کا بھی کوئی جواز نہیں ہے۔ ان تمام فضولیات اور بے جا اخراجات سے دامن بچاتے ہوئے مناسب زیب و زینت (پرانے روایتی انداز سے) اختیار کر لینا کافی ہے جس میں نہا دھو کر یا ہاتھ منہ دھو کر صاف ستھرا لباس پہننا داخل ہے۔

⑨ میاں بیوی کے درمیان راز کی باتیں اور خلوت کی پُرلطف سرگرمیوں کی تفصیل دوستوں

کے سامنے بیان کرنا، جس طرح مرد کے لیے جائز نہیں اسی طرح عورت کے لیے بھی اس کا جواز نہیں ہے، عورت بھی اپنی سہیلیوں میں ان کی تفصیل بیان کرنے سے گریز کرے، یہ بہت بڑا گناہ ہے چاہے مرد کرے یا عورت۔ اس پر دنیا و آخرت میں عذاب الیم کی شدید وعید وارد ہے۔

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۙ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ [النور 19]

''جو لوگ اہل ایمان میں بے حیائی کے پھیلنے کو پسند کرتے ہیں، ان کے لیے دنیا و آخرت میں دردناک عذاب ہے۔''

10 خاوند اگر دینی شعور سے بے بہرہ ہے اور عورت دینی تعلیم سے آراستہ ہے تو عورت بتدریج اس کو دینی تعلیمات سے آگاہ کرے، اس کو مساجد میں خطبات جمعہ سننے، علماء کے دروس و خطابات سننے کی ترغیب دے اور اس کو دینی لٹریچر بالخصوص قرآن کریم کی تفسیر اور سیرت کی کتابیں پڑھنے پر آمادہ کرے تاکہ دونوں مل کر گھر میں دینی ماحول پیدا کریں اور اپنی نسل نو کی دینی ماحول میں تربیت کریں۔

11 دونوں میاں بیوی ایک دوسرے کو دین پر عمل کرنے کی ترغیب دیں، ایمان و تقویٰ والی زندگی اختیار کرنے کی کوشش کریں اور دین کے حوالے سے جو کوتاہیاں اور کمزوریاں ہوں، وہ ایک دوسرے کو تبلیغ و تلقین کے ذریعے سے دور کریں۔ جیسے ایک حدیث میں ایسے میاں بیوی کے لیے یہ فضیلت وارد ہوئی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلًا قَامَ مِنَ اللَّیْلِ فَصَلّٰی، وَأَیْقَظَ اِمْرَأَتَهُ، فَإِنْ أَبَتْ نَضَحَ فِی وَجْهِهَا الْمَاءَ، رَحِمَ اللّٰهُ امْرَأَةً قَامَتْ مِنَ اللَّیْلِ فَصَلَّتْ وَأَیْقَظَتْ زَوْجَهَا فَإِنْ أَبٰی

نَضَحَتْ فِي وَجْهِهِ الْمَاءَ»۔ [1]

''اس آدمی پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے جو رات کو اٹھ کر نماز پڑھتا ہے اور اپنی بیوی کو بھی اس کام کے لیے جگاتا ہے، اگر وہ نہیں اٹھتی تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارتا ہے (تاکہ اس کے لیے اٹھنا آسان ہو جائے) اس عورت پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے جو رات کو اٹھ کر نماز پڑھتی ہے اور اپنے خاوند کو بھی اٹھاتی ہے، اگر وہ انکار کرتا ہے تو اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے مارتی ہے (تاکہ وہ بیدار ہو جائے اور نماز پڑھے)۔''

جب نفلی نماز کے لیے ایک دوسرے کو آمادہ کرنے کی یہ فضیلت ہے کہ اللہ کے رسول ان کے لیے دعائے رحمت فرما رہے ہیں تو فرضی نماز میں ایک دوسرے کو سستی نہ کرنے دینا اور اس کی پابندی کروانا اور اس طرح دیگر احکامِ الٰہیہ اختیار کرنے کی ترغیب دینا کتنا فضیلت والا عمل ہوگا؟

اور جب دونوں میاں بیوی اس طرح مل جل کر دین کی پابندی کریں گے تو پھر زندگی کے تمام معاملات میں ان کے لیے دین پر عمل کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئے گی، کیونکہ دونوں دین کے شناسا اور دین پر عمل کرنے کے جذبے سے سرشار ہوں گے۔ علاوہ ازیں پھر نوجوان اولاد کو بھی دین سے سرتابی کرنے کی اور رسم دنیا کو اہمیت دینے کی جرأت نہیں ہوگی۔ وَفَّقَنَا اللهُ وَإِيَّاكُمْ لِمَا يُحِبُّ وَيَرْضٰى۔

﴿12﴾ اپنے بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کا اہتمام بھی دونوں میاں بیوی کی مشترکہ ذمے داری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے خطاب کر کے فرمایا ہے جس میں مرد اور عورت دونوں شامل ہیں:

---

[1] سنن أبي داود: أبواب قيام الليل، باب قيام الليل، حديث: 1308

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا﴾ [التحریم 6]

''اے ایمان والو! تم اپنے کو بھی اور اپنے اہل (گھر والوں) کو بھی آگ سے بچاؤ۔''

اسی طرح حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«أَلَا كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْؤُلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ»

''تم سب کے سب نگران اور رکھوالے ہو اور تم سب سے ان لوگوں کی بابت پوچھا جائے گا جن کے تم نگران اور رکھوالے ہو۔''

اسی حدیث میں آگے فرمایا:

''امام اعظم (خلیفۂ وقت) لوگوں کا رکھوالا ہے، اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ آدمی اپنے گھر والوں کا رکھوالا ہے، اس سے اس کی رعیت (اہل خانہ) کی بابت پوچھا جائے گا اور عورت اپنے خاوند کے گھر والوں پر نگران ہے اور اس سے ان کی بابت پوچھا جائے گا......۔''[1]

قرآن کریم اور فرمان رسول کی رو سے جس طرح میاں بیوی دونوں کو اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچانا ہے، اسی طرح دونوں کی یہ ذمے داری بھی ہے کہ اپنی اولاد کو بھی دین کا اور احکام شرعیہ کا پابند بنائیں تاکہ وہ بھی جہنم کا ایندھن بننے سے بچ جائیں۔

جو والدین اپنے بچوں کی دنیوی تعلیم کا، ان کی پوشاک و خوراک کا، ان کی پر آسائش رہائش کا اور دیگر تمام ضروریات کا اپنی طاقت کے مطابق اہتمام کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ اعلیٰ ڈگریاں حاصل کرکے بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہو جاتے ہیں یا تجارت و کاروبار میں کامیابیاں حاصل کرتے ہیں اور دنیا بھر کی آسائشوں اور سہولتوں سے بہرہ ور

---

[1] صحيح البخاري: كتاب الأحكام، باب قول الله تعالى «أطيعوا الله وأطيعوا الرسول...» حديث: 7138

ہوجاتے ہیں لیکن وہ دین وشریعت سے ناآشنا اور احکام وفرائض اسلام سے بیگانہ اور غافل رہتے ہیں۔ ظاہر بات ہے کہ ان کی دنیا کی چندروزہ زندگی تو آرام وراحت سے گزر جائے گی، لیکن ان کی آخرت کی دائمی زندگی جو برباد ہوجائے گی، اس کی ذمے داری سے والدین کو کس طرح بری قرار دیا جاسکے گا؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ ایسے بچے قیامت کے دن بارگاہ الٰہی میں یہ عرض کریں جس کا نقشہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کھینچا ہے۔

﴿ يَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوهُهُمْ فِي النَّارِ يَقُولُونَ يَٰلَيْتَنَآ أَطَعْنَا ٱللَّهَ وَأَطَعْنَا ٱلرَّسُولَا ۝٦٦ وَقَالُوا۟ رَبَّنَآ إِنَّآ أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَأَضَلُّونَا ٱلسَّبِيلَا ۝٦٧ رَبَّنَآ ءَاتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ ٱلْعَذَابِ وَٱلْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيرًا ۝٦٨ ﴾ [الأحزاب 66-68]

”جس دن آگ میں ان کے چہرے الٹ پلٹ کیے جائیں گے تو وہ کہیں گے: اے کاش! ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی، اور ہم نے رسول کی اطاعت کی ہوتی۔ اور وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! بے شک ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کی اطاعت کی، تو انھوں نے ہمیں گمراہ کردیا۔ اے ہمارے رب! ان کو دوگنا عذاب دے اور ان پر بڑی سخت (اور زیادہ) لعنت کر۔“

(13) اسلام میں فرصت کے اوقات کو غنیمت سمجھتے ہوئے ان کو زیادہ سے زیادہ اللہ کے ذکر میں، تلاوت قرآن میں، نوافل میں اور اسی طرح کے دیگر نیکی کے کاموں میں صرف کرنے کا حکم ہے کیونکہ انسانی زندگی کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ ان لمحات کو لایعنی مصروفیات میں، لغویات میں اور بے ہودہ لہو ولعب میں برباد کردینا کوئی دانش مندی نہیں ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا ہے:

«نِعْمَتَانِ مَغْبُونٌ فِيهِمَا كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ، الصِّحَّةُ وَالْفَرَاغُ» [1]

”دو نعمتیں ہیں جن کی قدر و قیمت کو نہ سمجھنے والے لوگ زیادہ ہوں گے اور پھر

---

[1] صحيح البخاري: كتاب الرقاق، باب لا عيش إلا عيش الآخرة حديث: 6412

کفِ افسوس ملیں گے (وہ کون سی ہیں؟) صحت اور فرصت۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے پیغمبر ﷺ سے فرمایا:

﴿فَاِذَا فَرَغۡتَ فَانۡصَبۡ ۙ﴿۷﴾ وَ اِلٰی رَبِّکَ فَارۡغَبۡ ﴿۸﴾﴾ [الم نشرح 8,7]

’’جب آپ فارغ ہوجائیں تو محنت کریں اور اپنے رب ہی کی طرف رغبت کریں۔‘‘

فارغ سے مراد ہے۔ نماز سے، یا دعوت و تبلیغ سے، یا جہاد سے اور اسی طرح کے دیگر فرائض سے فارغ ہوجائیں تو نفلی عبادات اور ذکر و دعا میں اتنی محنت کریں کہ آپ تھک جائیں اور ہر معاملے میں اسی کی طرف رجوع اور رغبت کریں۔

دوسرے مقام پر اللہ نے کامیاب ہونے والے مومنوں کی صفات میں ایک صفت یہ بیان فرمائی:

﴿وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَنِ اللَّغۡوِ مُعۡرِضُوۡنَ ۙ﴿۳﴾﴾ [المومنون 3]

’’وہ لغو باتوں سے اعراض کرنے والے ہیں۔‘‘

ایک اور مقام پر عبادالرحمن (اللہ کے خاص بندوں) کی خاص صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَ اِذَا مَرُّوۡا بِاللَّغۡوِ مَرُّوۡا کِرَامًا ﴿۷۲﴾﴾ [الفرقان 72]

’’اور جب کسی لغو کام پر ان کا گزر ہو تو وہ عزت و وقار (خاموشی) سے گزر جاتے ہیں اس میں شریک نہیں ہوتے۔‘‘

لغو کیا ہے؟ لغو ہر وہ کام اور ہر وہ بات ہے جس کا کوئی فائدہ نہ ہو، یا اس میں دینی یا دنیوی نقصان ہو۔ ان سے اعراض کا مطلب ہے، ان کی طرف التفات بھی نہ کیا جائے چہ جائیکہ انھیں اختیار اور ان کا ارتکاب کیا جائے یا ان میں شرکت کی جائے۔

ہمارے معاشرے میں لغویات یعنی بے فائدہ یا نقصان دہ چیزیں عام ہیں جن کو ہم

اختیار کرتے ہیں یا ان میں شرکت کرتے ہیں۔

۞ جیسے گپ شپ کی محفلیں۔

۞ چغلی اور بدگوئی کی محفلیں۔

۞ بدعات کی محفلیں اور بدعی کام۔

۞ شادی بیاہ کی بہت سی رسومات، جیسے مہندی، ڈھولکی وغیرہ۔

۞ کھیلوں کے میچ، جن کو گھنٹوں ٹی وی پر دیکھا جاتا ہے۔

۞ فحش ڈرامے، فلمیں اور اسی طرح کے دیگر بہت سے پروگرام۔

۞ شطرنج، تاش، لڈو وغیرہ اور آج کل کے بعض جدید کھیل۔

۞ عشقیہ اور جاسوسی ناول اور افسانے، کہانیاں وغیرہ۔

اور اس طرح کی متعدد سرگرمیاں اور حرکتیں۔

یہ سب تقاضائے ایمان کے خلاف ہیں۔ مومن مرد ہو یا عورت، بوڑھا ہو یا جوان، ان پڑھ ہو یا تعلیم یافتہ، سب کو ان سے اجتناب کرنا چاہیے اور وہی کام کرنے چاہئیں جن کا کوئی دینی یا دنیوی فائدہ اور شریعت میں ناپسندیدہ نہ ہو۔

علاوہ ازیں ٹیلی ویژن اس دور کی ایسی شیطانی ایجاد ہے جو متعدد خرابیوں اور نافرمانیوں کا مجموعہ ہے، ان سے معصوم بچوں کے اخلاق و کردار بھی بگڑتے ہیں، بچے دین سے دور ہوتے ہیں، ان کی پڑھائی میں اس سے بہت خلل پڑتا ہے، بچوں کی آنکھیں بھی اس سے متاثر ہوتی ہیں، وقت کا ضیاع ہوتا ہے، اس کی وجہ سے راتوں کو دیر سے سونا اور صبح دیر سے اٹھنا معمول بن جاتا ہے جس سے نمازیں بالخصوص فجر کی نماز اکثر ضائع ہو جاتی ہے۔

کیبل اور انٹرنیٹ اور موبائل تو ٹی وی سے بھی زیادہ خطرناک اور مذکورہ خرابیوں کے مظہر ہیں۔ ان سب سے اپنی اولادوں کو بچانا میاں بیوی دونوں کا مشترکہ فریضہ ہے۔ اگر گھر ان لعنتوں سے پاک ہے تو نہ عورت کو ان چیزوں کو لانے اور گھر میں رکھنے کا مطالبہ کرنا چاہیے اور نہ مرد ہی کو بیوی یا بچوں کی خواہش پر ان کا انتظام کرنا چاہیے۔

دونوں کو مل کر بے حیائی کے اس طوفان سے، ایمان واخلاق کے اس غارت گر سیلاب سے اور الحاد وزندقہ کے اس شیطانی جھکڑ سے اپنے گھر کو اور اپنی اولاد کو بچانے کی سعی کرنی چاہیے۔

⑭ موبائل فون بلاشبہ ایک ناگزیر ضرورت بن گئے ہیں۔ لیکن موبائل کمپنیوں نے پیسے کمانے کے لالچ میں جو سستے پیکج عام کر دیے ہیں، جس کی وجہ سے چند روپوں سے آپ گھنٹوں باتیں کر سکتے ہیں۔ اس ارزانی نے نوجوان بچوں اور بچیوں کے درمیان ناجائز مراسم اور رابطوں کو بہت آسان کر دیا ہے۔ اس کے جو خطرناک معاشرتی نتائج نکل رہے ہیں، وہ محتاج وضاحت نہیں۔

بنابریں نوجوان بچوں، بچیوں کو موبائل رکھنے کی اجازت کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت ونگرانی کا مؤثر انتظام کرنا بھی دونوں میاں بیوی کی نہایت اہم ذمے داری ہے۔ اسی طرح کزنوں کے ساتھ اور تعلیمی اداروں میں ایک ساتھ پڑھنے والوں کے ساتھ بچیوں کے تعلقات پر بھی نظر رکھیں۔ ان سے تھوڑا سا میل جول اور معمولی سا ربط وتعلق موبائل کے ذریعے سے پروان چڑھتا ہے اور اس کے ذریعے سے باہم گفتگو اور پیغام رسانی فاصلوں کو کم کرتے کرتے قربتوں اور باہم عہد و پیمان کی راہیں ہموار کر دیتی ہے اور یوں معاملہ کورٹ میرج، سیکرٹ میرج (خفیہ شادی) اور لو میرج تک پہنچ جاتا ہے۔

اولاد کے اس صورت حال تک پہنچنے یا پہنچانے میں والدین ہی کی کمزوری، عدم توجہ اور اولاد کی طرف سے غفلت و بے اعتنائی ہی کا دخل زیادہ ہوتا ہے اور اس سے وہ بالکل بریٔ الذمہ ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔

﴿15﴾ صلہ رحمی کے تقاضے پورے کرنے کے بھی یکساں طور پر دونوں میاں بیوی ذمے دار ہیں۔ صلہ رحمی کا مطلب ہے، رشتے داروں کے حقوق ادا کرنا، ان سے اچھا رویہ اختیار کرنا، قطع رحمی کے باوجود رشتہ و تعلق برقرار رکھنا، حتیٰ کہ بدسلوکی کے جواب میں بھی حسن سلوک کرنا۔ مرد کو چاہیے کہ وہ سسرالی رشتوں کو اور عورت بھی اپنے خاوند کے رشتے داروں سے تعلق کو اچھی طرح نبھائے۔ ان دوطرفہ رشتے داریوں کو تیرے میرے کی بھینٹ نہ چڑھنے دیا جائے، بلکہ دونوں خاندانوں کے ساتھ دونوں میاں بیوی محبت اور احترام کا تعلق قائم رکھیں اور کسی کو بھی شکایت کا موقع نہ دیں۔ اور چھوٹی موٹی باتیں ہوں تو ان کو نظرانداز کریں اور عفو و درگزر سے کام لیں۔

﴿16﴾ عورت جب نئے گھر میں آتی ہے تو یہاں خاوند کے والدین، اس کی بہنیں اور بعض دفعہ دوسرے بھائیوں کی بیویاں بھی ہوتی ہیں۔ اسی طرح خاوند کا معاملہ ہے جس گھرانے میں وہ بیاہا گیا ہے، اس گھرانے کے افراد سے بھی اس کا تعلق قائم ہوجاتا ہے مرد ہو یا عورت، جس جس سے بھی ان کا تعلق ہو، ان سے تعلقات کو حسب مراتب نبھانا اور حسن اخلاق کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے خوش اسلوبی سے ہر ایک کا حق ادا کرنا نہایت ضروری ہے۔ نہ کسی کی حق تلفی ہو، نہ کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی کا معاملہ اور نہ کسی کی توہین اور بے ادبی اور نہ کسی پر الزام اور بہتان تراشی، نہ غیبت اور بدگوئی۔ ان سب کا تعلق حقوق العباد سے ہے جن میں کوتاہی اس وقت تک معاف نہیں

ہوگی جب تک دنیا میں ان کا ازالہ نہیں کرلیا جائے گا ورنہ روز قیامت ان کوتاہیوں کی تلافی آپ کی نیکیاں ان میں تقسیم کرکے کی جائے گی، پھر بھی نہیں ہوگی تو ان کے گناہ آپ کے کھاتے میں ڈال دیے جائیں گے۔ اس کا جو نتیجہ ہوگا، وہ محتاج وضاحت نہیں۔ اعاذنا اللّٰہ منه

17 جس طرح مرد کے لیے ہم بیان کر آئے ہیں کہ عورت جس طرح شب و روز گھریلو معاملات سرانجام دیتی ہے اور صبح سے رات تک کام میں جتی رہتی ہے بلکہ رات کو خاوند کی خدمت اور خواہش پوری کرنے میں بھی خوش دلی سے تعاون کرتی ہے، مرد کو چاہیے کہ اس کی ان خدمات کا کھلے دل سے اعتراف کرے، اس سے اس کی حوصلہ افزائی بھی ہوتی ہے اور مزید محنت سے گھر کو چلانے اور سنوارنے کا جذبہ بھی قوی اور توانا ہوتا ہے۔ اسی طرح عورت کو بھی چاہیے کہ مرد گھر کا انتظام کرنے اور گھریلو ضروریات پوری کرنے میں گھر سے باہر رہ کر جو محنت اور جدوجہد کرتا ہے، اس میں وہ اپنے آرام و راحت کی بھی پروا نہیں کرتا تاکہ گھر والوں کو آرام و راحت نصیب ہو، وہ مرد کی ان خدمات کا اعتراف کرے اور اس کے لیے جذباتِ تشکر کا اظہار کرے۔ یہ شرعاً بھی ضروری ہے اور دنیوی لحاظ سے بھی اس کے بڑے فوائد ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ»[1]

"جس نے لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کیا، اس نے اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کیا۔"

مذکورہ چند خصوصیات تو وہ ہیں جو مرد اور عورت دونوں میں ہونی چاہئیں۔ یہ گویا اقدار

[1] جامع الترمذي: البر والصلة، حديث: 1955

مشترکہ ہیں جن کا دونوں میں ہونا ضروری ہے۔ اب آئندہ صفحات میں ان صفات کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو ایک نیک اور مثالی بیوی میں ہونی چاہئیں۔ یہ خوبیاں ہی ایک عورت کو صحیح معنوں میں عورت بناتی ہیں۔ ورنہ ان کے بغیر ایک حسین وجمیل بیوی بھی ایک آفت ہے کیونکہ وہ حسنِ ظاہر سے تو آراستہ ہے لیکن سیرت وکردار کے حسن باطن سے محروم ہے۔ اور صفات جمیلہ سے مزین عورت، چاہے وہ ظاہری حسن ورعنائی سے محروم ہو، ایک رحمت ہے کیونکہ اس کا باطن اس کے ظاہر سے زیادہ اجلا ہے اور گھر میں اجالا حسن ظاہر سے نہیں، حسن باطن (حسن سیرت) ہی سے ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دین دار عورت سے شادی کرنے کی ترغیب دی ہے کیونکہ دین دار عورت ہی ایمان وتقویٰ جیسی صفات سے متصف ہوتی ہے۔ اور یہ ایمان وتقویٰ ایسی خوبی ہے جو انسان کو بہکنے نہیں دیتی اور ایسا شخص نہ حقوق اللہ میں کوتاہی کرتا ہے اور نہ حقوق العباد میں۔ اور جس شخص کو ایسی صاحب ایمان وتقویٰ بیوی مل جائے، اس کو اپنی خوش قسمتی پر نازاں ہونا چاہیے اور اس کی قدر کرنی چاہیے، گو وہ حسن ظاہر سے محروم ہی ہو۔



نیک بیوی کی صفات

1 نیک بیوی کی پہلی صفت وہ صالحہ اور قانتہ ہو

صالح بیوی کی صفات میں قرآن مجید کی یہ آیت (جو سورۂ نساء میں ہے) بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے پہلے تو مرد کی قوّامیت حاکمیت و بالا دستی بیان فرمائی جس سے ازخود یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ گھر کا نظام امن وسکون کے ساتھ تب ہی چل سکتا ہے جب اس گھر میں آنے والی عورت (بیوی) خاوند کی بالا دستی کو تسلیم کرے گی، اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ﴾[النساء34]

''نیک عورت فرماں بردار ہوتی ہے (اپنے رب کی بھی اور اپنے خاوند کی بھی) پوشیدہ باتوں کی حفاظت کرتی ہے بہ سبب اس کے کہ اللہ نے اس کی بھی حفاظت فرمائی ہے۔''

اس میں نیک عورت کی فرماں برداری اور پوشیدہ معاملات کی حفاظت اور اس کی غیر موجودگی میں اس کے مال، اس کے گھر اور اپنی عصمت کی حفاظت جیسی صفات کو مرد کی قوامیت کا نتیجہ بتلایا گیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو عورت مرد کی اس فطری بالا دستی کو تسلیم نہیں کرے گی، وہ نیکی اور فرماں برداری کے تقاضے بھی پورے نہیں کر سکے گی جب کہ ان تقاضوں کی ادائیگی ہی پر گھر کے امن وسکون کا انحصار ہے۔

غیبی معاملات کی حفاظت کا سبب اللہ نے یہ بتلایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عورت کے حقوق بھی محفوظ کر دیے ہیں اور وہ اس طرح کہ مرد کو پابند کیا گیا ہے کہ وہ عورت کو حق مہر دے، اس کے نان نفقہ اور رہائش کا انتظام کرے اور اس کی دیگر ضروریات پوری کرے۔

اس قسم کی صالحہ اور قانتہ عورت کے ساتھ مرد کی زندگی نہایت خوش گوار گزرتی ہے اور حالات و معاملات میں کوئی کشیدگی اور تناؤ پیدا نہیں ہوتا۔ البتہ جو عورت ان صفات سے محروم ہوگی تو اس کے اندر ان صفات کے برعکس نشوز (مرد کی بالا دستی کے خلاف رویہ پیدا ہوگا جو مرد و عورت کے تعلقات کو ناخوشگوار بنائے رکھے گا۔

2 عورت ناشزہ نہ ہو اور اس کا مطلب

نشوز کیا ہے اور اس کا کیا حل اللہ تعالیٰ نے بتلایا ہے؟

اسی آیت زیر بحث میں کہا گیا ہے:

﴿وَالّٰتِیۡ تَخَافُوۡنَ نُشُوۡزَهُنَّ فَعِظُوۡهُنَّ وَاهۡجُرُوۡهُنَّ﴾ [النسآء 34]

''وہ عورتیں جن سے تمہیں نشوز کا خوف ہو تو تم ان کو وعظ و نصیحت کرو اور ان کو بستروں میں الگ کر دو اور ان کی سرزنش کرو۔''

نشوز عربی زبان میں ارتفاع (بلندی) کو کہتے ہیں۔ یہاں اس لفظ کا مطلب یہ ہوگا کہ جو عورت، مرد کو بالا دست سمجھنے کی بجائے، اپنی بالا دستی منوانے کی کوشش کرے گی اور اس کی اطاعت کرنے کے بجائے اپنا حکم چلائے گی اور مرد کو زیردست رکھنے کی کوشش کرے گی تو چونکہ یہ نشوز فطرت کے خلاف ہے تو اس کا نتیجہ گھر کی بربادی کے سوا اور کچھ نہیں نکلے گا۔

اللہ تعالیٰ نے مرد کو دو وجہ سے عورت پر قوّام بنایا ہے، ایک کا تعلق وھبی صفت سے ہے کہ اس کو عورت کے مقابلے میں زیادہ قوت و توانائی اور زیادہ دماغی و ذہنی صلاحیتوں

سے نوازا گیا ہے، دوسری کا تعلق کسبی صفت سے ہے کہ مرد محنت کر کے عورت کی تمام ضروریات پوری کرتا ہے (مہر، نان نفقہ اور دیگر ضروریات مرد کے ذمے ہے) جو عورت صالحہ، قانتہ ہوتی ہے وہ اس حقیقت کو سمجھتی ہے اور مرد کی شکر گزار اور فرماں بردار بن کر رہتی ہے اور جو صالحہ قانتہ نہ ہو، وہ عدم اطاعت اور ناشکری کا راستہ اختیار کر کے فطرت سے جنگ کرتی ہے، اس کے نتیجے میں میاں بیوی کے تعلقات میں جو ناہمواری اور ناخوش گواری پیدا ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کا حل یہ بتلایا ہے کہ:

1. اس کو وعظ و نصیحت کی جائے، اس کو اللہ سے ڈرایا جائے۔
2. یہ کارگر نہ ہو تو مرد رات کو اس کے ساتھ سونا چھوڑ دے اور رات کی حد تک علیحدگی اختیار کر لے۔
3. یہ علیحدگی بھی اس کو سمجھنے پر آمادہ نہ کرے تو اس کو ہلکی سے مار مار لے جس سے اس کے کسی عضو کو نقصان نہ پہنچے۔ کیونکہ اس تادیب (سرزنش) سے مقصود اس کی اصلاح ہے نہ کہ اس کو جسمانی نقصان پہنچانا۔
4. اس سے بھی مسئلہ حل نہ ہو تو پھر خاندان کے لوگوں کو صورت حال سے مطلع کر کے دو حَکَم (ثالث) مقرر کیے جائیں، ایک میاں کے خاندان سے اور دوسرا بیوی کے خاندان سے یہ حکم (ثالث) دونوں کی باتیں سن کر اس کی روشنی میں ان کا فیصلہ کریں۔

اس تفصیل سے یہ واضح ہوا کہ نیک عورت کی صفات میں ایک صفت یہ بھی ہے کہ وہ ناشزہ نہ ہو یعنی وہ خاوند کی فرماں بردار ہو، نہ کہ اس کو اپنا فرماں بردار بنانے والی۔ گھر میں اس کی بالا دستی کو تسلیم کرنے والی ہو، نہ کہ اپنے کو بالا دست سمجھنے والی، خاوند کی بن کر رہنے والی ہو نہ کہ خاوند کو اپنا بنا کر رکھنے والی اور خاوند کے حق کو سمجھنے والی اور اس کو ادا کرنے والی

ہو نہ کہ اس کے برعکس صرف اپنا ہی حق جتلانے اور منوانے والی۔فنعوذ باللّٰہ من ھذہ المرأۃ الناشزۃ۔

3 خیر اور بھلائی کے کاموں میں خاوند کی فرماں بردار

رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: کون سی عورت بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا:

«اَلَّتِي تَسُرُّهُ إِذَا نَظَرَ، وَتُطِيعُهُ إِذَا أَمَرَ، وَلَا تُخَالِفُهُ فِيمَا يَكْرَهُ فِي نَفْسِهَا وَمَالِهِ» [1]

''وہ عورت، جب خاوند اس کی طرف دیکھے تو اسے خوش کن نظر سے دیکھے، جب خاوند اس کو کسی بات کا حکم دے تو اسے بجالائے اور عورت اپنے نفس اور خاوند کے مال میں اس کی خواہش کے برعکس ایسا رویہ اختیار نہ کرے جو اس کے خاوند کو ناپسند ہو۔''

4 خاوند کا استقبال مسکراہٹ سے اور اچھے لباس میں کرے

اس حدیث میں فرماں برداری کے علاوہ چند اور صفات کا بھی بیان ہے۔ان میں ایک صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ خاوند اس کی طرف دیکھے تو اس کا رویہ اور اس کی ہیئت ایسی ہو کہ خاوند اس کو دیکھ کر باغ باغ ہو جائے۔ اس سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ عورت مسکراہٹ کے ساتھ خاوند کا استقبال کرے، منہ بنایا ہوا نہ ہو، خفگی اور ناراضی کے آثار چہرے پر نہ ہوں، غصے میں بھری ہوئی نہ ہو۔

5 اپنی عصمت و آبرو کا پورا تحفظ کرے

ایک صفت یہ معلوم ہوئی کہ اپنی عصمت و آبرو کا پورا تحفظ کرے اور کسی بھی وقت اور کسی کے ساتھ بھی ایسا رویہ اختیار نہ کرے جس سے خاوند کو کوئی شکایت پیدا ہو یا اس کی مردانہ غیرت و حمیت کے خلاف ہو۔اسی لیے ایک حدیث میں عورت کو یہ تاکید بھی کی گئی

---

[1] سنن النسائي: كتاب النكاح، باب أيّ النّساء خير، حديث: 3231

ہے کہ وہ گھر میں ایسے کسی شخص کو آنے کی اجازت نہ دے جس کو خاوند ناپسند کرتا ہو۔

اس حدیث کے بین السطور سے یہ بھی معلوم ہوا کہ گھر میں خاوند کے قریبی رشتے دار چھوٹے بڑے بھائی (عورت کے دیور، جیٹھ) اوراسی طرح عورت کے قریبی رشتے دار، اس کے ماموں زاد، چچازاد، خالہ زاد، پھوپھی زاد، (جن کو آج کل کزن کہا جاتا ہے) سے بھی پردے کا اہتمام کرے، ان سے بے تکلف نہ ہو۔ ان سے زیادہ بے تکلفی ،قربت اور بے پردگی نہایت خطرناک ہے جس سے اس کی عصمت کی ردائے تقدس بھی تارتار ہوسکتی ہے۔ اس لیے حدیث میں دیور، جیٹھ وغیرہ کو موت قرار دیا گیا ہے۔

6 خاوند کے مال میں بے جا تصرف نہ کرے

ایک اور صفت اس حدیث میں یہ بتلائی گئی ہے کہ عورت خاوند کے مال میں ایسا تصرف نہ کرے جو خاوند کو ناپسند ہو، اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ فضول خرچی سے اوراسی طرح غیر ضروری چیزوں میں پیسے خرچ کرنے سے اجتناب کرے اور ہر وقت مرد کی آمدنی کو سامنے رکھے اوراس کے مطابق ہی اپنا بجٹ بنائے اوراسی دائرے میں رہ کر ہی سب کچھ خرچ کرے۔ حتی کہ صدقہ وخیرات بھی اسی دائرے میں رہ کر کرے تاکہ خاوند کو بھی اس پراعتراض نہ ہواوراگر کہیں صدقہ وخیرات زیادہ کرنے کی ضرورت محسوس کرے تو خاوند سے مشورہ کرے اوراس کی اجازت کے بغیر اس طرح طاقت سے زیادہ صدقہ و خیرات نہ کرے جس سے گھریلو بجٹ متأثر ہو یا خاوند کے لیے مشکلات کا باعث ہو۔

7 بچوں پر نہایت مہربان، خاوند کے مفادات کا خیال رکھنے والی

ایک حدیث میں بہترین اورصالح ترین عوت کی یہ دوصفات بیان ہوئی ہیں:

«أَحْنَاهُ عَلٰی وَلَدٍ فِی صِغَرِہٖ وَأَرْعَاهُ عَلٰی زَوْجٍ فِی ذَاتِ یَدِہٖ»[1]

''اپنے بچوں پر جب کہ وہ کم عمر ہوتے ہیں، بڑی مہربان اور شفیق اور اپنے خاوندوں کے معاملات میں ان کے مفادات کا بہت خیال رکھنے والی۔''

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ عورت کا دائرۂ کار گھر کی چار دیواری ہے جس میں گھریلو امور سرانجام دینے کے علاوہ، مزید دو ذمے داریوں کا بوجھ بھی اس نے اٹھانا ہے۔ ایک بچوں کی حفاظت، جس میں حمل سے لے کر رضاعت تک اور اس کے بعد بھی بدوِشعور تک کے مراحل ہیں۔ دوسرے خاوند کی خدمت و اطاعت۔ گویا عورت نے بہ یک وقت تین خدمات سرانجام دینی ہیں:

1. امور خانہ داری۔
2. بچوں کی پرورش ونگرانی۔
3. خاوند کی خدمت اور اس کی خواہشات کی تسکین۔

یہ تینوں خدمات اتنی عظیم ہیں کہ اس کے شب و روز کے تمام لمحات اس میں صرف ہوجاتے ہیں یوں وہ پورے طور پر مرد کی شریک زندگی بن کر مرد کو سکون مہیا کرتی ہے جس کی وجہ سے مرد گھریلو معاملات سے بے فکر ہو کر یکسوئی سے کسب معاش میں مصروف رہتا ہے۔

اسی لیے شریعت اسلامیہ نے عورت کو کسب معاش کے جھمیلوں میں ڈالنا پسند نہیں کیا ہے کیونکہ یہ دوہری ذمے داری ہوتی کہ وہ گھر کا سارا انتظام بھی سنبھالے اور گھر کا نظام چلانے کے لیے سرمایہ بھی مہیا کرے۔ یہ ظلم ہے اسلام نے عورت کو اس ظلم سے بچایا اور کسب معاش کا مکمل ذمے دار مرد کو قرار دیا ہے۔

---

[1] صحیح البخاري: کتاب النفقات، باب حفظ المرأة زوجها في ذات یده والنفقة، حدیث: 5365

8 خاوند کی خدمت و اطاعت کی اہمیت و تاکید

خاوند کی خدمت و اطاعت کی اسلام میں کتنی اہمیت اور تاکید ہے، اس کا اندازہ ذیل کی چند احادیث سے لگایا جا سکتا ہے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اگر میں کسی کو کسی کے لیے سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو یقیناً عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کیا کرے۔''[1]

دوسری حدیث میں فرمایا:

''عورت خاوند کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر (نفلی) روزہ نہ رکھے۔''[2]

9 خاوند جب بھی بیوی کو بلائے، بلا تاخیر اس کی خواہش پوری کرے

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، عورت اپنے رب کا حق اس وقت تک ادا نہیں کر سکتی جب تک کہ وہ اپنے خاوند کا حق ادا نہیں کرتی، اگر خاوند اس سے اپنی (ہم بستری کی) خواہش کا اظہار کرے جب کہ وہ اونٹ کے کجاوے پر بیٹھی ہو (پا رکاب ہو، کہیں جانے کے لیے گاڑی وغیرہ میں بیٹھی ہو) تب بھی اسے اس کی خواہش پوری کرنے سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔''[3]

---

[1] جامع الترمذي :أبواب الرضاع عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، باب ما جاء في حق الزوج على المرأة، حديث:1159

[2] صحيح مسلم :كتاب الزكاة، باب ما أنفق العبد من مال مولاه، حديث:1026

[3] سنن ابن ماجه:كتاب النكاح، باب حق الزوج على المرأة،حديث:1853

⑩ انکار کرنے والی عورت پر فرشتے لعنت کرتے ہیں

نبی ﷺ نے فرمایا:

''جب مرد اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ آنے سے انکار کردے تو صبح تک فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں۔''

ایک دوسری روایت کے الفاظ اس طرح ہیں:

''جب عورت اپنے خاوند کے بستر کو چھوڑ کر رات گزارتی ہے تو فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں تا آنکہ وہ لوٹ آئے۔''[1]

⑪ آسمان والا بھی ایسی عورت سے ناراض رہتا ہے

نبی ﷺ نے فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ! مَا مِنْ رَجُلٍ يَدْعُوا امْرَأَتَهُ إِلٰى فِرَاشِهَا، فَتَأبٰى عَلَيْهِ إِلَّا كَانَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ سَاخِطًا عَلَيْهَا، حَتّٰى يَرْضٰى عَنْهَا»[2]

''قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، کوئی آدمی اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلاتا ہے اور وہ اس کے پاس آنے سے انکار کردیتی ہے تو آسمان والا (رب) اس پر ناراض ہوتا ہے یہاں تک کہ خاوند اس سے راضی ہوجائے۔''

اس مضمون کی احادیث کی بنیاد پر علماء نے کہا ہے کہ کسی شرعی عذر کے بغیر عورت کا اپنے شوہر کے بستر پر جانے سے انکار کرنا حرام ہے حتی کہ حیض کے ایام میں بھی اس کے لیے انکار کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ حالت حیض میں بھی جماع کے علاوہ خاوند کو عورت سے لطف اندوز ہونے کی اجازت ہے۔ جیسے خود رسول اللہ ﷺ سے بھی اس حالت میں بیویوں سے بوس وکنار (مباشرت) کرنا ثابت ہے۔

[1] صحيح البخاري:كتاب النكاح،باب إذا باتت المرأة مهاجرة فراش زوجها، حديث: 5193، 5194

[2] صحيح مسلم:كتاب النكاح، باب تحريم امتناعها من فراش زوجها،حديث: 1436

⑫ معصیت میں خاوند کی اطاعت کی اجازت نہیں

البتہ خاوند اگر عورت کو ایسا کام کرنے پر مجبور کرے جس کی شرعاً اجازت نہیں ہے تو معصیت الٰہی والے کاموں میں خاوند کی اطاعت نہیں بلکہ انکار ضروری ہے۔

جیسے خاوند عورت کو حالت حیض میں جماع پر مجبور کرے تو عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ انکار کر دے اور اس کو یہ ناجائز خواہش پوری نہ کرنے دے۔

یا جیسے آج کل بہت سے لوگ اپنی بیویوں کو اپنے دوستوں کے سامنے بے پردہ آنے پر یا سرے سے بے پردہ ہونے پر مجبور کرتے ہیں۔ خاوند کے کہنے پر ایسا کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔

نبی ﷺ کا فرمان ہے:

«لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ»[1]

''جس کام میں خالق کی معصیت ہو، وہاں کسی بھی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔''

بنا بریں کسی بھی کام یا معاملے میں اللہ کی نافرمانی نہیں کرنی، نہ اپنی مرضی سے اور نہ خاوند یا کسی اور کے کہنے پر۔ اس قسم کے موقع پر یعنی دین پر ثابت قدمی کی وجہ سے جو تکلیف یا آزمائش آئے، اس کو برداشت کیا جائے، یہ دنیا کی آزمائش آخرت کے اس عذاب کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتی جو اللہ کی نافرمانی کے نتیجے میں مل سکتا ہے۔

[1] جامع الترمذي: كتاب فضائل الجهاد، باب ماجاء لاطاعة فى معصية الخالق، معجم الكبير طبرانی 170/18، حدیث نمبر: 381

⑬ عورت مرد کی قوّامیت (حاکمیت) کو برداشت کرے

گھر کا نظام صحیح طریقے سے چلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مرد کو حاکم اور سرابرہ بنایا ہے کیونکہ کسی ایک کی حاکمیت اور سربراہی کے بغیر کوئی بھی نظام نہیں چل سکتا (اس کی وجوہ گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہیں۔) عورت اگر چاہتی ہے کہ وہ امن وسکون اور آرام وراحت کی زندگی گزارے تو اس کے لیے یہ ناگزیر ہے کہ وہ مرد کی فطری قوامیت کو تسلیم کرے۔

اس کا ایک تقاضا تو یہ ہے کہ مرد اپنے حاکمانہ اختیارات کو ظلم و جبر کے لیے استعمال نہ کرے بلکہ جس طرح ایک سمجھ دار حاکم وقت (خلیفہ، بادشاہ) اپنی رعایا کے ساتھ شفقت ونرمی اور عدل وانصاف کا معاملہ کرتا ہے، اسی طرح مرد بھی اپنی چھوٹی سی مملکت (گھر) میں نرمی، شفقت اور عدل وانصاف سے کام لے اور عورت کو ہر طرح کی سہولت بہم پہنچا کر اچھی حکمرانی کی مثال قائم کرکے اللہ کو خوش کرے۔

دوسرا تقاضا یہ ہے کہ عورت مرد کی حاکمانہ حیثیت کو تسلیم کرے اور خود قوّام بننے کی سعی نہ کرے، اس سے باہم تعاون کے بجائے تصادم اور ٹکراؤ پیدا ہوگا جس سے گھر کا سکون برباد ہوجائے گا۔ بعض عورتیں بعض وجوہات کی وجہ سے ایسا کرتی ہیں اور مرد کے مقابلے میں ہر موقعے پر اپنی چودھراہٹ قائم کرنے کی کوشش کرتی ہیں جس سے اکثر و بیشتر معاملات بگڑ جاتے اور گھر برباد ہوجاتے ہیں۔ مرد کتنا بھی نرم خُو، صلح جُو اور مرنجاں مرنج قسم کا ہو لیکن عورت کی تفوّق و برتری تسلیم کرنا اس کے لیے مشکل ہے۔ بنابریں ظاہری حالات کے اعتبار سے چاہے عورت مرد سے ممتاز ہو، مثلاً وہ اونچے خاندان کی ہو، صاحبِ حیثیت گھرانے سے اس کا تعلق ہو، یا حسن و جمال میں منفرد ہو اور مرد ان چیزوں میں اس

سے فروتر ہو۔ تب بھی عورت کی سرتابی اور برتری جتلانے کی روش گھر کو برباد کر سکتی ہے۔ بھلائی اسی میں ہے کہ عورت، عورت بن کر ہی رہے، مرد بننے کی کوشش نہ کرے، ماتحتی والی تواضع ہی اختیار کرے، حاکمانہ خوابوں سے اپنے کو بچائے۔ اور فرمان رسول کی صداقت پر یقین رکھے «من تواضع لله رفعه الله» ''جو اللہ کی خاطر تواضع اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو بلند کر دیتا ہے۔''

14 کسی کے لیے بددعا نہ کرے

عورت جبلی (پیدائشی) طور پر کمزور ہے اسی لیے اسے صنف نازک کہا جاتا ہے۔ اس فطری کمزوری کی وجہ سے عورت جلد ہی پریشان ہو جاتی ہے اور بددعا دینے پر اتر آتی ہے۔ بچوں نے پریشان کیا تو ان کو بددعا دینی شروع کر دی، خاوند کے رویے کی وجہ سے اس کو بددعا دے دی، حتی کہ بعض دفعہ اپنے آپ کے لیے بھی بددعا کر دیتی ہے۔ یہ طرز عمل یکسر غلط ہے، عورت کو ہر موقعے پر صبر وتحمل، برداشت اور حوصلہ مندی سے کام لینا چاہیے اور زبان سے اپنے لیے یا بچوں کے لیے یا خاوند یا گھر کے کسی اور فرد کے لیے ایسے بددعا کے الفاظ نہیں نکالنے چاہئیں کہ اگر وہ اللہ کے ہاں قبول ہو گئے تو عورت پچھتانے پر مجبور ہو جائے۔ اس لیے کہ اس کی بددعا کے نتیجے میں اگر اولاد یا خاوند یا خود اسے نقصان پہنچے گا تو اس کا خمیازہ تو اس کو بھی بھگتنا پڑے گا، ظاہر بات ہے کہ یہ رویہ دانش مندی کے خلاف ہے۔

اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لاَ تَدْعُوْا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ ، وَلاَ تَدْعُوا عَلٰى أَوْلاَدِكُمْ وَلاَ تَدْعُوا عَلٰى أَمْوَالِكُمْ،

لَا تُوَافِقُوا مِنَ اللّٰہِ سَاعَةً یُسْأَلُ فِیھَا عَطَاءٌ فَیَسْتَجِیبَ لَکُمْ»[1]

''تم اپنے آپ کے لیے بددعا نہ کرو، اپنی اولاد کے لیے بددعا نہ کرو، اپنے مالوں کے لیے بددعا نہ کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھاری بددعا ایسی گھڑی کو پالے جس میں اللہ تعالیٰ سے جو مانگا جائے اسے قبول فرمالیتا ہے، تو تمھاری بددعا تمھارے لیے قبول ہو جائے۔''

(15) خود کو جنتی عورتوں کی صفات سے متصف کرے

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جنتی عورتوں کی بہت سی صفات بیان فرمائی ہیں، جن میں بہت سی تو ایسی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے لیے بطور انعام خصوصی، وہ صفتیں ان کے اندر ودیعت فرمائے گا جس کی تفصیل قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں موجود ہے۔ وہ صفتیں دنیا میں بہت کم دیکھنے میں آتی ہیں، بلکہ بعض تو ممکن بھی نہیں ہیں۔

تاہم بعض صفتیں ایسی ہیں کہ ہر عورت اپنے کو ان صفات سے آراستہ (متصف) کر سکتی ہے اور وہ مثلاً ہیں، ﴿قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ﴾ وغیرہ۔

1۔ ﴿قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ﴾ کا مطلب ہے اپنی نگاہوں کو پست رکھنے والی جس کا مطلب ہے کہ وہ اپنے خاوند کے علاوہ کسی اور کی طرف دیکھنے والی نہ ہو۔ ہر مومنہ عورت کو اپنے اندر یہ خوبی پیدا کرنی چاہیے۔ اس کا مرکز توجہ، اس کی رعنائیاں اور اس کا سب کچھ صرف اور صرف خاوند کے لیے ہو، کسی اور کی طرف اس کی توجہ مبذول نہ ہو۔

2۔ ﴿لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ﴾ (جن کو کسی انسان نے چھوا نہ جن نے) یعنی جنتی عورتوں کی طرح وہ پاک دامن ہو۔ خاوند کے علاوہ کسی بھی غیر محرم نے اسے چھوا نہ ہو۔

[1] صحیح مسلم:کتاب الزھد والرقائق، باب حدیث جابر الطویل وقصة أبي الیسر، حدیث: 3009

3۔ایک صفت جنتی عورتوں کی یہ بیان کی گئی ہے کہ ﴿مَّقۡصُوۡرٰتٌ فِی الۡخِیَامِ﴾وہ خیموں میں بند(رہنے والی) ہوں گی ۔یعنی بن سنور کر بازاروں میں،کلبوں میں پھرنے والی ، دوسرے کی باہوں میں جھولنے والی نہ ہو، بلکہ گھر کی چاردیواری میں اپنے خاوند ہی کی بن کر رہنے والی ہو۔

16 قرآن کریم میں بیان کردہ مومنہ عورتوں کی صفات

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کی حسب ذیل صفات بیان فرمائی ہیں:

﴿اِنَّ الۡمُسۡلِمِیۡنَ وَالۡمُسۡلِمٰتِ وَالۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتِ وَالۡقٰنِتِیۡنَ وَالۡقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِیۡنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِیۡنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالۡخٰشِعِیۡنَ وَالۡخٰشِعٰتِ وَالۡمُتَصَدِّقِیۡنَ وَالۡمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِیۡنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالۡحٰفِظِیۡنَ فُرُوۡجَهُمۡ وَالۡحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِیۡنَ اللّٰهَ كَثِیۡرًا وَّالذّٰكِرٰتِ ۙ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةً وَّاَجۡرًا عَظِیۡمًا ۝۳۵﴾[الأحزاب35]

’’بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں،مومن مرد اور مومن عورتیں،فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں، سچے مرد اور سچی عورتیں،صابر مرد اور صابر عورتیں، عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں،صدقہ دینے والے مرد اور صدقہ دینے والی عورتیں،روزہ دار مرد اور روزہ دار عورتیں،اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں،ان سب کے لیے اللہ نے مغفرت اور بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔‘‘

مذکورہ صفات جس طرح ایک مومن مرد کے لیے ضروری ہیں،اسی طرح مومنہ عورتوں کو بھی ان صفات کا حامل ہونا چاہیے۔اگر مرد کے اندر یہ صفات ہوں لیکن عورت ان سے

محروم ہوتو مرد کی ذمے داری ہے کہ وہ اپنی عورت کو بھی ان صفات کا حامل بنائے۔ اسی طرح اگر عورت ان صفات سے متصف ہو لیکن مرد ان سے محروم ہو تو عورت کوشش کرے کہ اس کے خاوند کے اندر بھی یہ مومنانہ صفات پیدا ہوں تا کہ دونوں ایک ساتھ جنت میں جائیں۔

(17) خاوند کو تسلی دینے والی

نیک عورت کی ایک صفت یہ ہے کہ خاوند کو زندگی میں کوئی ایسا مرحلہ پیش آجائے جس سے وہ گھبرا جائے اور اندیشہ ہائے دور دراز میں مبتلا ہو جائے تو عورت اس کو تسلی دے، اس کی ڈھارس بندھائے اور اس کی خوبیوں کا ذکر کر کے اس کو اللہ سے اچھی امیدیں وابستہ کرنے کی تلقین کرے۔

نبی ﷺ پر غار حرا میں جب غیر متوقع طور پر پہلی مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام وحی لے کر نازل ہوئے اور جبرئیل نے سورۂ علق کی ابتدائی آیات پڑھنے کی تلقین کی تو آپ چونکہ اُمّی (غیر تعلیم یافتہ) تھے تو آپ کی زبان مبارک سے وہ الفاظ ادا نہیں ہو رہے تھے اور آپ جبریل کے جواب میں یہی فرماتے تھے مَا اَنَا بِقَارِئٍ (میں پڑھا ہوا نہیں ہوں) جبریل آپ کو بھینچتے اور آپ یہی فرماتے۔ جبریل نے تین مرتبہ آپ کو بھینچا جس کے بعد آپ کی زبان مبارک پر وحی کے الفاظ جاری ہو گئے۔ اس واقعے کی اصل حقیقت آپ نہیں سمجھ سکے کہ یہ کیا ہے؟ اور یہ کون شخص ہے جس نے آپ کو کچھ الفاظ پڑھانے کی کوشش کی؟ جس پر آپ ایک انجانے خوف میں مبتلا ہو گئے۔ اور آپ اسی خوف و دہشت کے عالم میں گھر تشریف لائے، آپ کے جسم پر ایک کپکپی سی کیفیت طاری تھی اور آپ نے اپنی اہلیہ محترمہ

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا: "زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ" "مجھے کمبل اوڑھا دو، مجھے کمبل اوڑھا دو۔"

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اندازہ لگا لیا کہ آپ کے ساتھ کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آیا ہے جس سے آپ پر خوف اور دہشت کی کیفیت طاری ہوگئی ہے، اس موقعے پر ایک سمجھ دار خاتون کی طرح انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی خوبیوں کا تذکرہ کرکے فرمایا کہ آپ کے اندر تو یہ یہ خوبیاں ہیں، اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ اچھا ہی معاملہ فرمائے گا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

«كَلَّا، وَاللّٰهِ! مَا يُخْزِيكَ اللّٰهُ أَبَدًا، إِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَتَحْمِلُ الْكَلَّ وَتَكْسِبُ الْمَعْدُومَ وَتَقْرِي الضَّيْفَ وَتُعِينُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ» [1]

"ہرگز نہیں، اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی حزن وغم میں مبتلا نہیں کرے گا، آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، تھکے ہاروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، تہی دستوں کو کما کر کھلاتے ہیں، مہمان کی میز بانی کرتے ہیں اور حق (کی راہ میں آنے والے) مصائب پر مدد کرتے ہیں۔"

دوسری تدبیر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے یہ اختیار فرمائی کہ آپ کو اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ یہ ورقہ دور جاہلیت میں عیسائی ہوگئے تھے اور عبرانی زبان جاننے کی وجہ سے انجیل کی باتوں کا علم بھی رکھتے تھے، انھوں نے یہ ماجرا سنا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گزرا تھا تو انھوں نے کہا: یہ تو وہی ناموس ہے جسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر نازل کیا تھا۔ اس طرح انھوں نے بھی آپ کو تسلی بلکہ خوش خبری دی کہ یہ تو وحی ورسالت کا وہ سلسلہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے نوازتا ہے۔

[1] صحيح البخاري:باب بدء الوحي، كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم،حديث : 2

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی یہی خوبیاں تھیں جن کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی وفات کے بعد بھی، جب کہ آپ کے حبالۂ عقد میں متعدد ازواج مطہرات تھیں، ان کو یاد کرتے اور ان کا تذکرہ فرماتے رہتے تھے حتی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی بعض دفعہ ان کی تعریف سن کر رشک کا شکار ہو جاتیں حالانکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپ کی سب سے زیادہ چہیتی بیوی تھیں۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی سیرت و کردار میں یہ سبق پنہاں ہے کہ خاوند کے ساتھ عورت کا رویہ اس طرح اخلاص و ہمدردی پر مبنی ہونا چاہیے کہ عورت اگر خاوند کی زندگی میں فوت ہو جائے تو مرد کے دل میں اس کی یادوں کا چراغ عمر بھر فروزاں رہے اور اس کو کبھی فراموش نہ کر سکے۔

18 صبر وضبط کا نمونہ

اسی طرح عورت کو صبر وضبط کا بھی ایسا نمونہ ہونا چاہیے جس سے مرد کو بھی حوصلہ ملے اور پہنچنے والا صدمہ برداشت کرنا آسان ہو جائے۔ غم وحزن کے موقعے پر عورت بے صبری اور عدم برداشت کا مظاہرہ کرے گی تو یہ ایک تو شریعت کی تعلیمات کے خلاف ہے۔ دوسرے مرد کو بھی غلط راستے پر ڈالنے کی مجرم ہوگی۔ اس کے برعکس صبر وضبط کا مظاہرہ کرنے پر اللہ کی رحمتوں اور برکتوں کے نزول کی خوش خبری ہے۔

﴿وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ۝﴾ [البقرة 155-157]

"اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجیے۔ وہ لوگ کہ جب انھیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ کہتے ہیں: بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور بے شک ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے ان کے رب کی طرف سے

بخشش اور رحمت ہے اور یہی ہدایت یافتہ ہیں۔''

صبر وضبط کا ایک مثالی نمونہ

اس کا بہترین نمونہ ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا نے پیش کیا جس میں قیامت تک آنے والی مسلمان عورتوں کے لیے بہترین سبق ہے۔ وہ ہے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ اُمِّ سُلَیم رضی اللہ عنہا۔ ان کا واقعہ صحیح بخاری وصحیح مسلم میں آتا ہے جسے امام نووی رحمہ اللہ نے ریاض الصالحین میں نقل کیا ہے۔ ہم اسے ریاض الصالحین ہی کے حوالے سے یہاں درج کرتے ہیں واقعہ تفصیلی ہے، اس لیے اس کا اردو ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

''حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا ایک بیٹا بیمار تھا، ابوطلحہ (جب کام کاج کے لیے) باہر چلے گئے تو بیٹا فوت ہو گیا۔ جب واپس آئے تو پوچھا: میرے بیٹے کا کیا حال ہے؟ (ان کی اہلیہ اور بچے کی ماں) ام سُلَیم نے کہا: وہ پہلے سے کہیں زیادہ سکون میں ہے، پس بیوی نے ان کے سامنے رات کا کھانا رکھا جو انھوں نے تناول فرمایا، پھر بیوی سے ہم بستری کی۔ جب ابوطلحہ فارغ ہو گئے تو (بیوی نے بتلایا کہ بچہ تو فوت ہو گیا ہے)۔ اب اسے دفنا دو! جب انھوں نے صبح کی تو ابوطلحہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ سارا ماجرا بیان کیا۔ آپ نے پوچھا: کیا رات کو تم نے ہم بستری کی تھی؟ انھوں نے جواب دیا: ہاں۔ آپ نے دعا فرمائی: ''اے اللہ! ان دونوں کے لیے برکت عطا فرما۔'' (چنانچہ اس دعا کے نتیجے میں، مدت مقررہ کے بعد) ان کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ (حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ) مجھ سے ابوطلحہ نے کہا: (ابوطلحہ حضرت انس کی والدہ ام سُلَیم کے دوسرے خاوند تھے، یعنی حضرت انس کے سوتیلے باپ تھے۔ ام سلیم کے پہلے خاوند حضرت انس کے والد، مالک بن نضر تھے جو اسلام لانے کے بجائے شام چلے گئے تھے اور وہیں فوت ہو گئے۔

حضرت انس کی والدہ نے اس کے بعد ابوطلحہ سے نکاح کر لیا۔) اس بچے کو نبی ﷺ کی خدمت میں لے جاؤ اور کچھ کھجوریں بھی ساتھ دے دیں۔ نبی ﷺ نے پوچھا: کیا اس کے ساتھ کوئی چیز ہے؟ انھوں نے کہا: ہاں، کچھ کھجوریں ہیں۔ نبی ﷺ نے وہ کھجوریں لے لیں اور ان کو منہ میں چبایا، پھر وہ اپنے منہ سے نکال کر بچے کے منہ میں ڈال دیں، اوراس کو (یوں) گھٹی دی اور اس کا نام عبداللہ رکھا۔ [1]

اور بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ ابن عُیینہ نے کہا: انصار کے ایک آدمی نے انھیں بتایا کہ میں نے (اس) پیدا ہونے والے (بچے) عبداللہ کی اولاد سے نولڑکے دیکھے،سب کے سب قرآن کے قاری تھے۔ [2]

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ابوطلحہ کا ایک بیٹا، جو امّ سُلَیم کے بطن سے تھا،فوت ہوگیا تو ام سلیم نے اپنے گھر والوں سے کہا: تم ابوطلحہ کوان کے بیٹے کی بابت مت بتلانا میں خود ہی ان کو بتلاؤں گی۔ چنانچہ ابوطلحہ آئے، ام سلیم نے رات کا کھانا ان کے سامنے رکھا، انھوں نے کھایا پیا، پھر پہلے سے کہیں زیادہ بن سنور کران کے پاس آئیں، انھوں نے ان سے ہم بستری کی، جب ام سلیم نے دیکھا کہ وہ خوب سیر ہو گئے اور ہم بستری کر لی ہے تو کہا: اے ابوطلحہ! ذرا بتلاؤ! اگر کچھ لوگ کسی گھر والوں کو کوئی چیز عاریۃً (عارضی طور پر) دیں، پھروہ اپنی عاریت کے طور پر دی ہوئی چیز واپس مانگیں تو کیا ان کے لیے جائز ہے کہ وہ دینے سے انکار کر دیں؟ ابوطلحہ نے جواب دیا: نہیں۔ پس ام سلیم نے کہا: تم اپنے بیٹے کے بارے میں اللہ سے ثواب کی امید رکھو! (یعنی تمھارا بیٹا بھی، جو اللہ ہی کا دیا ہوا تھا،

---

[1] صحیح بخاری: کتاب العقیقہ،باب تسمیۃ المولود۔حدیث نمبر:5470،
صحیح مسلم:کتاب الآداب،باب استحباب تحنیك المولود:حدیث:2144

[2] صحیح بخاری:کتاب الجنائز،باب من لم یظھرحزنه عند المصیبة،حدیث نمبر1301

اس نے اپنی امانت واپس لے لی ہے۔) یہ سن کر وہ غضب ناک ہوئے اور فرمایا: (جب میں گھر آیا تو کچھ بتلائے بغیر) تو نے مجھے یوں ہی چھوڑے رکھا حتی کہ میں ہم بستری تک سے آلودہ ہوگیا اور اس کے بعد تو نے مجھے میرے بیٹے (کی وفات) کی خبر دی۔ (اس کے بعد) وہ گئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور جو کچھ ہوا وہ بیان کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے سن کر دعا فرمائی: اللہ تعالیٰ تم دونوں کے لیے تمھاری اس رات میں برکت عطا فرمائے۔ چنانچہ امّ سُلَیم کو حمل قرار پا گیا۔ (راویٔ حدیث حضرت انس نے بیان کیا کہ) رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں تھے، حضرت ام سلیم بھی (اپنے خاوند ابوطلحہ کے ہمراہ) آپ کے ساتھ تھیں اور رسول اللہ ﷺ یہ کا معمول تھا کہ جب (سفر سے) مدینہ واپس تشریف لاتے تو رات کو تشریف نہ لاتے۔ جب یہ قافلہ مدینے کے قریب پہنچا تو ام سلیم کو دردزہ (زچگی کے عین وقت جو درد ہوتا ہے) شروع ہوگیا چنانچہ ابوطلحہ ان کی خدمت کے لیے رک گئے اور رسول اللہ ﷺ نے اپنا سفر جاری رکھا۔ حضرت انس نے بیان کیا کہ پھر وقتی طور پر دردزہ رک گیا اور ابوطلحہ بھی مدینہ آ گئے، وہاں آ کر ان کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا، پس میری والدہ ام سلیم نے مجھے کہا: اس کو اس وقت تک کوئی دودھ نہ پلائے جب تک تم صبح صبح اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش نہیں کر دیتے۔ پس صبح ہوتے ہی میں اسے اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گیا۔ آگے باقی حدیث بیان کی (جو پہلے گزر چکی ہے)۔ [1]

اس حدیث سے ہمیں معاشرتی زندگی کے لیے بہت سی ہدایات ملتی ہیں۔ مثلاً

❶ ایک صابر و شاکر عورت کا کردار کہ بچہ فوت ہوگیا لیکن کوئی جزع فزع، واویلا، بین اور

[1] رياض الصالحين: باب الصبر، بحواله صحيح البخاري، حديث: 5470، 1301، وصحيح مسلم، حديث: 2144۔

نوحہ و ماتم نہیں کیا۔ حتیٰ کہ خاوند جب گھر آتا ہے تو پہلے ایک خدمت گزار بیوی کی طرح خاوند کی تمام ضروریات کا اہتمام کرتی ہیں اور اس کے بعد خاوند کو ایک نہایت اچھوتے انداز سے بچے کی وفات کی اطلاع دیتی ہیں۔ جس سے یہ سبق ملتا ہے کہ خاوند کی خدمت اور اسے آرام و سکون پہنچانا ایک مسلمان عورت کا اولین فرض ہے۔

2. گھر میں خاوند کے لیے سولہ سنگھار اور زیب و زینت کا اہتمام کرنا مستحسن ہے۔
3. ولادت کے بعد بچے کو کسی نیک آدمی کے پاس لے جا کر اس سے تحنیک کروانا (گھٹی دلوانا) چاہیے۔
4. مصیبت میں جو اللہ کے فیصلے پر راضی رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے بہترین بدلہ عطا فرماتا ہے۔
5. ایسا تعریض و کنایہ (توریہ) جائز ہے جس سے دوسرا شخص مغالطے میں پڑ جائے تاہم وہ جھوٹ نہ ہو۔ وغیرہ۔

19 شکر گزار عورت

مسلمان عورت کی ایک اہم صفت شکر گزاری ہے، یعنی عُسر و یُسر، خوش حالی اور تنگ دستی ہر حالت میں اللہ کا بھی شکر ادا کرے اور اپنے خاوند کی بھی شکر گزار ہو۔

آج کل ہماری معیشت و معاشرت میں جو تکلفات در آئے ہیں، اس نے ہر مرد و عورت کو احساس محرومی میں مبتلا کر دیا ہے جس کی وجہ سے کلمات تشکر ہماری زبان پر آتے ہی نہیں ہیں، نہ اللہ کے لیے اور نہ خاوند اور والدین کے لیے، حالانکہ انسان پر سب سے پہلے احسانات اللہ تعالیٰ کے ہیں، پھر والدین کے اور خاوند کے اور درجہ بدرجہ دیگر قرابت داروں کے۔ اللہ کے ساتھ ساتھ ان سب کا مرہون احسان رہنا نہایت ضروری ہے، ورنہ انسان ناشکری میں مبتلا ہو جاتا ہے اور یہ ناشکری بہت بڑا جرم ہے اور عورتوں کی اکثریت اسی ناشکری کی وجہ سے جہنم کا ایندھن بنے گا۔

یہ موضوع چونکہ بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے، لیکن بدقسمتی سے جتنا زیادہ اس کی اہمیت ہے، اتنی ہی اس سے بے اعتنائی عام ہے اس لیے ہم اس پر قدرے تفصیل سے گفتگو کرنا مناسب بلکہ ضروری سمجھتے ہیں۔

اللہ کی اور خاوند کی ناشکری، ایک بڑا جرم اور اس کا نبوی حل

عَنْ عَبْدِالله بْنِ عَبَّاسٍ (قَالَ فِی حَدِیثِ خُسُوفِ الشَّمْسِ عَلٰی عَهْدِ رَسُولِ اللهﷺ، قَالَ رَسُولُ اللهﷺ): «وَرَأَیْتُ النَّارَ فَلَمْ أَرَ كَالْیَوْمِ مَنْظَرًا قَطُّ، وَرَأَیْتُ أَكْثَرَ أَهْلِهَا النِّسَاءَ، قَالُوا: لِمَ یَارَسُولَ الله! قَالَ بِكُفْرِهِنَّ، قِیلَ یَكْفُرْنَ بِاللّٰهِ ؟ قَالَ یَكْفُرْنَ الْعَشِیرَ وَیَكْفُرْنَ الْإِحْسَانَ، لَوْ أَحْسَنْتَ الٰی اِحْدَاهُنَّ الدَّهْرَ ثُمَّ رَأَتْ مِنْكَ شَیْئًا قَالَتْ: مَا رَأَیْتُ مِنْكَ خَیْرًا قَطّ» [1]

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں سورج گرہن کا واقعہ بیان فرمایا، اس میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو خسوف کی نماز پڑھائی، اس نماز میں آپ کو جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کروایا گیا، نماز کے بعد آپ نے اس کی کچھ تفصیل بیان فرمائی۔ اس میں آپ نے فرمایا: ''میں نے جہنم کو بھی دیکھا، اور اس جیسا (ہولناک) منظر، جو میں نے آج دیکھا، کبھی نہیں دیکھا۔ اور میں نے جہنم میں اکثریت عورتوں کی دیکھی۔ صحابہ نے پوچھا، اللہ کے رسول! اس کی وجہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا، ان کا ناشکری کرنا۔ پوچھا گیا، کیا اللہ کی ناشکری کرنا؟ آپ نے فرمایا: (نہیں) وہ خاوند کی ناشکری کرتی ہیں اور اس کے احسان کو تسلیم نہیں کرتیں۔ اگر تم ان میں سے کسی کے ساتھ زندگی بھر احسان کرتے رہو، پھر وہ تم سے کوئی ایسی بات دیکھ لے (جو اس کے مزاج اور طبیعت کے خلاف ہو) تو وہ کہے گی، میں نے تو تیرے ہاں کبھی سکھ دیکھا ہی نہیں۔''

اس حدیث میں عورتوں کی ایک بہت بڑی کمزوری کا بیان ہے اور وہ ہے خاوند کی

[1] صحيح البخاري: كتاب النكاح،باب كفران العشير وهوالزوج،وهوالخليط من المعاشرة حدیث نمبر: 5197

ناشکری۔ عورت مرد کی رفیقِ زندگی اور شریکِ سفر ہے۔ زندگی میں نشیب وفراز اور حالات میں مدّ و جزر آتے رہتے ہیں۔ انصاف اور اخلاق کا تقاضا ہے کہ کبھی مرد مشکلات میں پھنس جائے اور اس پر تنگ دستی کا دور آجائے، تو ایسے حالات میں بھی عورت مرد کا اسی طرح ساتھ دے جیسے خوش حالی کے دور میں وہ دیتی رہی تھی اور حرف شکایت زبان پر لا کر مرد کی دل شکنی یا اس کی مشکلات میں اضافہ نہ کرے۔

جو عورتیں اس کے برعکس رویہ اختیار کرتی ہیں اور تنگی میں بھی ان کی توجہ اپنے لباس، اپنے زیورات اور اپنی آسائشوں اور سہولتوں ہی پر رہتی ہے اور ان میں کمی آنے پر مردوں کو کوستی اور شکوہ شکایتوں سے مردوں کی پریشانیوں میں اضافے کا باعث بنتی ہیں۔ یہ ناانصافی ہے اور خاوندوں کی ناشکری ہے، جو اللہ کو ناپسند ہے اور یہ صفت اسے اتنی ناپسند ہے کہ اس کی وجہ سے ہی اللہ تعالیٰ ایسی عورتوں کو جہنم میں ڈال دے گا۔

بنا بریں ضروری ہے کہ نیک خواتین، جنت میں جانے کی خواہش مند خواتین، اس حدیث رسول کو ہر وقت اپنے سامنے رکھیں اور کسی موقعے پر بھی خاوند کی ناشکری کریں اور نہ اللہ کی ناشکری کریں، کہ یہ دونوں ناشکریاں جہنم میں لے جانے کا باعث بن سکتی ہیں۔ بلکہ بہتر ہے کہ محرومی اور تنگ دستی کے موقعے پر نبی ﷺ کی یہ حدیث سامنے رکھی جائے جس میں نبی ﷺ نے فرمایا ہے:

«اُنْظُرُوا إِلٰى مَنْ هُوَ اَسْفَلَ مِنْكُمْ وَلَا تَنْظُرُوا إِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقَكُمْ فَهُوَ أَجْدَرُ أَنْ لَّا تَزْدَرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ» [1]

”ان کو دیکھو جو تم سے کمتر ہیں، ان کو مت دیکھو جو تم سے برتر ہیں۔ اس طرح تم ان نعمتوں کی جو اللہ نے تمھیں عطا کیں ہیں ناقدری نہیں کرو گے۔“

[1] صحیح مسلم :کتاب الزھد والرقائق، حدیث : 2963

کمتر اور برتر دنیا کی حیثیت سے۔ یعنی دنیوی مال واسباب یا ظاہری شکل وصورت کے اعتبار سے جو تم سے برتر ہے، اسے مت دیکھو، اس طرح تمھیں جو بے شمار نعمتیں حاصل ہیں، ان کی کوئی قدر تمھاری نظر میں نہیں رہے گی اور یوں تم اللہ کی ناشکری کرو گے۔ اس کے برعکس جب تم اپنے سے کم تر یا اپنے سے بدشکل لوگوں کو دیکھو گے، تو تمھارے دل میں اللہ کی نعمتوں کا احساس پیدا ہوگا اور تم اللہ کا شکر کرو گے۔ اس مفہوم کو ایک دوسری حدیث میں اس طرح واضح کیا گیا ہے۔

«إِذَا نَظَرَ أَحَدُكُمْ إِلٰى مَنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ فِي الْمَالِ وَالْخَلْقِ، فَلْيَنْظُرْ إِلٰى مَنْ هُوَ أَسْفَلَ مِنْهُ مِمَّنْ فُضِّلَ عَلَيْهِ» [1]

''جب تم میں سے کوئی شخص ایسے شخص کو دیکھے جو مال ودولت اور پیدائش (حسن و جمال) میں اس سے زیادہ حیثیت رکھنے والا ہو، تو وہ ایسے شخص کو بھی دیکھے جو (مذکورہ حیثیتوں کے اعتبار سے) اس سے کمتر ہو۔''

ایک اور حدیث میں نقطۂ نظر کے مذکورہ دونوں پہلوؤں کے نتائج کو ان الفاظ میں واضح کیا گیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«خَصْلَتَانِ مَنْ كَانَتَا فِيهِ كَتَبَهُ الله شَاكِرًا صَابِرًا وَمَنْ لَّمْ تَكُونَا فِيهِ لَمْ يَكْتُبْهُ الله شَاكِرًا وَلَا صَابِرًا، مَنْ نَظَرَ فِي دِينِهِ إِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقَهُ فَاقْتَدٰى بِهٖ- وَمَنْ نَظَرَ فِي دُنْيَاهُ إِلٰى مَنْ هُوَ دُونَهُ فَحَمِدَالله عَلٰى مَا فَضَّلَهُ بِهٖ عَلَيْهِ كَتَبَهُ الله شَاكِرًا وَ صَابِرًا وَمَنْ نَظَرَ فِي دِينِهِ إِلٰى مَنْ هُوَ دُونَهُ وَنَظَرَ فِي دُنْيَاهُ إِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقَهُ فَأَسِفَ عَلَى مَا فَاتَهُ مِنْهُ لَمْ يَكْتُبْهُ الله شَاكِرًا وَلَا صَابِرًا» [2]۔

[1] صحيح البخاري:كتاب الرقائق ـباب لينظر الى من هو ... حديث:6490،وصحيح مسلم:كتاب الزهد والرقائق،حديث:2963

[2] سنن الترمذي : كتاب صفة القيامة، 2512،

یہ روایت سنداً ضعیف ہے لیکن دیگر صحیح احادیث میں بھی یہ باتیں بیان کی گئی ہیں، اس لیے تائیداً اس کو ذکر کیا گیا ہے۔

''دو خصلتیں ایسی ہیں جس میں وہ ہوں گی، اللہ تعالیٰ اسے شاکر و صابر لکھ دیتا ہے اور جس میں وہ نہیں ہوں گی، اسے اللہ شاکر و صابر نہیں لکھتا۔ جو شخص اپنے دین کے معاملے میں ایسے شخص پر نظر رکھتا ہے جو اس سے بڑھ کر ہے، پھر اس کی اقتداء کرتا ہے۔ اور دنیا کے معاملے میں اس شخص کو دیکھتا ہے جو اس سے کمتر حیثیت کا حامل ہے، پھر اس بات پر اللہ کی حمد کرتا ہے کہ اللہ نے اس کو اس پر فضیلت عطا کی ہے۔ (ان دو خصلتوں کے حامل شخص کو) اللہ تعالیٰ شاکر اور صابر لکھ دیتا ہے۔ اور جو شخص اپنے دین کے معاملے میں اپنے سے کمتر (دیندار) کو دیکھتا ہے اور دنیا کے معاملے میں اپنے سے برتر (مال دار) کو دیکھتا ہے اور پھر جو اسے (دنیا کے مال و اسباب سے) میسر نہیں ہے اس پر افسوس کا اظہار کرتا ہے، تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ نہ شاکر لکھتا ہے اور نہ صابر۔''

اس حدیث میں مذکورہ دو خصلتوں کی موجودگی یا عدم موجودگی کا نتیجہ بتلایا گیا ہے جس میں پہلی دو خصلتیں ہوں گی، وہ یقیناً ایک تو دین و شریعت کی پابندی کا بھی زیادہ اہتمام کرے گا، کیونکہ اس کی نظر اپنے سے زیادہ متقی و پارسا شخص پر ہوگی اور وہ اسی کو نمونے کے طور پر اپنے سامنے رکھ کر اس کی اقتداء کرے گا۔ دوسرے، وہ شخص اللہ کا شکر بھی خوب ادا کرے گا کیونکہ وہ ہر وقت ان کو دیکھے گا جو اس سے بھی زیادہ محروم قسم کے لوگ ہیں، تو قدرتی طور پر ہر وقت اس کی زبان کلمات حمد سے تر اور اس کا دل اعتراف نعمت سے معمور رہے گا۔ اس کے برعکس جس شخص کے اندر یہ دو خصلتیں نہیں ہوں گی، وہ ایک تو دین و شریعت کی پابندی کا بھی زیادہ اہتمام نہیں کرے گا، کیونکہ اس کے سامنے وہ نمونے ہوں گے جو دین کے زیادہ پابند نہیں ہوں گے۔ دوسرے، یہ شخص ہر وقت اپنی محرومی ہی کا گلہ اور اللہ کی نعمتوں کی ناقدری ہی کرے گا، کیونکہ اس کے آئیڈیل وہ لوگ ہوں گے جو محض

دنیادار اور ہر طرح کے وسائل سے بہرہ ور ہوں گے۔

رہن سہن میں نازونعمت کے بجائے، تواضع اور سادگی پسندیدہ ہے

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ لَمَّا بَعَثَ بِهِ إِلَى الْيَمَنِ قَالَ: «إِيَّاكَ وَالتَّنَعُّمَ فَإِنَّ عِبَادَاللّٰهِ لَيْسُوا بِالْمُتَنَعِّمِينَ»۔[1]

''حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں یمن بھیجنے لگے تو آپ نے فرمایا: نازونعمت کی زندگی سے اجتناب کرنا، اس لیے کہ اللہ کے بندے نازونعمت اختیار کرنے والے نہیں ہوتے۔''

اس حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نازونعمت اختیار کرنے سے منع فرمایا ہے۔ نازونعمت سے کیا مراد ہے؟ پرتکلف زندگی، ہر وقت دنیاوی آسائشوں کی طلب میں رہنا، لباس فاخرہ زیب تن کیے رکھنا اور لباس کی کریز کو خراب نہ ہونے دینا، شاہانہ کروفر اور امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ اختیار کرنا، وغیرہ۔

اس کے مقابلے میں جو چیز پسندیدہ اور ایک مومن کی شان کے زیادہ لائق ہے، اسے اس حدیث میں بیان کیا گیا ہے جو ابو امامہ حارثی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ اس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْبَذَاذَةُمِنَ الْاِيْمَانِ»[2]

''بذاذت (لباس اور رہن سہن میں سادگی) ایمان کا حصہ ہے۔''

اور ابوداود میں یہ لفظ تاکید کے طور پر بہ تکرار ہے:

---

[1] مسند أحمد: (243/5)، وشعب الأيمان: (246/8) ومشكاة: الرقاق، حديث: 5262، وقال الألباني إسناده جيد: (1448/3)۔

[2] سنن ابن ماجه: كتاب الزهد باب من لايؤبه حديث: 4118، الصحيحة للألباني، رقم: 341

«اِنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْأِيْمَانِ، اِنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْإِيْمَانِ»[1]

''بذاذت (لباس اور رہن سہن میں سادگی) ایمان کا حصہ ہے، بذاذت ایمان کا حصہ ہے۔''

قال، البذاذة القشافة، يعني التقشُّف۔ حدیث کے راوی نے بَذَاذَة کے معنی کیے ہیں قشافة۔ اور قَشَافَة یا تقشف کا مطلب ہے، لباس اور رہن سہن میں سادگی اختیار کرنا۔ گویا بذاذت تَنَعُّم کے الٹ ہے۔ تَنَعُّم کا مطلب ہے لباس اور رہن سہن میں تکلف اور امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ اختیار کرنا، اور بذاذت کا مطلب اس کے برعکس سادگی اور فقیر منشی اختیار کرنا۔

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَمَنْ تَرَكَ لُبْسَ ثَوْبِ جَمَالٍ وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَيْهِ تَوَاضُعًا كَسَاهُ اللّٰهُ حُلَّةَ الْكَرَامَةِ»[2]

''جس نے طاقت رکھنے کے باوجود تواضع کے طور پر خوب صورتی کا لباس پہننا چھوڑ دیا، اللہ تعالیٰ اسے (جنت میں) عزت کا جوڑا پہنائے گا۔''

یہ روایت سنداً ضعیف ہے۔ شیخ البانی نے اسے ضعیف سنن أبی داود (رقم: 4348) میں درج کیا ہے، لیکن اس میں جو بات بیان کی گئی ہے وہ صحیح احادیث سے ثابت ہے، حدیث مذکور، جس میں بذاذت کو ایمان کا حصہ کہا گیا ہے، اس کا مفہوم بھی یہی ہے۔ اس لیے اس سے استدلال کرنا جائز ہے۔ بہر حال اس میں بھی تواضع کے طور پر سادگی اختیار کرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

ایک اور حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[1] سنن أبي داود: أول كتاب الترجّل حديث: 4161

[2] سنن أبي داود: كتاب الأدب باب من كظم غيظا 4778

«مَنْ لَبِسَ ثَوْبَ شُهرَةٍ فِي الدُّنْيَا، اَلْبَسَهُ اللّٰهُ ثَوْبَ مَذَلَّةٍ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ أَلْهَبَ فِيهِ نَارًا» [1]

''جس نے دنیا میں شہرت کا لباس پہنا، اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائے گا، پھر اس میں آگ بھڑکائے گا۔''

شُہرت کے لباس سے مراد، فخر وتکبر اور ریا کاری کی نیت سے بیش قیمت لباس کا پہننا ہے۔ ورنہ فی نفسہ قیمتی لباس پہننا ممنوع نہیں جیسا کہ آگے اس کی تفصیل آرہی ہے۔

نبی ﷺ، ازواج مطہرات و دیگر اہل بیت اور صحابہ کرام کی سادہ معاشرت کے چند نمونے:

عَنْ عُمَرَ رَضِيَ الله عَنْهُ قَالَ: (دَخَلْتُ عَلٰى رَسُولِ اللهِ ﷺ) وَإِنَّهُ لَعَلٰى حَصِيرٍ مَا بَيْنَهُ وَ بَيْنَهُ شَيْءٌ وَتَحْتَ رَأْسِهِ وِسَادَةٌ مِنْ أَدَمٍ حَشْوُهَا لِيفٌ وَاِنَّ عِنْدَ رِجْلَيْهِ قَرَظًا مَصْبُورًا، وَعِنْدَ رَأْسِهِ أَهَبٌ مُعَلَّقَةٌ، فَرَأَيْتُ أَثَرَ الْحَصِيرِ فِي جَنْبِهِ فَبَكَيْتُ، فَقَالَ مَا يُبْكِيكَ؟ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ الله إِنَّ كِسْرٰى وَ قَيْصَرَ فِيمَاهُمَا فِيهِ وَأَنْتَ رَسُولُ الله فَقَالَ: «اَمَا تَرْضٰى أَنْ تَكُونَ لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَنَا الْآخِرَةُ» وَفِي رِوَايَةٍ: فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ ﷺ أُدْعُ الله فَلْيُوَسِّعْ عَلٰى أُمَّتِكَ فَإِنَّ فَارِسَ وَالرُّومَ قَدْ وُسِّعَ عَلَيْهِمْ وَأُعْطُوا الدُّنْيَا وَهُمْ لَا يَعْبُدُونَ الله فَجَلَسَ النَّبِيُّ ﷺ وَكَانَ مُتَّكِئًا فَقَالَ أَوَفِي هٰذَا أَنْتَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ؟ إِنَّ أُولٰئِكَ قَوْمٌ قَدْ عُجِّلُوا طَيِّبَاتِهِمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا» [2]

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی ﷺ کے اپنی ازواج مطہرات سے ناراضی اور علیحدگی کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ ایک چٹائی پر استراحت فرما ہیں، آپ کے اور چٹائی

[1] سنن ابن ماجه:كتاب اللباس،باب من لبس شهرة من الثياب:حديث3607

[2] صحيح البخاري:كتاب النكاح،باب موعظة الرجل ابنته لحال زوجها: حديث:5191

کے درمیان کوئی چیز (گدّا، چادر وغیرہ) نہیں تھی، آپ کے سرہانے چمڑے کا ایک تکیہ تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی اور آپ کے پیروں کے پاس ایک درخت کے کچھ پتوں کا ڈھیر تھا، آپ کے سر کے پاس ایک کھال لٹکی ہوئی تھی۔ میں نے دیکھا کہ چٹائی کے نشانات آپ کے پہلوؤں پر ثبت ہیں۔ تو میں رو پڑا، آپ نے پوچھا: ''عمر کیوں روتے ہو؟'' میں نے کہا، اللہ کے رسول! قیصر وکسری جس شان وشوکت میں ہیں وہ سب کو معلوم ہے اور آپ اللہ کے رسول ہیں (پھر بھی آپ کی یہ بے سروسامانی؟) تو آپ نے فرمایا: ''عمر! کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ ان کے لیے دنیا ہی دنیا ہو اور ہمارے لیے آخرت ہو۔''

ایک دوسری روایت میں ہے (حضرت عمر نے رسول اللہ ﷺ کی بے سروسامانی کو دیکھ کر عرض کیا) اے اللہ کے رسول! اللہ سے دعا فرمایئے! وہ آپ کی امت پر فراخی فرمائے، اس لیے کہ فارس اور روم والوں پر تو فراخی کی گئی ہے اور دنیا کا مال ان کو خوب دیا گیا ہے حالانکہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے، میری یہ بات سن کر رسول اللہ ﷺ سیدھے بیٹھ گئے اور آپ تکیہ لگائے ہوئے تھے اور فرمایا: ''اے ابن الخطاب! کیا تم ابھی تک اس کی بابت شک میں ہو (کہ آخرت، دنیا سے بہتر ہے؟) یاد رکھو! یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کو ان کی نعمتیں دنیا ہی میں دے دی گئی ہیں (آخرت میں ان کے لیے کچھ نہیں ہے۔)''

اس حدیث میں نبی ﷺ کی سادہ معاشرت، دنیا سے بے رغبتی، بے سروسامانی اور فکر آخرت کا بیان ہے۔ آپ کی ازواج مطہرات، آپ کی لخت جگر حضرت فاطمۃ الزہرا اور دیگر صحابۂ کرام کا بھی یہی حال تھا، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بابت آتا ہے کہ نبیٔ کریم ﷺ ان کے لیے ایک غلام، جو ان کو ہبہ کرنا تھا، لے کر ان کے گھر آئے، تو ان کے سر پر جو کپڑا تھا وہ اتنا چھوٹا تھا کہ وہ پیروں تک پورا نہیں آتا تھا۔ چنانچہ وہ اس کپڑے کے ساتھ اپنا سر

ڈھانکتیں تو پیروں تک نہیں آتا تھا اور پیر ڈھانکتیں تو سر تک نہیں آتا تھا۔ جب نبی ﷺ نے ان کی یہ صورت حال دیکھی تو فرمایا:

«لَيْسَ عَلَيْكِ بَأْسٌ، إِنَّمَا هُوَ أَبُوكِ وَغُلَامُكِ» [1]

''سر یا پیر ننگے رہنے میں تیرے لیے کوئی حرج کی بات نہیں، اس لیے کہ تیرے سامنے صرف تیرے باپ یا غلام ہی ہیں۔''

یعنی تیرے لیے ان سے پردہ کرنا ضروری نہیں ہے، اس لیے ان کے سامنے سر یا پیروں کو ننگا رکھنا جائز ہے۔

اس واقعے سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بے سروسامانی کا بھی بہ آسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ یہی صورت حال ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی تھی، جن کے چولہوں میں دو دو مہینے آگ ہی نہیں جلتی تھی، صرف پانی یا کھجوروں سے گزارا کرتی تھیں۔ [2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

''مدینہ آنے کے بعد نبی ﷺ کے وفات پا جانے تک، محمد ﷺ کی آل (ازواج مطہرات وغیرہ) نے مسلسل تین راتیں سیر ہو کر گندم کی روٹی نہیں کھائی۔'' [3]

نبی ﷺ کے اولین مدرسے کے اولین طلبائے علم، جنھیں اصحاب الصُّفّہ کہا جاتا ہے کی حالت بھی ملاحظہ فرمائیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں نے ستر اصحابِ صُفّہ کو دیکھا، ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا کہ جس کے پاس بڑی چادر ہو (جس سے اس کا پورا جسم ڈھک جائے) کسی کے پاس

---

[1] سنن أبي داود: كتاب اللباس، باب في العبد ينظر إلى شعر مولاته حديث 4106

[2] صحيح البخاري: كتاب الرقاق، باب كيف كان عيش النبي: حديث: 6459

[3] صحيح البخاري: كتاب الرقاق، كيف كان عيش النبي: حديث: 6454

ازار (تہ بند کی جگہ استعمال ہونے والی چادر) تھی، تو کسی کے پاس اوپر (قمیص کی جگہ) لینے والی چادر۔ انھی چادروں کو انھوں نے اپنی گردنوں سے باندھ رکھا تھا، پس وہ چادر کسی کی نصف پنڈلیوں تک پہنچتی تھی اور کسی کے ٹخنوں تک، اور وہ اسے اپنے ہاتھ سے سمیٹے رکھتا تھا اس خوف سے کہ کہیں اس کا قابل ستر حصہ ظاہر نہ ہو جائے۔" [1]

ایک اور روایت میں حضرت ابو ہریرہ ان کی بابت صراحت فرماتے ہیں:

"اہل صفہ، اسلام کے مہمان تھے، جن کا (مدینہ میں) کوئی گھر بار تھا نہ مال ان کے پاس تھا اور نہ ان کا کوئی کفیل ہی تھا، جب نبی ﷺ کے پاس صدقہ آتا، تو آپ ان کی طرف بھیج دیتے اور جب کوئی ہدیہ آتا تو اس میں ان کو بھی شریک فرما لیتے، یعنی کچھ آپ اپنے لیے رکھ لیتے اور کچھ ان کو دے دیتے۔" [2]

اسی طرح اہل اسلام بھی ان کی مدد فرماتے اور بعض حضرات تو انھی کی خاطر کسب معاش کرتے اور اس سے ان کو غلّہ فراہم کرتے، جیسے ایک روایت میں ستر انصاریوں کی بابت آتا ہے۔ کہ وہ رات کو قرآن پڑھتے اور آپس میں اس کا درس و مذاکرہ کرتے اور دن کے وقت یہ لوگ مسجد نبوی کے لیے پانی فراہم کرتے اور لکڑیاں جمع کر کے انھیں فروخت کرتے اور اس رقم سے اہل صُفّہ کے لیے کھانے پینے کا سامان خریدتے۔ [3]

ایک اور حدیث میں ہے کہ اہل صفہ فقیر قسم کے لوگ تھے، نبی ﷺ بعض دفعہ فرماتے کہ جس کے پاس دو شخصوں کا کھانا ہو تو تیسرا اہل صفہ میں سے لے جائے ور جس کے پاس

---

[1] صحيح البخاري: كتاب الصلاة، باب نوم الرجال فى المسجد: حديث: 442

[2] صحيح البخاري: كتاب الرقاق، باب كيف كان عيش النبى: حديث 6452

[3] صحيح مسلم: بعد الحديث كتاب الجهاد باب ثبوت الجنة للشهيد حديث 1902

چار کا کھانا ہوتو پانچواں چھٹا ان میں سے لے جائے۔ باقی جو رہ جاتے، انھیں نبی ﷺ خود اپنے گھر لے جاتے، اور جو کچھ موجود ہوتا، اس میں سے ان کو کھلاتے۔ [1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جو خود بھی اپنے آپ کو مساکین صفہ میں شمار کرتے ہیں، اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جس میں ان کی اپنی معاشی کسمپرسی کا حال بھی ہے اور دیگر اہل صفہ کی تنگ دستی کا تذکرہ بھی۔ نیز نبی ﷺ ان کا جس طرح خیال رکھتے تھے، اس کی وضاحت بھی۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، یقیناً میں بھوک کی وجہ سے اپنے پیٹ کے بل زمین پر لیٹ جاتا اور بھوک ہی کی وجہ سے میں اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیتا، یہ پورا واقعہ آگے آئے گا، اس لیے یہاں صرف اشارہ ہی کیا جا رہا ہے۔'' [2]

حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«إِنِّي لَأَوَّلُ الْعَرَبِ رَمٰى بِسَهْمٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، وَرَأَيْتُنَا نَغْزُو وَمَالَنَا طَعَامٌ إِلَّا وَرَقُ الْحُبْلَةِ وَهٰذَا السَّمُرُ وَإِنَّ أَحَدَنَا لَيَضَعُ كَمَا تَضَعُ الشَّاةُ مَالَهُ خِلْطٌ»

''عربوں میں میں پہلا وہ شخص ہوں جس نے اللہ کی راہ میں تیز اندازی کی۔ اور ہم نے اپنے آپ کو دیکھا کہ ہم جہاد کرتے تھے اور ہمارے پاس کھانے کے لیے جھاؤ کے پتے اور اس ببول کے درخت کے سوا کچھ نہیں ہوتا تھا، اور ہمارا ایک اس طرح مینگنیاں کرتا تھا جیسے بکری کرتی ہے، وہ ملی ہوئی نہ ہوتیں (یہ تنگیٔ گزران کی طرف اشارہ ہے۔)'' [3]

---

[1] صحیح البخاری: کتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الاسلام، حدیث: 3581

[2] صحیح البخاري: کتاب الرقاق، باب کیف کان عیش النبی، حدیث: 6452

[3] صحیح البخاري: کتاب الرقاق، باب کیف کان عیش النبی: حدیث 6453

مال و دولت کی فروانی، ہلاکت کا پیش خیمہ

نبیٔ کریم ﷺ، ازوج مطہرات، دیگر اہل بیت اور صحابۂ کرام کے مزاج و معاشرت کی اس سادہ اور دنیا کے اسبابِ راحت و آسائش سے بے نیازی کی مذکورہ تفصیلات یہاں بیان کرنے سے اصل مقصد یہ ہے کہ آج کل ہمارے رہن سہن، معاشرت اور طرز زندگی میں عیش و عشرت اور تکلفات کی جو ارزانی ہوگئی ہے اور آرائش و زیبائش کا جو طوفان برپا ہے، اس کا ادنی سا تعلق بھی حضور کے طرز زندگی اور آپ کی معاشرت سے ہے؟ یقیناً نہیں ہے۔ آپ نے ان تکلفات کو، جنھیں ہم نے زندگی کے لوازمات بنا لیا ہے، قطعاً پسند نہیں فرمایا ہے، بلکہ آپ نے تو دنیا کی آسائشوں اور سہولتوں کی فراوانی کو تباہی و بربادی کا سبب بتلایا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں آپ نے فرمایا:

«فَوَاللّٰهِ مَا الْفَقْرُ أَخْشٰى عَلَيْكُمْ وَلٰكِنْ أَخْشٰى عَلَيْكُمْ أَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوها كَمَا تَنَافَسُوها وَتُلْهِيَكُمْ كَمَا أَلْهَتْهُمْ»

''اللہ کی قسم! مجھے تمھارے فقر سے کوئی اندیشہ نہیں، مجھے اندیشہ ہے تو اس بات سے کہ تم پر دنیا فراخ کر دی جائے گی جس طرح کہ تم سے پہلے لوگوں پر فراخ کر دی گئی تھی۔ پس تم بھی اس دنیا میں اسی طرح رغبت کرو گے جیسے انھوں نے رغبت کی تھی اور یہ رغبت پھر تمھیں بھی اسی طرح ہلاک کر دے گی جیسے اس نے ان کو ہلاک کر دیا تھا۔''[1]

[1] صحيح البخاري :كتاب الرقاق،باب مايحذر من زهرة الدنيا و التنافس فيها حديث:6425

عورت نئے گھر میں نئے ماحول میں

عورت رخصتی کے بعد اپنے والدین اور گھر کو چھوڑ کر ایک دوسرے گھر میں جاتی ہے والدین کے ہاں تو اس کو بھر پور پیار اس لیے ملا کہ وہ والدین کے جگر کا ٹکڑا تھی، اولاد نافرمان ہو تب بھی والدین سے پیار اور شفقت کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ پھر جس گھر اور ماحول میں وہ پروان چڑھی وہ اس کے لیے نہایت مانوس تھا۔

لیکن ایک نئے گھر میں خاوند کے علاوہ اس کو خاوند کے ماں باپ اور بہن بھائی بھی ملتے ہیں، یہ ابتداء اس کے لیے اجنبی ہوتے ہیں اور ماحول بھی نامانوس۔ اب یہ عورت کی سمجھ بوجھ، لیاقت و ذہانت اور اس کے رویے پر منحصر ہے کہ وہ خاوند کو کس طرح اپنا بناتی ہے؟ اس کے والدین کو اپنے ماں باپ کی طرح سمجھتے ہوئے ان سے اپنائیت کا اظہار کرتی ہے یا اس کے برعکس غیریت کا تاثر دیتی ہے؟ اس نئے ماحول کو خوش گوار بناتی ہے جہاں اب زندگی کے بقیہ ایام اس نے گزارنے ہیں یا اس کو ناگواری میں ڈھال کر اپنی زندگی بھی اجیرن بنا لیتی ہے اور دوسروں کی زندگیوں میں بھی زہر گھول دیتی ہے؟

اس میں چند عوامل نہایت مؤثر کردار ادا کرتے ہیں جو مستقبل کو سنوار بھی سکتے ہیں اور بگاڑ بھی سکتے ہیں۔

(1) والدین کی ذمے داری

اس میں اولین ذمے داری عورت کے والدین کی ہے۔ وہ بچی کو اچھی تربیت دیں جس میں حسب ذیل چیزیں شامل ہیں۔

1. دینی تعلیم وتربیت کا اہتمام، احکام شرعیہ کی پابندی اور سادگی کی تلقین
2. خانگی امور کی تربیت۔ اس میں کھانے پکانے کی مہارت، صفائی ستھرائی کی تاکید، بچوں کی دیکھ بھال، گھریلو اخراجات میں کفایت شعاری اور سلیقہ پن شامل ہیں۔
3. ساس سسر کے احترام کی تلقین، نندوں کی ساتھ پیار محبت اور شفقت کا سلوک، خاوند کی اطاعت وخدمت گزاری اور ہر حالت میں وفاداری کا مظاہرہ کرنے کی تاکید۔
4. بیٹی کو سمجھائیں کہ سسرال میں پیش آنے والے چھوٹے موٹے معاملات، معمولی تلخیاں یا کبھی کبھی تعلقات کی ناگواریاں برداشت کی جائیں، صبر وتحمل اور دانش مندی سے ان کو سلجھایا جائے اور روزمرہ کے واقعات یا کبھی کبھی کی ناخوش گواریوں کا ذکر اپنے ماں باپ سے نہ کیا جائے۔ اس سے والدین کے دلوں میں سسرالیوں سے نفرت پیدا ہوگی جو دونوں خاندانوں کے تعلقات میں خرابی اور بگاڑ کا باعث ہوگی۔

ہاں اگر واقعی سسرال والوں کا رویہ نئی دلھن کے ساتھ اچھا نہیں ہے، یہاں پیار کے بجائے اسے نفرت کا سامنا ہے، عدل وانصاف کے بجائے ظلم وستم کی گرم بازاری ہے اور اس کو گھر میں وہ قرار واقعی مقام نہیں دیا جارہا ہے جس کا وہ استحقاق رکھتی ہے۔ تو پھر اس انہونی صورت حال سے والدین کو ضرور مناسب انداز سے آگاہ کیا جائے تاکہ وہ اس کا حل نکال سکیں۔ تاہم عام حالات میں چھوٹی چھوٹی باتیں ماں باپ کو پہنچا کر ان کے سکون کو برباد کرنا نہ کوئی دانش مندی ہے اور نہ سسرال میں رہنے کا کوئی

قرینہ وسلیقہ۔

5 بعض مائیں پیشگی ہی اپنی بچی کو اس طرح کی الٹی پٹی پڑھا دیتی ہیں کہ دیکھنا وہاں کسی سے دب کر نہیں رہنا، اپنا رعب جمانے کی کوشش کرنا، کسی کی ماتحتی قبول نہیں کرنا، وغیرہ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عورت کو نئے گھر میں حکمت و دانش، پیار محبت اور تواضع وانکسار کے ذریعے سے اپنا جو مقام بنانا ہوتا ہے، اس سنہری موقعے کو وہ ضائع کر دیتی ہے اور ماں یا سہیلیوں کے پڑھائے ہوئے سبق پر عمل کرتے ہوئے محاذ آرائی کی فضا یا سرکشی کی سی صورت پیدا کر دیتی ہے اور یوں بنا بنایا کھیل سب بگڑ کر رہ جاتا ہے اور حسین خوابوں کا شیش محل چکنا چور ہو جاتا ہے۔

اس لیے ماؤں کو اس قسم کا سبق بچیوں کو ہرگز نہیں پڑھانا چاہیے بلکہ اس کے برعکس اس کو برائی کو اچھائی سے ٹالنے کی اور عارضی تکلیفوں کے مقابلے میں صبر وحکمت سے کام لینے کی، بڑوں کا ادب واحترام اور چھوٹوں پر شفقت کرنے کی تلقین کرنی چاہیے۔ جیسا کہ ہمیں انھی باتوں کو اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ۝٣٤﴾ [حم السجدة 34]

”نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، برائی کو بھلائی سے دور کرو (ایسا کرو گے تو) پھر وہی جس کے اور تمھارے درمیان دشمنی ہے، ایسا ہو جائے گا جیسے وہ دلی دوست ہے۔“

اور نبی ﷺ نے فرمایا:

«لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيرَنَا» [1]

[1] جامع الترمذي: كتاب البر والصلة، باب ماجاء في رحمة الصبيان حديث: 1919

''اس کا ہم (مسلمانوں) سے تعلق نہیں جو ہمارے چھوٹوں پر شفقت (رحم) نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کا ادب واحترام ملحوظ نہیں رکھتا۔''

② مرد کے لیے حکمت ودانش کی ضرورت

دوسرے نمبر پر خاوند کا کردار ہے۔ جب نئی نویلی دلھن ایسے گھر میں آتی ہے جہاں شوہر کے والدین، اس کے بہن بھائی اور بھابھیاں وغیرہ بھی ہوتی ہیں تو پھر مرد کا امتحان شروع ہوجاتا ہے اس طرح کے مشترکہ خاندان میں عورتوں (ساس، نندوں وغیرہ) کے ساتھ ٹکراؤ کا خطرہ ہر وقت، سر پر لٹکی تلوار کی طرح رہتا ہے۔ کسی وقت ساس بہو کے درمیان تکرار ہوجاتی ہے تو کبھی نندوں کے ساتھ نوک جھونک، یا بھابھیوں یا ان کے بچوں کے ساتھ کوئی معاملہ۔ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ مرد کا خصوصی تعلق ہے، گو اس کی اہمیت ونوعیت ایک دوسرے سے مختلف ہے، لیکن ہر ایک کے ساتھ تعلق کے خصوصی ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

❀ ایک عورت اس کی بیوی بن کر اس کے پاس آئی ہے، وہ اپنے ماں باپ کے گھر میں ناز ونعمت میں پلی ہے، وہ ماں باپ کی آنکھوں کا تارا اور ان کے دلوں کا ٹکڑا رہی ہے، اس نئے گھر میں اس کو ماں باپ کی محبت وشفقت کا بدل بلکہ نعم البدل ملنا چاہیے، (شریعت کا حکم بھی یہی ہے)۔

❀ اس مرد کی ماں ہے، جس نے اس کی خاطر ہر طرح کی مشقتیں برداشت کی ہیں، اس کو پال پوس کر جوان کیا ہے، پھر اس کی حسب خواہش اس کی جوانی کی آرزو (شادی کرکے) پوری کی ہے۔ بیوی کے آجانے کے بعد بھی ضروری ہے کہ ماں کی خدمت، حسن سلوک، ادب واحترام میں کوئی کمی نہ آئے۔

❀ گھر میں باپ ہے، جس نے دُکھ دیکھا نہ سُکھ، ہر حالت میں شب و روز محنت کر کے دولھا کی کفالت کی، اس کی تعلیم سے لے کر زندگی کی ہر ضرورت تک، اس نے وسائل مہیا کیے، آخر میں شادی کا بندوبست کیا۔ کیا اب دولھا میاں کو یہ زیبا دے گا کہ شادی کے بعد وہ اپنے محسن باپ سے ادب و احترام اور حسن سلوک کے تقاضوں کی ادائیگی میں کوتاہی کرے؟

❀ دولھا کی بہنیں ہیں یا چھوٹے بھائی ہیں، ان کی بھی محبت کے کچھ تقاضے ہیں، جن کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

چکی کے تو دو ہی پاٹ ہوتے ہیں جن کے درمیان آنے کا محاورہ مشہور ہے، لیکن یہاں تو کئی پاٹ ہیں جن میں شادی کے بعد ایک مرد کو خواہی نخواہی آنا پڑتا ہے۔ ان پاٹوں کی زد میں آنے سے بچاؤ کے لیے اسے حکمت و دانش سے کام لینا پڑے گا جس میں شریعتِ اسلامیہ اس کی پوری مدد کرتی ہے اور اگر مرد شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے سب کے حقوق کی ادائیگی میں۔ حسب مراتب۔ مخلص ہو گا اور کسی کے ساتھ بھی تجاوز کرنے کی نیت نہیں رکھے گا تو یقیناً اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی مدد فرمائے گا اور وہ اس امتحان میں سرخ رُو رہے گا اور اس پل صراط کو عبور کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

③ ساس کا کردار

تیسرے نمبر پر دولھا کی ماں کا کردار ہے جس کو ساس کہا جاتا ہے اور ہمارے معاشرے میں ساس بہو کا روایتی کردار مشہور ہے اور اس کے بارے میں مختلف حکایتیں اور کہاوتیں عام ہیں۔ ساس حسب ذیل تجاویز یا تدابیر کو اختیار کرے تو یقیناً حسن کردار کے تقاضے پورے ہو سکتے ہیں:

1. مذکورہ آیت وحدیث پر عمل کرتے ہوئے برائی کو بھلائی سے ٹالے، نفرت کے بجائے محبت واپنائیت کا مظاہرہ کرے، شفقت ونرمی کو معمول بنائے۔
2. بیٹے کا گھر آباد کرنے کی نیت سے خوب دیکھ بھال کر دلھن کو گھر میں لا کر رکھا ہے، اب گھر کو آباد رکھنے کی نیت کرلے اور اس کے جو تقاضے ہیں ان کو بروئے کار لائے۔
3. بہو کی خوبیوں کو سراہے، کوتاہیوں سے درگزر کرے۔ جو کوتاہیاں سمجھانے سے دور ہو سکتی ہیں، اسے سمجھا کر دور کرنے کی مخلصانہ اور ہمدردانہ کوشش کی جائے، بار بار سمجھانے میں بھی گرانی محسوس نہ کرے، اس کی ناسمجھی پر غصے اور ناراضی کا اظہار کرنے کے بجائے چھوٹوں پر شفقت کرنے کے جذبے کو توانا اور برقرار رکھے۔
4. بہو کو غیر نہ سمجھے بلکہ بیٹیوں کی طرح اسے عزیز رکھے، اسے بیٹیوں والا پیار اور شفقت دے، بیٹیوں کی غلطیوں کو جس طرح بار بار کرنے کے باوجود نظر انداز کر دیا جاتا ہے، بہو کی غلطیوں کو بھی یہی حیثیت دی جائے۔
5. اس میں کھانے پکانے کی صحیح مہارت نہ ہو تو اس کی اس کوتاہی کو تبدریج دور کیا جائے، طعن وتشنیع کے بجائے اس کو نو آموز سمجھ کر خوش ذائقہ کھانوں کے طریقے اور ترکیبیں سمجھائی جائیں۔
6. بیٹا اگر بیوی سے محبت کرتا ہے اور یہ محبت کرنا فطری بات بھی ہے اور اس کا حق بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ میاں بیوی کے درمیان جو محبت ہوتی ہے، اس کی کوئی دوسری مثال ناپید ہے۔ اس کی اس فطری محبت اور اس کے مظاہر کو برداشت کیا جائے، اس کو اپنا رقیب یا حریف سمجھنے کی غلطی نہ کی جائے۔ آخر شادی کا مقصد بھی اس کے سوا اور کیا ہوتا ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے سے زیادہ سے زیادہ محبت کریں؟

شادی کے بعد اس محبت پر اعتراض کا کیا جواز ہے؟

④ بیوی کا حسن کردار اور حسن تدبُّر

گھر کو آباد رکھنے میں چوتھے نمبر پر بیوی کا کردار اور اس کا حسن تدبُّر ہے اگر عورت حسب ذیل باتوں کا خیال رکھے تو وہ بھی یقیناً اپنے گھر کو امن وسکون کا گہوارہ اور جنت کا نمونہ بنا سکتی ہے۔

1. چھوٹوں (نندوں وغیرہ) پر شفقت اور بڑوں (ساس، سسر وغیرہ) کے ادب واحترام کو اپنا شعار بنائے اور اس میں کسی مرحلے پر بھی کوتاہی نہ کرے۔
2. امور خانہ داری میں پوری دلچسپی لے، کھانے پکانے کا کام ہو، صفائی ستھرائی کا مسئلہ ہو، مہمانوں کی خاطر تواضع کا مرحلہ ہو، عزیز واقارب سے تعلقات نبھانے کا مسئلہ ہو، خاوند یا ساس سسر کی خدمت کی ضرورت ہو، بچوں کی دیکھ بھال اور نگرانی کی ذمے داری ہو، وہ کسی بھی مرحلے میں غفلت، سستی یا لاپرواہی کا مظاہرہ نہ کرے۔ عورت کی عزت، خدمت اور مسلسل خدمت ہی میں ہے۔ خدمت سے گریز کر کے کوئی عورت نہ عزت حاصل کر سکتی ہے اور نہ گھر والوں کے لیے آرام وراحت کا باعث ہو سکتی ہے۔ عورت سلیقہ مند بھی تب بھی ہی کہلائی اور سمجھی جائے گی جب وہ مذکورہ امور حسن وخوبی سے انجام دے گی، ورنہ وہ پھوہڑ عورت کہلائی اور سمجھی جائے گی اور خاندان اور معاشرے میں سلیقہ مند عورت ہی معزز ومحترم سمجھی جاتی ہے نہ کہ پھوہڑ عورت۔
3. عورت نئے گھر میں آ کر اپنے ماں باپ کے گھر کو بھول جائے۔ گھر کو بھول جانے کا مطلب، ماں باپ کو بھول جانا نہیں ہے، وہ تو ایک لازوال فطری تعلق ہے، اس کو کس طرح بھلایا یا دل سے نکالا جا سکتا ہے، ماں باپ سے محبت کا تعلق تو سدا قائم رہنا اور

قائم رکھنا ہے، پرانے گھر کو بھول جانے کا مطلب یہ ہے کہ عورت یہ سمجھے کہ اب میرا جینا اور مرنا اس نئے گھر کے ساتھ ہی وابستہ ہے، اب میں نے اسی کو سنوارنا اور سنبھالنا ہے۔ لیکن اس جذبے کو رُو بہ عمل لانے اور اس خاکے میں رنگ بھرنے کے لیے چند باتوں کا اہتمام ضروری ہے۔

اول، یہ کہ اس گھر کے عسر ویُسر کو برداشت اور اس کی اونچ نیچ کو انگیز کیا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں کی چھوٹی چھوٹی باتیں بڑھا چڑھا کر ماں باپ تک نہ پہنچائی جائیں، چھوٹی موٹی باتیں ہر گھر میں ہوتی ہیں حتی کہ ماں بیٹیوں کے درمیان اور باپ بیٹوں کے درمیان اور بھائی بہنوں کے درمیان بھی ہوتی رہتی ہیں۔ اگر ساس بہو، یا بھاوج نندوں کے درمیان یا میاں بیوی کے درمیان ہوتی ہیں تو یہ کوئی نہ انہونی بات ہے کہ ماں باپ کو اس سے ضرور آگاہ کیا جائے اور نہ ان کی ایسی اہمیت ہی ہے کہ ماں باپ کے علم میں لانا ضروری ہو۔ بلکہ یہ رویہ سخت خطرناک اور آبادکاری کے منافی ہے۔

دوم، یہ کہ عورت اس نئے گھر کے ماحول کو سمجھے اور اپنے کو اس ماحول میں پوری سنجیدگی سے ڈھالے، ماں باپ کے گھر میں وہ جو کام کرتی تھی، وہ یہاں اگر نہیں ہوتے تو ان کو یہاں کرنے پر اصرار نہ کرے اور جو کام اس نے اپنے گھر میں کبھی نہیں کیے لیکن یہاں وہ کیے جاتے ہیں تو ان کے کرنے میں تأمل یا گریز نہ کرے، بشرطیکہ ان میں شریعت سے تجاوز نہ ہو۔

اسی طرح ماں باپ کے گھر میں اسے جو سہولتیں میسر تھیں، نئے گھر میں وہ سہولتیں کم ہیں یا ان کا فقدان ہے، تو اس سے نہ گھبرائے اور نہ پریشان ہو اور نہ اس کی وجہ سے ماں باپ کو کوسے۔ بلکہ اللہ سے دعائیں کرے اور بہتری کے لیے مل جل کر کوششیں جاری

رکھے، اللہ کا یہ فرمان یاد رکھے:

﴿فَاِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ يُسۡرًا ۙ﴿۵﴾ اِنَّ مَعَ الۡعُسۡرِ يُسۡرًا ؕ﴿۶﴾﴾ [الانشراح 6-5]

''بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے، بلاشبہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے تکرار کے ساتھ دو مرتبہ اس حقیقت کا اظہار فرما کر اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ مشکلات سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ مشکلات کو آسانیوں میں تبدیل کرنے پر قادر ہے اور جو لوگ اللہ سے امیدیں وابستہ کرتے ہوئے صبر کرتے اور مشکلات برداشت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی ضرور مدد فرماتا اور ان کے لیے آسانیاں پیدا فرما دیتا ہے۔

سوم، یہ کہ اگر اس کو خاوند ایسا ملا ہے جو اس کی سوچ اور معیار سے کم ہے، وہ اس کے خوابوں کا شہزادہ نہیں ہے، اب اس کو نوشتۂ تقدیر سمجھ کر دل سے قبول کر لے اور صبر شکر سے کام لے، ہوسکتا ہے اللہ تعالیٰ اسی میں اس کے لیے اس کے حسین سپنوں سے زیادہ بہتری پیدا فرما دے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَعَسٰۤى اَنۡ تَكۡرَهُوۡا شَيۡـئًا وَّهُوَ خَيۡرٌ لَّـكُمۡۚ وَعَسٰۤى اَنۡ تُحِبُّوۡا شَيۡـئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّـكُمۡؕ وَاللّٰهُ يَعۡلَمُ وَاَنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۱۶﴾﴾ [البقرة 216]

''ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمھارے لیے بہتر ہو اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو جب کہ وہ تمھارے لیے بری ہو۔ (کیونکہ) اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔''

اور ایک مشہور حکایت ہے، اس کو بھی ہر عورت سامنے رکھے۔

ایک نہایت دلچسپ حکایت

وہ دلچسپ اور عبرت آموز حکایت یہ ہے کہ ایک عورت نہایت حسین وجمیل تھی لیکن خاوند اسے اتنا ہی بدشکل اور بدصورت ملا۔ کسی نے اس عورت سے پوچھا کہ تو اتنی خوب صورت ہے اور تیرا خاوند اتنا بدصورت؟ تیرا گزارا اس کے ساتھ کس طرح ہو رہا ہے؟ اس نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا: ہمارا گزارا بہت اچھا ہو رہا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ اللہ نے اس کو میرے جیسی حسین وجمیل بیوی عطا کر دی جس پر وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور مجھے اس جیسا بدصورت خاوند ملا تو میں نے اس پر صبر کیا، اور صابر و شاکر دونوں کے لیے اللہ کی طرف سے جنت کا وعدہ ہے۔ ہمیں امید ہے کہ یہ دنیا تو چندروزہ ہے، گزر ہی جائے گی، لیکن ہم دونوں صبر اور شکر کرنے کی وجہ سے جنت کے حق دار قرار پائیں گے۔

یہ حکایت جتنی دلچسپ ہے، اتنی ہی حکمت وموعظت سے لبریز ہے۔ کاش عورتیں احساس محرومی کے وقت اس میں پنہاں سبق کو حرز جان بنالیں۔

4 اگر مشترکہ گھر میں جیٹھ اور دیور اور ان کی بیویاں اور بچے بھی ہوں، تو یہاں بھی عورت چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کے ادب واحترام والے اس سبق کو یاد رکھے جس کی تلقین مذکورہ حدیث میں کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں خوش اخلاقی اور خوش زبانی کا التزام کرے اور ان کے تقاضوں سے کسی بھی مرحلے پر انحراف نہ کرے۔

مشترکہ خاندان میں ان دونوں باتوں کی قدم قدم پر ضرورت پڑتی ہے۔ کیونکہ اکٹھے رہنے میں جہاں بہت سے فائدے یا مجبوریاں ہیں وہاں لڑائی جھگڑے کے امکانات بھی بہت زیادہ ہیں۔ بعض دفعہ عورتوں میں باہم کسی بات پر تکرار ہوسکتی ہے۔

بھائیوں کے درمیان اختلافات ہو سکتے ہیں، بچوں کا آپس میں مل کر کھیلنا کودنا اور نادانی اور ناسمجھی میں ایک دوسرے کو زک پہنچانا، بچوں میں معمول کی بات ہوتی ہے۔ چھوٹوں پر شفقت کا تقاضا ہے کہ بچوں کی لڑائی کو ایسا ہی سمجھا جائے جیسے بچپنے میں حقیقی بہن بھائی ایک دوسرے کو مار پیٹ لیتے ہیں یا زیادہ تیز طرار بچہ دوسرے بھولے بھالے بھائی کی چیزیں چھین لیتا یا زیادتی کرتا ہے تو ان کو ناسمجھ سمجھ کر برداشت کیا جاتا ہے۔ یہی رویہ سارے بھائیوں کے چھوٹے بچوں کے ساتھ اپنانا ضروری ہے، سب کو اپنے ہی بچوں کی طرح سمجھیں اور دیکھیں اور ان کی آپس کی باہمی معصومانہ لڑائیوں کو نظر انداز کریں اور ان کی لڑائی کو بڑوں کی لڑائی میں تبدیل نہ کریں اور نہ ہونے دیں۔

اس رویے کے اپنانے میں بڑوں کے ادب واحترام اور خوش اخلاقی وخوش زبانی کا بھی بڑا دخل ہے، کوئی بھی عورت ان کے تقاضوں سے بھی کبھی غفلت نہ برتے بلکہ ان خوبیوں کو اپنی سیرت وکردار کا حصہ اور زندگی کا معمول بنائے۔ یہ اللہ رسول کا بھی حکم ہے اور حکمت ودانش کا مظہر بھی۔ جس کے اختیار کرنے میں آخرت کی بھی بھلائی ہے اور دنیوی زندگی میں خیر اور فلاح کا ذریعہ بھی۔ اللہ کی نظر میں بھی پسندیدگی کا باعث ہے اور خاندان میں بھی عزت اور نیک نامی کا ذریعہ۔ وَفَّقَ اللّٰهُ لِجَمِيْعِ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ لِمَا يُحِبُّ وَيَرْضٰى۔

5 اگر خاوند کے وسائل الگ گھر لے کر الگ رہنے کے متحمل نہیں ہیں تو عورت خاوند کو کبھی بھی اس پر مجبور نہ کرے، بلکہ مذکورہ ہدایات کی روشنی میں مشترکہ طور پر ہی گزارا کرے تا آنکہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے آسانیاں پیدا فرما دے۔

ہاں اگر خاوند کے وسائل اس امر کی اجازت دیں کہ وہ الگ مکان لے سکتا ہے (کرائے پر یا خرید کر) اور وہاں وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ خوش اسلوبی سے گزارا کر سکتا ہے اور علیحدہ رہ کر والدین کی بھی حسبِ ضرورت اور حسبِ استطاعت خدمت کر سکتا ہے، تو شادی کے بعد علیحدگی میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ اس صورت میں علیحدگی بہتر ہے۔ ایسی صورت حال میں والدین کو بھی بیٹے کو بہ رضا و رغبت علیحدہ رہنے کی اجازت دے دینی چاہیے۔

6 بڑوں کے ادب و احترام کی بابت جو عرض کیا گیا ہے، ان میں ساس سسر (دولھا کے ماں باپ) سرفہرست ہیں۔ سسرال میں آنے کے بعد عورت (دلھن) کے لیے یہ بھی اس کے لیے ماں باپ کے درجے میں ہیں۔ اب اس گھر میں جس طرح یہ دولھا کے ماں باپ ہیں، دلھن کے بھی ماں باپ ہیں۔ ماں باپ کے لیے بھی ضروری ہے کہ آنے والی دلھن کو بیٹی کی حیثیت دیں اور بیٹیوں والی شفقت اور پیار اسے دیں، اسی طرح عورت بھی ان کو زبان ہی سے امی، ابو نہ کہے بلکہ دل کی گہرائیوں سے ان کو ماں باپ والا احترام (پروٹوکول) دے، ان کے ساتھ گستاخانہ رویہ کسی حال میں بھی روا نہ رکھے۔ ساس اس کو امور خانہ کے بارے میں جو ہدایات دے، ان کو بہ صمیم قلب قبول کرے، ان کو بروئے کار لانے میں عمداً کوئی کوتاہی نہ کرے۔ ساس کو بار بار سمجھانے کی ضرورت پیش نہ آئے، یہ ضرورت اسی وقت پیش آتی ہے جب بہو ان ہدایات کی نہ پروا کرتی ہے اور نہ ان ہدایات کی روشنی میں اپنا رویہ تبدیل کرتی ہے۔ حالانکہ ان ہدایات کا مقصد عام طور پر بہو کی اصلاح، گھر کی اصلاح اور روزمرہ کے معمولات میں پیش آنے والی کوتاہیوں کی اصلاح ہوتی ہے، ان ہدایات کی پابندی اور سنجیدگی سے

ان پر عمل کرنے سے بہو کے کردار ہی میں بہتری آتی ہے اور گھر والوں کی نظر میں اس کی عزت اور احترام میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔

لیکن بار بار کے سمجھانے کے باوجود اگر بہو اپنی اصلاح نہیں کرتی تو اس سے یقیناً وہ گھر والوں کی نظر میں اس احترام سے محروم ہو جاتی ہے جو اس کا حق ہے اور جو اس کو اس گھر میں ملنا چاہیے۔ لیکن اس کی وجہ اس کی اپنی کوتاہی ہے جو کسی سمجھ دار بہو سے متوقع نہیں ہے۔

علاوہ ازیں بہو کا یہ کردار بھی گستاخی پر مبنی ہے کہ ساس، جو بمنزلہ ماں ہے، اس کو ایک بات بار بار سمجھاتی ہے لیکن وہ اس کو اختیار نہیں کرتی، اس کے مطابق اپنی اصلاح نہیں کرتی تو یقیناً یہ گستاخی ہے جس کی نہ شرعاً اس کو اجازت ہے نہ اخلاقاً اور نہ مصلحتاً۔

مصلحت تو اسی میں ہے کہ وہ ساس کی سمجھائی ہوئی باتوں کو اہمیت دے، آخر اب دلھن نے اسی گھر میں رہنا ہے تو وہاں کے بڑے سے بَیر رکھنا کوئی دانش مندی نہیں ہے۔ ساس کا قرار واقعی احترام کر کے اس کے دل میں اپنا مقام اور اپنا وقار بنائے، یہی دانش مندی ہے، یہی عزت و وقار کا باعث اور امن و سکون کی خوش گوار فضا قائم کرنے اور قائم رکھنے کا ذریعہ ہے، اسی میں خاوند کی بھی رضا مندی ہے۔ اور اس کی رضا مندی احکام شریعت کی پابندی کے بعد، جنت کی ضمانت ہے۔



میاں بیوی کی رنجش میں میکے والوں کا کردار

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے، وہاں حضرت علی موجود نہیں تھے، آپ نے اپنی صاحبزادی سے پوچھا: تمھارے عم زاد (علی) کہاں ہیں؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

«كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ شَيئٌ فَغَاضَبَنِيْ فَخَرَجَ فَلَمْ يَقِلْ عِنْدِيْ»

''میرے اور ان کے درمیان کوئی بات ہو گئی تھی تو وہ گھر سے غصے میں چلے گئے اور میرے پاس قیلولہ بھی نہیں کیا۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص سے کہا: ''ان کو دیکھو! وہ کہاں ہیں؟''

اس نے آ کر بتلایا کہ حضرت علی مسجد میں سوئے ہوئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے، دیکھا کہ وہ واقعی وہاں سوئے ہوئے ہیں، ان کی چادر (نیند کی وجہ سے) ان کے پہلو سے گری ہوئی ہے اور ان کے جسم کو مٹی لگ گئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«قُمْ أَبَا تُرَابٍ، قُمْ أَبَا تُرَابٍ»

''ابوتراب، اٹھو! ابوتراب اٹھو!''[1]

اس وقت سے ان کی یہ کنیت مشہور ہو گئی اور چونکہ اس کنیت سے آپ کو خطاب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا، اس لیے یہ کنیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بہت پسند تھی۔

ابوتراب کے معنی ہیں، مٹی والے۔ چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرشِ زمین پر لیٹے ہوئے تھے اور چادر جسم سے اتر جانے کی وجہ سے جسم پر مٹی لگ گئی تھی، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کو ابوتراب (مٹی والے) سے خطاب فرمایا۔

اس واقعے میں یہ نہایت اہم سبق پنہاں ہے کہ میاں بیوی کے درمیان اگر کوئی رنجش ہو جائے اور لڑکی کے گھر والوں کو اس کا علم ہو جائے تو اس کا حل یہ نہیں ہے کہ بچی کو فوراً اپنے گھر لے آؤ، یا بچی از خود خاوند کے گھر سے نکل کر میکے چلی آئے۔ بلکہ عورت گھر ہی میں رہے، عورت کے گھر والے بھی اسے اپنے خاوند ہی کے گھر میں رہنے دیں، البتہ پہل کر کے خاوند سے رابطہ کریں اور میاں بیوی کے درمیان پیدا ہونے والی رنجش کو دور کر دیں اور اس کے لیے مناسب تدابیر اختیار کریں۔

ہمارے ہاں ایسی صورت میں اس کے برعکس بالعموم یہ ہوتا ہے کہ لڑکی والے لڑکی کو اپنے گھر لے آتے ہیں یا بعض لڑکیاں اتنی جسارت کرتی ہیں کہ از خود اپنے میکے آ جاتی ہیں۔

ماں باپ بیٹی کی محبت میں اس کے اس غلط اقدام کی حمایت کر کے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں، یوں معاملہ بگڑ جاتا ہے اور اختلاف کی چنگاری شعلہ بن جاتی ہے جس سے بعض دفعہ گھر ہی بھسم ہو کر رہ جاتا ہے۔

بیٹی کی یہ محبت نادانشی پر مبنی ہے اور اس قسم کا فیصلہ جلد بازی کا مظاہرہ ہے۔ نہ یہ بے

---

[1] صحيح البخاري: كتاب الصلاة، باب نوم الرجال في المسجد، حديث: 441

دانش صحیح ہے اور نہ یہ جلد بازی ہی مناسب ہے۔ محبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ بیٹی کا گھر آباد ہی رہے، یہ جذبہ تمام باتوں پر غالب رہے۔ اس کے لیے بہتر حکمت عملی یہی ہے کہ بچی کو ہر حالت میں سسرال ہی میں رہنے دیا جائے، اگر وہ خود آ جائے تو اس کی حوصلہ شکنی کی جائے اور اسے فوراً سسرال پہنچا دیا جائے اور مناسب انداز سے باہم پیدا ہونے والے اختلاف کو دور کرنے کی سعی کی جائے، بیٹی کی غلطی ہو تو اس کی سرزنش کی جائے، سسرال والوں کی غلطی ہو تو ان کو سمجھایا جائے۔ لیکن کسی حالت میں بھی بچی کو نہ خود گھر میں لا کر بٹھائیں اور نہ بچی کو گھر میں آنے دیں۔ بچی سے محبت کا صحیح تقاضا اس کے گھر کو آباد رکھنا ہے نہ کہ اس کی غلط طور پر حوصلہ افزائی کر کے اس کے گھر کو اُجاڑنا۔

شریعتِ اسلامیہ نے تو اس نکتے کو اتنی اہمیت دی ہے کہ پہلی اور دوسری طلاق میں بھی، جن میں عدت کے اندر خاوند کو رجوع کرنے کا حق رہتا ہے، یہ حکم دیا ہے کہ مطلقہ کو خاوند ہی کے گھر میں رہنے دیا جائے، طلاق مل جانے کے باوجود والدین اس کو اپنے گھر مت لائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَا تُخْرِجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ﴾ [الطلاق 1]

”(طلاق کے بعد) ان کو ان کے (اپنے) گھروں سے مت نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، ہاں اگر وہ کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں تو اور بات ہے (پھر نکالنے کا جواز ہے)۔“

جنتی مردوں اور جنتی عورتوں کی صفات

ایک حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا:

''کیا میں تمھیں تمھارے جنتی مردوں کی بابت نہ بتلاؤں؟ نبی جنتی ہے، صدیق جنتی ہے، شہید جنتی ہے، (معصوم) بچہ جنتی ہے، وہ شخص جنتی ہے جو اپنے (مسلمان) بھائی کی زیارت کے لیے شہر کے آخری کنارے پر محض اللہ کی رضا کے لیے جاتا ہے۔'' پھر فرمایا:

«وِنِسَاءُكُمْ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ الْوَدُوْدُ الْوَلُودُ الْعَؤُدُ عَلىٰ زَوْجِهَا، اَلَّتِيْ اِذَا غَضِبَ جَاءَتْ حَتّٰى تَضَعَ يَدَهَا فِي يَدِزَوْجِهَا وَتَقُوْلُ: لَا اَذُوْقُ غَمْضًا حَتّٰى تَرْضٰى» [1]

''اور تمھاری جنتی عورتوں میں سے ایک وہ عورت جنتی ہے جو (خاوند سے) بہت محبت کرنے والی، بہت بچے پیدا کرنے والی اور اپنے خاوند سے گہرا تعلق رکھنے والی ہو، خاوند جب اس سے ناراض ہو جائے تو وہ (اس سے بے اعتنائی کرنے یا اکڑنے کے بجائے) اس کے پاس جاتی ہے، حتی کہ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیتی ہے اور کہتی ہے کہ میں اس وقت تک پلک نہیں جھپکاؤں گی جب تک تو راضی نہیں ہو جائے گا۔''

آج کل کی عورتوں میں مذکورہ صفات کی عورتیں کم ہی دیکھنے میں آتی ہیں۔

❶ اس حدیث کی رُو سے عورت کے اندر مرد سے بے اعتنائی اور اکڑنے کا جذبہ نہایت خطرناک ہے، اس کے برعکس خاوند کی ناراضی دیکھ کر اس کو منانے اور راضی کرنے کا جذبہ عورت کو جنت میں لے جانے والا ہے، بشرطیکہ دیگر احکام و فرائض کی پابندی کا بھی اہتمام ہو۔

---

[1] سلسلة الأحاديث الصحيحة: (515/1)، رقم الحديث: 287

❷ آج کل کی عورتیں زیادہ بچے پیدا کرنے سے بھی گریز کرتی ہیں، محض اس لیے کہ زیادہ بچے جننے سے ان کے حسن و رعنائی میں کمی آ جائے گی، یا بعض وسائل کی کمی کا بہانہ پیش کرتی ہیں، یہ دونوں ہی باتیں غلط ہیں۔ حکم شریعت اور اجر و ثواب کے مقابلے میں اپنے حسن و جمال کے برقرار رکھنے کو اہمیت دینا، ایک مسلمان کی شان کے خلاف ہے۔ اسی طرح وسائل کا بہانہ اللہ تعالیٰ کی رزاقیت اور اس پر اعتماد و توکل کے منافی ہے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے، رزق تو ہمارے ہاتھ میں ہے، ہم تمھیں بھی اور تمھارے بچوں کو بھی (چاہے وہ کتنے ہی ہوں) رزق دینے پر قادر ہیں، بلکہ سب کی رزق رسانی ہماری ذمے داری ہے۔

﴿نَحۡنُ نَرۡزُقُكُمۡ وَإِيَّاهُمۡ﴾ [الأنعام 151]

''ہم تمھیں بھی رزق دیتے ہیں اور بچوں کو بھی۔''

﴿وَمَا مِن دَآبَّةٖ فِي ٱلۡأَرۡضِ إِلَّا عَلَى ٱللَّهِ رِزۡقُهَا﴾ [هود6]

''زمین پر چلنے والے کا رزق اللہ کے ذمے ہے۔''

بنابریں جنت کی خواہش مند عورت کو اولاد کی کثرت سے نہیں ڈرنا چاہیے، نہ از خود افزائش نسل کے خلاف مصنوعی طریقے ہی اختیار کرنے چاہئیں۔

البتہ کوئی عورت ایسی بیمار اور کمزور ہو جس کے لیے بار بار حمل اور وضع حمل کی تکلیف برداشت کرنا مشکل ہو، تو اس کو جان بچانے کے لیے عزل کے جائز طریقے اختیار کرنے کی علماء نے اجازت دی ہے۔

عزل کا مطلب، ایسے طریقے اختیار کرنا ہے کہ جس سے مرد کی منی عورت کے رحم میں نہ جا سکے، جیسے اس کے لیے صدرِ اسلام میں مرد انزال کے وقت آلۂ تناسل عورت کی شرم گاہ سے باہر نکال لیتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ناپسندیدگی کے باوجود اس کی اجازت دی

ہے۔آج کل اس کا متبادل کنڈوم (ساتھی) وغیرہ ہیں۔زیر بحث مخصوص صورت میں اس کا جواز معلوم ہوتا ہے۔(جیسا کہ اس پر مختصر بحث پہلے گزر چکی ہے)۔

مخصوص حالات کے بغیر،ضبط ولادت کے سارے طریقے ناجائز ہیں

تاہم اس کے لیے نس بندی یا عورت کی بچہ دانی کا نکال دینا یا مانع حمل دوائیوں کا استعمال شرعاً محل نظر ہے۔نس بندی کا مطلب، آپریشن کے ذریعے سے مرد کے آلۂ تناسل افزائش نسل کی صلاحیت سے محروم کر دینا ہے۔اس کے بعد مرد اس قابل نہیں رہتا کہ وہ عورت کو بارآور (حاملہ) کر سکے۔

بچہ دانی کے نکال دینے کا عمل عورت کے ساتھ ہوتا ہے۔اس کی اندام نہانی (رحم) سے بچہ دانی نکال دی جاتی ہے(یہ عمل بھی غالباً آپریشن ہی کے ذریعے سے ہوتا ہے)اس کے بعد عورت کو حمل ہی نہیں ٹھہرتا اور یوں وہ افزائش نسل کے قابل نہیں رہتی۔

مانع حمل دوائیوں کا استعمال بھی اس لیے جائز نہیں کہ ایک تو یہ انسانی صحت کے لیے مضر ہیں۔دوسرے مسلمانوں کو جو کثرت اولاد کی ترغیب دی گئی ہے اس کے منافی ہے۔

ضبط ولادت (برتھ کنٹرول) کے لیے آج کل یہ تینوں طریقے سرکاری طور پر استعمال کیے جاتے ہیں۔جن سے زنا کاری کو فروغ مل رہا ہے۔اس لیے یہ تینوں طریقے حرام ہیں۔ البتہ عزل یا اس کا مذکورہ متبادل مخصوص صورتوں میں جائز ہے، مطلقاً اس کا بھی جواز نہیں ہے۔



کثرتِ اولاد یا قلتِ اولاد، اسلام نے کس کی ترغیب دی ہے؟

نبی ﷺ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا:

«اِنِّي أَصَبْتُ امْرَأَةً ذَاتَ جَمالٍ وَحَسَبٍ وَأَنَّهَا لَا تَلِدُ أَفَأَتَزَوَّجُهَا، قَالَ: لَا، ثُمَّ اتَاهُ الثَّانِيَةَ فَنَهَاهُ، ثُمَّ اَتَاهُ الثَّالِثَةَ، فَقَالَ: تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ، فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْأُمَمَ»[1]

''مجھے ایک عورت مل رہی ہے جو خوبصورت اور اچھے خاندان کی ہے، البتہ وہ اولاد پیدا کرنے کے قابل نہیں ہے، کیا میں اس سے شادی کرلوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں'' وہ دوبارہ آیا، آپ نے پھر اس کو روک دیا، پھر وہ تیسری مرتبہ آیا، تو آپ نے فرمایا: (محض حُسن اور خاندان مت دیکھو بلکہ) بہت محبت کرنے والی اور زیادہ بچے جننے والی عورت سے شادی کرو، کیونکہ (قیامت کے دن) تمہاری کثرت کی وجہ سے میں دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔''

کوئی عورت زیادہ بچے پیدا کرے گی یا کم کرے گی یا بالکل ہی نہیں کرے گی؟ ان باتوں کا علم تو شادی کے بعد ہی ہوتا ہے۔ تو شادی کرتے وقت کس طرح معلوم ہوگا کہ یہ مذکورہ تین قسم کی عورتوں میں سے کون سی عورت ہے؟ اس کا اندازہ اس کی ماں، بہنوں کو

[1] سنن أبي داود: كتاب النكاح ، باب النهى عن تزويج من لم يلد من النساء ، حديث: 2050

دیکھنے سے بالعموم ہو جاتا ہے۔

آج کل یہ پروپیگنڈا عام ہے کہ بچے دو یا تین ہی کافی ہیں، دین سے بے خبر لوگ اس پروپیگنڈے سے متاثر بھی ہو رہے ہیں لیکن اسلامی تعلیمات کی رو سے یہ نعرہ یکسر غلط ہے۔

اس کے لیے کہا جاتا ہے کہ آبادی میں بے تحاشا اضافہ ہو رہا ہے اگر اس آبادی کو کنٹرول نہ کیا گیا تو ملکی وسائل ناکافی ہو جائیں گے۔

یہ دراصل اسلام دشمن طاقتوں کا بے بنیاد پروپیگنڈا ہے، ورنہ اس کی آڑ میں ان کا اصل ایجنڈا یہ ہے کہ اسلامی ملکوں میں افزائش نسل کی حوصلہ شکنی کر کے ان کو افرادی قوت سے محروم کر دیا جائے تاکہ جب کبھی وہ بیدار ہوں (کیونکہ ابھی تو مسلمان غفلت کی نیند سوئے ہوئے ہیں) تو وہ ہم سے لڑنے کا حوصلہ نہ کر سکیں۔

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ جوں جوں انسانی آبادی میں اضافہ ہو رہا ہے، اس کے مطابق اللہ تعالیٰ وسائل بھی پیدا فرما رہا ہے۔ آج سے چند صدیاں قبل انسانی آبادی محدود تھی، اس وقت وسائل رزق بھی نہایت محدود تھے۔ اور اب جب کہ آبادی بہت زیادہ پھیل گئی ہے، اللہ تعالیٰ نے وسائل بھی فراواں کر دیے ہیں اور کسی چیز کی کمی انسانوں کو محسوس نہیں ہوتی۔ یہ قدرت کا نظام ہے جو اس نے تکوینی طور پر قائم کیا ہوا ہے اور اس میں آئندہ بھی تبدیلی کا کوئی امکان نہیں ہے۔ اس لیے اس غم میں ہلکان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ زیادہ آبادی کے لیے کھانے پینے کے وسائل کس طرح مہیا ہوں گے؟ رزق کا ذمہ اللہ نے لیا ہے اور وہ اسے پورا کر رہا ہے اور قیامت تک کرتا رہے گا۔

البتہ ہماری ذمے داری یہ ہے کہ اللہ کے پیدا کردہ وسائل کو ہم پوری منصوبہ بندی سے بروئے کار لائیں، مثلاً جو زمینیں قابل کاشت بیکار پڑی ہیں، ان کو ہم کاشت کاری کے

لیے کام میں لائیں، وہاں تک پانی پہنچانے کا انتظام کریں، آمد ورفت کو آسان بنائیں اور کاشت کاروں کو ان کی حسب ضرورت وسائل مہیا کریں۔

دوسرے نمبر پر سادگی اور کفایت شعاری کو اپنائیں۔ اس وقت فضول خرچی ہمارا شعار بنا ہوا ہے جس کی وجہ سے بے پناہ وسائل ضائع ہو رہے ہیں۔ اس ضیاع کو روک کر بھی ہم اپنے وسائل میں مُعْتَدَ بِہٖ (معقول) اضافہ کر سکتے ہیں۔

تیسرے نمبر پر سیلابی بندوں اور پشتوں کو مضبوط کریں تا کہ ہر سال سیلاب کی وجہ سے فصلوں، جانوروں اور انسانوں کا جو ضیاع ہوتا ہے، وہ نہ ہو۔

ضبط ولادت کی تحریک، زنا کاری کو فروغ دینے کی استعماری مہم ہے

علاوہ ازیں ضبط ولادت کی اس تحریک کے پیچھے اسلام دشمن طاقتوں کا یہ منصوبہ بھی کارفرما ہے کہ اسلامی ملکوں میں اس کے ذریعے سے فحاشی، بے حیائی اور زنا کاری کو فروغ دیا جائے اور یوں اسلامی تہذیب کا وہ تخصص و امتیاز ختم ہو جائے جو انسانی معاشرے میں حیا و عفت کے تحفظ کا ضامن ہے۔ جس میں استعماری طاقتیں مسلمان عورت کو بے پردہ کرنے کے باوجود کامیاب نہیں ہو سکی ہیں۔ جب نس بندی، رحم کی بندش اور مانع حمل دوائیں اور طریقے عام ہو جائیں گے تو اس سے زنا کاری کے نتیجے میں حمل ٹھہرنے کا خوف ختم ہو جائے گا جو زنا کاری کے عام ہونے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ یوں اسلامی ملکوں میں اسلام کی اعلیٰ تہذیب کے مقابلے میں مغرب کی حیا باختہ تہذیب کا چلن عام اور اسلام کا تخصص و امتیاز ختم ہو جائے گا۔ «لَا قَدَّرَہُ اللہُ، ثُمَّ لَا قَدَّرَہُ اللہُ»

اس لیے ضروری ہے کہ مسلمان اپنے دشمنوں کی اس سازش کو اور اسلامی تہذیب کے

خلاف اس منصوبے کو سمجھیں اور ضبط ولادت کے بجائے کثرتِ اولاد کے جذبے کو توانا اور برقرار رکھیں اور اللہ پر اعتماد و توکل رکھیں۔ یہی ایک مسلمان کی شان ہے۔

﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ [ابراهيم 11]

''مومنوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔''

﴿وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ﴾ [ابراهيم 14]

''توکل کرنے والوں کو اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔''

بڑھتی ہوئی آبادی سے پیدا ہونے والے مسائل کا صحیح حل

بہرحال ضبط ولایت کی تحریک کے پیچھے ایک نہایت گہری اور گھناؤنی سازش کارفرما ہے، ورنہ اس کا اصل حل یہ نہیں ہے کہ آبادی کو کنٹرول کرنے کے لیے فحاشی کے ذرائع عام کر دیے جائیں، بلکہ اس کا اصل حل وسائلِ حیات کے ضیاع کو روکنا اور اس کے لیے بہتر منصوبہ بندی ہے۔

اس وقت وسائل کا جس طرح ضیاع ہو رہا ہے، اس کا اندازہ کرنے کے لیے اقوام متحدہ کے ایک ذیلی ادارے کی رپورٹ ملاحظہ فرمائیں۔ یہ خبر، رپورٹ یا سروے روزنامہ ''آواز'' لاہور (24 اکتوبر 2013ء) درج ذیل سرخی کے ساتھ شائع ہوا ہے۔

''دنیا میں ہر سال 750 ارب ڈالر کی غذائی اشیاء ضائع ہو جاتی ہیں''

اب اس کی تفصیل ملاحظہ ہو:

''نیویارک (آن لائن) دنیا میں ہر سال 750 ارب ڈالر کی غذائی اشیاء ضائع

ہو جاتی ہیں، جو دو ارب افراد کی غذائی ضروریات پوری کرنے کے لیے کافی ہے۔اقوام متحدہ کے ذیلی ادارے۔فوڈ اینڈ ایگریکلچر آرگنائزیشن۔(ایف اے او) نے اپنی رپورٹ میں بتایا ہے کہ دنیا میں ہر سال ایک ارب 30 کروڑ ٹن اشیاء خراب یا ضائع ہوتی ہیں، جو کل پیداوار کا ایک تہائی ہے۔اس ضیاع کو روکا جائے تو دنیا کی ایک چوتھائی سے زیادہ آبادی یعنی دو ارب افراد کی غذائی ضروریات پوری ہو جائیں گی۔ترقی پذیر ممالک میں ناقص سہولیات کے باعث کاشت، نقل وحمل اور سٹوریج کے دوران غذائی اشیاء خراب ہوتی ہیں جبکہ امیر ممالک میں خریدار کی جانب سے ضیاع سب سے زیادہ ہے۔یورپ اور شمالی امریکہ میں ہر سال اوسطاً ہر خریدار سو کلو غذائی اشیاء ضائع کرتا ہے جب کہ افریقہ میں یہ ضیاع 10 کلو سالانہ سے بھی کم ہے'' (روزنامہ آواز۔لاہور)

یہ تو غذائی اشیاء کا وہ ضیاع ہے جس کا سدِ باب اگر کر دیا جائے تو یہ موجودہ غذائی ذخائر ہی مزید دو ارب انسانوں کی خوراک کے لیے کافی ہیں۔

اس کے ساتھ اگر فضولیات کی مد میں اربوں روپوں کا جو ضیاع ہو رہا ہے اسے اگر روک لیا جائے تو اتنے زیادہ مالی وسائل مہیا ہو سکتے ہیں کہ جس سے معیشت میں ایک نئی روح پھونکی جا سکتی ہے۔مثلاً: سگریٹ نوشی ہے جس پر ایک رپورٹ کے مطابق گیارہ ارب روپے سالانہ برباد کر دیے جاتے ہیں۔برِصغیر پاک و ہند میں پان نوشی ہے، پوری دنیا میں سگریٹ نوشی اور دیگر منشیات کا سلسلہ ہے، عورتوں کے غازہ ولپ اسٹک (میک اپ) کا بڑھتا ہوا بے ہودگی کا مسئلہ ہے۔عورتوں کے نت نئے فیشنوں اور اسٹائلوں کے لیے بے پناہ اخراجات ہیں اور اس طرح کے دیگر غیر ضروری اخراجات ہیں۔ان پر

سالانہ کئی ارب نہیں، کھربوں روپے برباد ہو رہے ہیں۔ان سب کو ختم یا کم یا اعتدال پر رکھنے سے کھربوں روپے سالانہ بچ سکتے ہیں جن کو بے وسائل افراد کی ضروریات پر خرچ کر کے آبادی کنٹرول کرنے کے بجائے آبادی کی فلاح و بہبود پر خرچ کر کے بڑھتی ہوئی آبادی سے پیدا ہونے والے مسائل کو نہایت آسانی سے حل کیا جا سکتا ہے۔



بیوی کا دینی جذبہ اور خاوند کی اطاعت

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

ایک عورت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی جب کہ ہم آپ کے پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے، اس نے کہا: میرا خاوند صفوان بن معطل جب میں نماز پڑھتی ہوں تو مجھے مارتا ہے اور جب میں روزہ رکھتی ہوں، تو روزہ تڑوا دیتا ہے اور خود فجر کی نماز بھی اس وقت پڑھتا ہے جب سورج نکل آتا ہے (حالانکہ فجر کی نماز صبح طلوعِ شمس سے پہلے پڑھنی چاہیے)

اس وقت صفوان بھی وہاں موجود تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفوان رضی اللہ عنہ سے ان شکایات کی بابت پوچھا تو انھوں نے کہا:

اے اللہ کے رسول! اس نے جو کہا ہے کہ جب میں نماز پڑھتی ہوں تو مجھے مارتا ہے، تو بات یہ ہے کہ یہ دو دو سورتیں پڑھتی ہے، میں اس کو اس سے روکتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر ایک سورت بھی ہو تو لوگوں کے لیے کافی ہے۔'' اور اس کا یہ کہنا کہ وہ روزہ تڑوا دیتا ہے تو بات یہ ہے کہ یہ جب (نفلی) روزہ رکھنے پر آتی ہے تو (لگاتار) رکھتی ہی چلی جاتی ہے جب کہ میں جوان آدمی ہوں، صبر نہیں کر سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس روز فرمایا: ''کوئی عورت خاوند کی اجازت کے بغیر (نفلی) روزہ نہ رکھے۔'' اور اس کا یہ کہنا کہ میں (فجر کی) نماز سورج کے نکلنے کے بعد پڑھتا ہوں، تو بات یہ ہے کہ یہ بات ہمارے

گھرانے کی بابت مشہور ہے، ہمیں اس وقت تک جاگ نہیں آتی جب تک سورج طلوع نہ ہوجائے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تو بیدار ہو، نماز پڑھ لیا کر۔''[1]

اس حدیث میں کئی اسباق ہیں: مثلاً

1. بیوی کو نفلی عبادت کا شوق ہو تو اچھی بات ہے لیکن اس شوق کے پورا کرنے میں خاوند کے حقوق متأثر نہ ہوں۔ اس لیے نفلی عبادت میں خاوند کی اجازت ضروری ہے۔
2. بیوی خاوند میں کوئی دینی کوتاہی دیکھے تو وہ بڑوں تک اس کی شکایت پہنچا سکتی ہے تاکہ اس کی اصلاح ہو سکے۔
3. ہر نماز اپنے وقت میں پڑھنی چاہیے تاہم معقول عذر ہو تو بعد میں پڑھنا بھی جائز ہے۔
4. بیوی کی نفلی عبادت سے خاوند کی حق تلفی ہو تو خاوند اس کو اس سے روک سکتا ہے یا اس میں تخفیف کرنے کا حکم دے سکتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔



[1] سنن أبي داود: كتاب الصيام، حديث: 2459، سلسله الصحيحة: (5/ 204) رقم: 2172

عورت، اپنے غریب خاوند کو زکوٰۃ دے سکتی ہے

نبی ﷺ نے ایک عید کے موقع پر خطبہ دیا، اس میں عورتوں کو بھی الگ وعظ فرمایا جس میں ان کو کثرت سے صدقہ وخیرات کرنے کی ترغیب فرمائی۔

اسی روز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی اہلیہ (زینب) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا:

«اِنَّکَ أَمَرْتَ الْیَوْمَ بِالصِّدَقَةِ وَکَانَ عِنْدِیْ حُلِيٌّ لِیْ فَاَرَدتُّ اَنْ اَتَصَدَّقَ بِهِ، فَزَعَمَ ابْنُ مسعودٍ اَنَّهُ وَوَلَدَهُ اَحَقُّ مَنْ تَصَدَّقْتُ بِهِ عَلَیْهِمْ فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ صَدَقَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ، زَوْجُکِ وَوَلَدُکِ اَحَقُّ مَنْ تَصَدَّقْتِ بِهِ عَلَیْهِمْ» [1]

''آج آپ نے صدقہ کرنے کا حکم فرمایا ہے، میرے پاس میرا کچھ زیور ہے، میں نے اسے صدقہ کرنے کا ارادہ کیا ہے، تو ابن مسعود کا خیال ہے کہ میں جن لوگوں پر صدقہ کروں گی تو ان کے مقابلے میں وہ اور ان کی اولاد زیادہ مستحق ہے۔ (یہ سن کر) نبی ﷺ نے فرمایا: ابن مسعود نے سچ کہا، تیرا خاوند اور تیری اولاد ان کے مقابلے میں زیادہ حق دار ہے جن پر تو صدقہ کرے گی۔''

ایک دوسری روایت ہے جس میں آپ ﷺ نے حضرت زینب کے سوال کے جواب میں فرمایا:

[1] صحيح البخاري: كتاب الزكاة،باب الزكاة على الأقارب: حديث 1462

«نَعَمْ ،وَلَهَا اَجْرَانِ، اَجْرُ الْقَرَابَةِ وَاَجْرُ الصَّدَقَةِ»۔[1]

''ہاں وہ اپنے خاوند کو صدقہ دے سکتی ہے، اس میں اس کے لیے دوگنا اجر ہے۔ ایک حقِ قرابت کی ادائیگی کا اجر اور ایک صدقے کا اجر۔''

اس سے معلوم ہوا کہ خاوند اگر غریب ہو، اس کی آمدنی سے گھر کے اخراجات پورے نہ ہوتے ہوں اور بیوی صاحبِ حیثیت ہو یا اس کے پاس بمقدار نصاب طلائی زیور ہوں تو اس کے لیے زکوٰۃ کی رقم اپنے خاوند کو دینا نہ صرف جائز ہے بلکہ افضل ہے، اس طرح وہ ڈبل اجر کی مستحق ہوگی۔ اسی طرح زیر پرورش یتیم بچوں پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا بھی دگنے اجر کا باعث ہے۔

تاہم خاوند اپنی زکوٰۃ کی رقم اپنی بیوی اور اپنے بچوں پر خرچ نہیں کر سکتا، کیونکہ ان کے نان نفقہ کا ذمے دار وہ خود ہے، وہ یہ ذمے داری اصل مال سے ادا کرے گا نہ کہ مالِ زکوٰۃ سے۔ عورت چونکہ خاوند کے نان نفقے کی ذمے دار نہیں ہے اس لیے وہ اس کو زکوٰۃ دے سکتی ہے۔



[1] صحيح البخاري:كتاب الزكاة،باب الزكاة على الزوج والأيتام فى الحجر :حديث،1466

بیوی انمول عطیہ ہے، عضو معطل نہیں

انمول، ایسی قیمتی اور نادر چیز کو کہا جاتا ہے جس کی قیمت صحیح معنوں میں ادا نہیں کی جا سکتی۔ عورت بھی ایک ایسی ہی انمول چیز ہے کہ مرد اس کی قیمت ادا نہیں کر سکتا، گویا وہ ایسا عطیۂ الٰہی ہے جس پر انسان اللہ کا جتنا بھی شکر کرے، اس نعمت اور عطیے کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔

اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے آپ دو سوالوں پر غور کریں۔

(1) آپ اس پر کتنی ماہانہ یا سالانہ رقم خرچ کرتے ہیں؟

(2) اور وہ اس کے بدلے میں آپ کی، آپ کے بچوں اور گھر کی کتنی خدمت کرتی ہے؟

اگر عورت سگھڑ، سلیقہ مند، سادہ مزاج (جیسا کہ ایک مسلمان عورت کو ہونا چاہیے) زمانے کے نت نئے فیشنوں سے بیزار، آئے دن نئے نئے مطالبات سے ناآشنا اور اس قسم کی دیگر خوبیوں سے آراستہ ہو۔ تو آپ خود سوچ لیں آپ اس پر کتنی ماہانہ یا سالانہ رقم خرچ کرتے ہیں۔

اس کے مقابلے میں اس کی خدمت کا جائزہ لیں اور سوچیں کہ اس سے آپ کو کتنے مالی اور دیگر فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

① وہ تین وقت آپ کے لیے، بچوں کے لیے، اگر والدین وغیرہ بھی ہوں تو ان کے لیے بھی خوراک کا انتظام کرتی ہے، صبح کا ناشتہ، دوپہر کا اور رات کا کھانا۔ اس کے لیے اگر آپ کسی باورچی کا انتظام کریں تو اس کے لیے کم از کم 15 سے 20 ہزار روپے تک ماہانہ آپ کو دینے پڑیں گے۔

② وہ آپ کے اور بچوں کے اور دیگر افرادِ خانہ کے کپڑے دھوتی اور ان کو استری کرتی ہے اگر آپ یہ کپڑے کسی ڈرائی کلینر (دھوبی) سے دھلوائیں تو اس پر بھی ماہانہ خرچ چار پانچ ہزار سے کم نہیں ہوگا۔

③ گھر کی صفائی ستھرائی کے لیے آپ کسی ملازمہ کو رکھیں گے تو اس کا بھی ماہانہ خرچ دو ہزار سے ڈھائی تین ہزار تک سے کم نہیں ہوگا۔

ان کے علاوہ گھر کے اور کئی دسیوں قسم کے کاموں کے لیے، جو عورت وہ خاموشی سے سرانجام دیتی ہے، جیسے چھوٹے بچوں کی حفاظت اور نگرانی وغیرہ کے لیے کوئی آیا، ماما رکھیں گے تو اس پر بھی چند ہزار روپے ماہوار ضرور آپ کا خرچہ ہوگا۔

اس رقم کا حساب لگالیں جو 25 سے 30 ہزار کے درمیان ہوگی۔ گویا بیوی کی ان خدمات کے عوض آپ کو 25 سے 30 ہزار تک کی ماہانہ بچت ہوجاتی ہے۔

اس کے علاوہ وہ آپ کے دکھ درد میں آپ کی ساتھی، زندگی کے بیشتر معمولات میں آپ کی مشیر، آپ کو سکون اور لذت کا سامان مہیا کرنے والی ہے۔ یہ سکون اور لذت آپ کو بیوی کی آغوشِ محبت کے سوا اور کہیں سے نہیں مل سکتی۔

ان تمام حقیقتوں کے باوجود بعض لوگ عورت کی ان جانکاہ محنتوں اور جاں گداز مشقتوں کو چنداں اہمیت نہیں دیتے اور اسی لیے اس گراں قدر نعمت کی قدر نہیں کرتے۔

اور بعض نادان قسم کے لوگ کہتے ہیں کہ عورت معاشرے کا عضو معطل ہے، اس کو مرد کے شانہ بشانہ ملک کی ترقی میں حصہ لینا چاہیے، یوں وہ سمجھتے ہیں کہ یہ گھریلو عورت جو ملک کی نصف آبادی ہے، بیکار اور ملک پر بوجھ ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک

یہ مغرب زدہ، شیطان صفت اور اسلامی تعلیمات سے یکسر بے خبر لوگ ہیں، واقعہ تو یہ ہے کہ عورت اپنے منصبی دائرۂ کار میں گھریلو امور سرانجام دے کر مرد کو بے مثال سکون مہیا کرتی ہے جس کی بنا پر مرد بیرونِ در کی تمام مصروفیات نہایت خوش دلی اور بے فکری سے سر انجام دے لیتا ہے۔ اگر گھر کی طرف سے اس کو یہ سکون میسر نہ ہو تو مرد گھر سے باہر کے امور (تجارت وکاروبار، لین دین، سیاست ونظم حکومت وغیرہ) احسن طریقے سے سرانجام نہیں دے سکتا۔

بنا بریں عورت عضو معطل نہیں ہے بلکہ ملک کا فعّال عضو اور ملکی ترقی میں مرد کے ساتھ برابر کی شریک ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ مغرب کی عورت اپنی ردائے عفت کو تار تار کر کے اور خاندانی نظام کو تارپیڈو کر کے ملک کی ترقی میں شریک ہے اور مسلمان عورت نے اپنی عصمت کو بھی داؤ پر نہیں لگایا ہے اور خاندانی نظام کو بھی تحفظ دیا ہوا ہے اور ان دونوں خوبیوں کے ساتھ وہ گھر کے مذکورہ سارے کام کرے ملک کی ترقی میں بھی برابر کا کردار ادا کر رہی ہے۔



خطبۂ حجۃ الوداع میں عورتوں کے بارے میں خصوصی ہدایات

خطبۂ حجۃ الوداع میں، جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری حج تھا اور آپ کی زندگی کا آخری سال بھی تھا، آپ نے جن خصوصی باتوں کی طرف اپنی امت کو توجہ دلائی۔ ان میں عورتوں کے بارے میں بھی آپ نے بڑی اہم ہدایات دیں۔ آپ نے فرمایا:

«فَاتَّقُوا اللهَ فِي النِّسَاءِ، فَإِنَّكُمْ أَخَذْتُمُوهُنَّ بِأَمَانِ اللهِ، وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوجَهُنَّ بِكَلِمَةِ اللهِ ، وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ أَنْ لَا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ أَحَدًا تَكْرَهُونَهُ، فَإِنْ فَعَلْنَ ذَلِكَ فَاضْرِبُوهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ، وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ، وَقَدْ تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا لَنْ تَضِلُّوا بَعْدَهُ إِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهِ، كِتَابُ اللهِ»

''(مسلمانو!) عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اس لیے کہ تم نے ان کو اللہ کی ضمانت پر لیا ہے اور ان کی شرم گاہوں کو بھی اللہ کے نام پر حلال کیا ہے، تمہارے لیے عورتوں پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستروں پر کسی ایسے شخص کو نہ آنے دیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو، اگر وہ ایسا کریں تو تمہیں حق ہے کہ ان کو ایسی مار مارو جس سے ان پر نشان نہ پڑے (تنبیہ کے طور پر ہلکی سی مار) اور ان عورتوں کا تم پر یہ حق ہے کہ تم ان کی خوراک اور پوشاک کا معروف طریقے سے انتظام کرو، اور میں تمہارے اندر ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ اس کے ہوتے ہوئے تم ہرگز گمراہ نہیں ہوگے، بشرطیکہ تم اسے تھامے رہو گے (اس پر عمل پیرا رہو گے) (وہ کیا ہے؟) اللہ کی کتاب۔[1]

[1] صحیح مسلم: کتاب الحج، باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، حدیث: 1218

یہ ساری باتیں وہی ہیں جو پہلے گزر چکی ہیں، ان کو یہاں دوبارہ بیان کرنے سے مقصود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس فکر وتشویش کی وضاحت ہے جو عورتوں کے بارے میں آپ کو تھی کہ آپ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اور حج جیسے اہم موقعے پر، جس میں مسلمان بہت بڑی تعداد میں موجود تھے، یہ اہم باتیں بیان فرمائیں تاکہ مسلمان ان کو نظر انداز کر کے عورتوں کے اس مقام ومرتبہ کو فراموش نہ کر دیں جو اسلام نے ان کو عطا کیا ہے۔ کاش مسلمان عورتوں کے بارے میں ان اہم ہدایات کو سامنے رکھیں اور ان کے برعکس رویہ اختیار کر کے اسلام کی بدنامی کا باعث نہ بنیں۔



مرد کی حاکمیت کا مسئلہ

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ﴾ [النساء :34]

''مرد عورتوں پر حاکم (قوّام) ہیں، اس وجہ سے کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے اور اس وجہ سے کہ مرد اپنا مال (ان عورتوں پر) خرچ کرتے ہیں۔''

یہ مسئلہ گزشتہ صفحات میں بھی گزر چکا ہے، یہاں اس کی خصوصی اہمیت کی وجہ سے دوبارہ بیان کیا جا رہا ہے، اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر جو فوقیت (برتری) عطا فرمائی ہے، اس کی دو وجہیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک وجہ وہبی (اللہ کی عطا کردہ) ہے اور دوسری وجہ کسبی ہے، یعنی انسان کی محنت کا اس میں دخل ہے۔ وہبی فضیلت سے مراد وہ مردانہ قوت اور دماغی صلاحیت ہے جس میں مرد عورت سے خلقی (پیدائشی) طور پر ممتاز ہے۔ اور کسبی سے مراد وہ معاشی جدوجہد ہے جس کا مکلف شریعت نے مرد کو بنایا ہے اور عورت کو اس کی فطری کمزوری اور مخصوص تعلیمات کی وجہ سے، جو اسلام نے عورت کی عفت و حیا اور اس کے تقدس کے تحفظ کے لیے ضروری بتلائی ہے، عورت کو معاشی جھمیلوں سے دور رکھا ہے۔

عورت کی سربراہی کے خلاف قرآن کریم کی یہ نصِ قطعی بالکل واضح ہے جس کی تائید

صحیح بخاری کی اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے:

«لن يفلح قوم ولوامرهم امرأة»

''وہ قوم ہرگز فلاح (کامیابی) نہیں پائے گی جس نے اپنے (دنیوی) امور ومعاملات کسی عورت کے سپرد کردیے''

مرد کی اس سربراہی کا تعلق ملک وقوم اور گھر کے معاملات چلانے اور ان کا انتظام کرنے سے ہے ورنہ جہاں تک عورت کے بہ حیثیت انسان ہونے کے، انسانی حقوق کا معاملہ ہے، ان میں وہ اور مرد برابر ہے۔ عورت کے لیے جس طرح یہ ضروری ہے کہ وہ مرد (خاوند) کے سارے انسانی حقوق ادا کرے۔ اسی طرح مرد کے لیے ضروری ہے کہ وہ عورت (بیوی) کے سارے انسانی حقوق ادا کرے۔ اسی لیے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ [البقرة:228]

''اور عورتوں کے بھی معروف کے ساتھ ویسے ہی حق ہیں جیسے ان (عورتوں) پر مردوں کے حق ہیں البتہ مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ حاصل ہے۔''

اس آیت میں بھی اللہ نے جہاں مرد اور عورت (میاں بیوی) کے انسانی حقوق میں یکسانیت کا ذکر فرمایا ہے وہاں ساتھ ہی مرد کی فضیلت کو بھی بیان فرما دیا ہے اور یہ وہی فضیلت اور برتری ہے جس کا تعلق مرد کے حاکمانہ اختیارات سے ہے۔ جیسے فطری قوتوں میں، جہاد کی اجازت میں، میراث کے دوگنا ہونے میں، قوّامیت وحاکمیت میں اور حقِ طلاق ورجوع (وغیرہ) میں۔ یہ ساری خوبیاں مرد کو دی گئی ہیں، عورت کو نہیں۔ یہ امتیازات مرد کے ہیں، عورت کے نہیں۔ یا قرآن کریم کے الفاظ میں یہ ''درجہ'' مرد

کو حاصل ہے، عورت کو نہیں۔

انسانی معاشرے کی بہتری اسی میں ہے کہ عورت مرد کی اس فطری برتری کو تسلیم کرے، اس کو نہ چیلنج کرے اور نہ اس میں مساوات کا دعویٰ کرے۔ اگر وہ ایسا کرے گی تو حکم الٰہی سے انحراف بھی ہوگا اور معاشرہ بھی فساد اور بگاڑ کا شکار ہوگا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ﴾ [النساء 32]

''اور اس مقام و مرتبہ کی خواہش مت کرو جس کے ساتھ اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، مردوں نے جو کمایا اس میں ان کا حصہ ہے اور عورتوں نے جو کمایا اس میں ان کا حصہ ہے اور تم اللہ سے اس کا فضل مانگتے رہو۔''

اس آیت کے شان نزول میں بتایا گیا ہے کہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ مرد جہاد میں حصہ لیتے ہیں اور شہادت پاتے ہیں، ہم عورتیں ان فضیلت والے کاموں سے محروم ہیں، ہماری میراث بھی مردوں سے نصف ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [1]

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ مردوں کو اللہ تعالیٰ نے جو جسمانی قوت و طاقت اپنی حکمت و ارادے کے مطابق عطا کی ہے اور جس کی بنیاد پر وہ جہاد کرتے اور دیگر بیرونی کاموں میں حصہ لیتے ہیں، یہ ان کے لیے اللہ کا خاص عطیہ ہے، اس کو دیکھتے ہوئے عورتوں کو مردانہ صلاحیتوں کے کام کرنے کی آرزو نہیں کرنی چاہیے، البتہ اللہ کی اطاعت اور نیکی کے کاموں میں خوب حصہ لینا چاہیے اور اس میدان میں وہ جو کچھ کمائیں

[1] مسند احمد (322/6)

گی، مردوں کی طرح ان کا پورا پورا صلہ انہیں ملے گا۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرنا چاہیے کیونکہ مرد اور عورت کے درمیان استعداد، صلاحیت اور قوت کار کا جو فرق ہے وہ تو قدرت کا ایک اٹل فیصلہ ہے جو محض آرزو سے تبدیل نہیں ہو سکتا، البتہ اس کے فضل سے کسب و محنت میں رہ جانے والی کمی کا ازالہ ہو سکتا ہے، اس کے لیے عورت کو زیادہ سے زیادہ محنت کرنی چاہیے کیونکہ نیکی اور اطاعت کے اجر و صلے میں مرد و عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوگا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَاۤ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ﴾ [آل عمران:195]

”پس ان کے رب نے ان کی دعا قبول کی کہ تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کروں گا، خواہ کوئی مرد ہو یا عورت، تم آپس میں ایک دوسرے کے ہم جنس ہو۔“

یعنی نیکی کا صلہ دینے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرد و عورت کے درمیان کوئی تمیز نہیں ہوگی اور اس کی وجہ بھی اللہ نے بیان فرما دی کہ تم آپس میں ایک دوسرے کے ہم جنس ہو، یعنی اجر و اطاعت میں تم مرد اور عورت ایک ہی ہو (ایک جیسے ہی ہو) اس آیت کے شان نزول سے بھی اس مفہوم کی تائید ہوتی ہے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ عرض کیا: اے اللہ کے رسول اللہ تعالیٰ نے ہجرت کے سلسلے میں عورتوں کا نام نہیں لیا، جس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر طبری، ابن کثیر و فتح القدیر)

بہر حال اس تفصیل سے دو حقیقتوں کی وضاحت مقصود ہے۔

پہلی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کو الگ الگ مقصد کے لیے پیدا

فرمایا ہے جو ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے دونوں کو صلاحیتیں بھی ایک دوسرے سے مختلف عطا کی ہیں۔ اس حقیقت کے پیش نظر اللہ نے دونوں کے دائرہ ہائے کار بھی ایک دوسرے سے مختلف متعین کیے ہیں۔ مرد کا دائرۂ کار گھر سے باہر کا ہے اور عورت کا دائرۂ کار گھریلو امور و معاملات ہیں۔ اس دائرے میں دیگر بعض صلاحیتوں کے ساتھ مرد کو قوّامیت (حاکمیت) کا درجہ بھی عطا کیا گیا ہے۔

دوسری حقیقت یہ ہے کہ بہ حیثیت انسان ہونے کے مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے، اس لیے انسانی حقوق میں دونوں یکساں ہیں اور دونوں کو ایک دوسرے کے حقوق مساوی طور پر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح نیکی اور سعادت میں دونوں کے لیے میدان کھلا ہے، وہ ان میں زیادہ سے زیادہ محنت و ریاضت کر کے اللہ تعالیٰ کے ہاں زیادہ سے زیادہ مقام و فضیلت حاصل کر سکتے ہیں۔

مسئلہ زیر بحث میں افراط و تفریط کا مظاہرہ

آج کل لوگ پہلی حقیقت کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں، اس لیے ہر جگہ انسانی معاشرے فساد اور ابتری کا شکار ہیں یا اگر کوئی مانتا ہے تو وہ اس حاکمیت کا مطلب عورت پر ظلم و زیادتی کی اجازت سمجھتا ہے، اس سے بھی اسلام کی بدنامی ہوتی ہے۔ اس افراط و تفریط پر ایک کتاب کے فاضل مصنف نے بڑے عمدہ پیرائے میں بحث کی ہے، ہم اس کی افادیت و اہمیت کے پیش نظر اس کو یہاں نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں۔

مذکورہ مصنف لکھتا ہے:

''افسوس! اس نگرانی کا مفہوم بعض مردوں نے تسلط، قبضہ، تکبر، غلام بنا لینا اور اپنی

رائے کو زبردستی عورتوں پر مسلط کر لینا سمجھ رکھا ہے۔ اس غلط ذہنیت کی وجہ سے انہوں نے عورتوں کے ساتھ بدترین رویہ اختیار کیا۔ نگرانی کے اس لفظ کو بعض عورتوں نے بھی غلط سمجھا، چنانچہ انہوں نے مردوں کو کسی شمار قطار میں نہیں رکھا اور خودسری، لڑائی اور علیحدگی کا راستہ اختیار کیا حالانکہ مرد وزن دونوں ہی اپنے اور ایک دوسرے کے حقوق کو سمجھ لیں تو ہر کوئی سعادت مندی ،سلامتی اور خیر و برکت کے ساتھ خود بھی زندہ رہے گا اور دوسروں کو بھی زندہ رہنے دے گا۔

ایک ماہر سماجیات لکھتا ہے:

''آج ازدواجی زندگی میں وہ نہیں ہوتا، جس کو ہم ''دوستی اور رفاقت'' کا نام دے سکتے ہیں۔ درحقیقت ازدواجی زندگی کی حیثیت موٹر کار کی سی ہوتی ہے، جس پر دو آدمی سوار ہوتے ہیں۔ ہر چند کہ دونوں کی منزل ایک ہوتی ہے۔ لیکن اسٹیرنگ وھیل پر ایک ہی آدمی بیٹھ سکتا ہے۔ کیونکہ بیک وقت دونوں آدمی کار کی ڈرائیونگ نہیں کر سکتے۔ اسی طرح مرد جب اس کشتی کا ملاح ہوتا ہے اور فطری طور پر ایسا ہی ہونا چاہیے تو عورت کو بھی اپنا فطری کردار ادا کرنا ہوگا، یعنی یہ کہ وہ مرد پر اعتماد کرے، اس کی ہمت بندھائے، اسے تسلی دے اور سامان سفر کی تیاری اور درستی میں مرد کا ہاتھ بٹائے اور اگر عورت زمام کام سنبھالے تو مرد کا فرض ہے کہ ایک مبصر اور سیاحت کرنے والے کا کردار انجام دے۔ اور عورت کے دماغ کو خواہ مخواہ کے بوجھ سے متأثر نہ کرے جس سے وہ بیچاری تنہا پریشان ہو اور نہ ہی بجائے اس کا حوصلہ بڑھانے کے اس کی دل شکنی کی کوشش کرے۔

قرآن پاک میں باری تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ﴾ [النساء:34]

''مرد عورتوں کے نگران اور حاکم ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک صنف (قوی)

کو دوسری صنف (ضعف) پر بڑائی دی اور اس لیے کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں‘‘

آیت کریمہ خداوند قدوس کے ایک مقررہ ازلی دستور یعنی مرد کی نگرانی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

آیت اپنے اندر مشتمل حکمت خداوندی کو دو رخوں سے پیش کرتی ہے۔

اول یہ کہ مرد کی نظر عورت کی فطرت کے برعکس ہے۔ عورت مرد سے اس معنی میں افضل ہے کہ وہ اس سے بہتر طریقہ پر گھریلو ذمے داریوں کو منظم طریقے سے انجام دے سکتی ہے۔ بچوں کی تربیت اور اپنے شوہر کی ذمے داریوں کو پورا کرسکتی ہے۔ اس لیے کہ اس کی فطرت میں اللہ نے شفقت، لوچ اور نرمی رکھی ہے۔ نیز اس کے جسمانی اعضاء کی ساخت کچھ ایسی بنائی ہے جو اپنی ان ذمہ داریوں کو حسن وخوبی سے انجام دینے میں اس کی مددگار ہے۔ اس کا اعصابی نظام کچھ ایسا بنا ہے جو حمل اور وضع حمل کی تکلیف کو کم سے کم محسوس کرتا ہے۔ البتہ دیگر امراض اور بیماریوں سے وہ فوری متأثر ہوسکتی ہے۔ اور فوراً بھڑک اٹھتی ہے۔ اس کے احساس، ادراک اور نظم کی صلاحیت جلد متأثر ہوتی ہے۔ تکالیف، مشکلات، اذیتوں اور پریشانیوں کے عالم میں مرد کی نسبت خود صبر وثبات کا دامن بہت جلد ہاتھ سے چھوڑ دیتی ہے۔

رہا مرد، تو سابقہ بیان کردہ اسباب کے تحت جسمانی، فکری، انتظامی اور تدبیری امور میں عورت پر اس کو فوقیت حاصل ہے۔ مختلف دباؤ اور توازن کو وہ عورت سے زیادہ برداشت کرسکتا ہے۔ جنگ وجدال اور اذیت وتکلیف کو زیادہ سے زیادہ سہہ سکتا ہے۔

خاندان کے معاش کے لیے کوشاں اور سرگرم عمل رہ سکتا ہے۔ اپنے تشخص، اپنے وقار اور اپنی امتیازی شان کو برقرار رکھنے اور خطرات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کی آپ صلاحیت رکھتا ہے۔ نیز مرد کی نگرانی کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کو انفاق اور خرچ کا اختیار حاصل ہے۔ کیونکہ اپنی فطری صلاحیت کے مطابق وہ مال کما سکتا ہے۔ اس لیے عدل وانصاف کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ جو فرد یا جماعت تکلیف اٹھا کر مال اکٹھا کرے، اسے خرچ کرنے، نگرانی کرنے یا تصرف کرنے سے ہر قسم کے اختیار سے محروم کر دیا جائے۔ آج کے دور کی پارلیمانی اور جمہوری حکومتیں اس نہج پر کام کرتی ہیں اور موجودہ ترقی یافتہ دستور سازی کی بھی اہم اسپرٹ ہے۔

اب اگر ہم نے عورت کو گھر کے ماحول سے باہر نکال دیا اور جس طرح مرد گھر کے باہر جا کر محنت مشقت کرتا ہے، اس کے دوش بدوش ہم نے عورت کو بھی محنت کرنے اور دولت بٹورنے کا کام سونپ دیا، تو اس میں شک نہیں کہ یہ سماجی قانون سازی کی روح کے بالکل برعکس ہوگا۔ اس طرح گویا ہم عورت کو اس کے اس مقام سے ہٹا دیں گے جس مقام پر قرآن پاک نے اس کو لا کھڑا کیا ہے۔ اور اس طرح مرد کی نگرانی کسی صورت اس پر قائم نہیں ہوگی۔ اس لیے کہ مرد کی نگرانی ان دو بنیادوں پر استوار ہے۔ ایک یہ کہ گھر کے باہر کی ذمے داریوں کی انجام دہی کے لیے عورت سے زیادہ مرد کو صلاحیت اور لیاقت حاصل ہے۔ دوسرے خاندان پر خرچ کرنے اور ان کی ضروریات کی کفالت کی ذمے داری مرد پر عائد ہوتی ہے۔

نیز اس کے ساتھ ساتھ عورت پر مرد کی نگرانی کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ مرد دین یا

دنیا کے لحاظ سے عورت سے افضل ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ﴾ [آل عمران: 195]

''تو ان کے پروردگار نے ان کی دعا قبول کرلی (اور فرمایا) میں تم میں سے کسی نیک عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ تم سب ایک دوسرے کی جنس ہو۔''

بلکہ یہ نگرانی درحقیقت ایک اصولی تنظیمی صلاحیت ہے، جس کے ذریعے سماجی وتعمیری ضوابط اور دنیا کی زندگی میں اعلیٰ قدروں کی بحالی ضروری ہے، اور اسی کے التزام سے زندگی مجموعی طور پر سلامت ہوتی ہے۔ غرض مرد کی نگرانی رؤساء اور سرداران قوم کی نگرانی کی طرح ہے۔ اگر کوئی سردار ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سارے ہی ماتحتوں سے وہ اعلیٰ اور افضل ہے۔ اس کے باوجود ان کی نگرانی تمام انسانی سماج پر قائم ہوتی اور ان کے خلاف یورش یا بغاوت کرنے سے گنہگار ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ کیونکہ ماتحت سردار سے فضل وکمال، عمل ومعرفت اور دینداری میں بڑھ سکتا ہے۔ [1]

اور اگر یہ سوال پیدا ہو کہ قرآن پاک میں اپنے اس ارشاد: ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ﴾ میں خاندان کی نگرانی مرد کے حوالہ کیوں کرتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام نے اس سلسلے کا یہ کوئی نیا انوکھا یا نامانوس قدم نہیں اٹھایا۔ اس لیے کہ تاریخ کی ابتداء سے عورت نے مرد کے بازو میں رہ کر ہی چین کا سانس لیا ہے۔ اپنے اور بچوں کے بارے میں وہ صرف اپنے شوہر پر ہی

[1] ماخوذ از، ہمارے قلعوں کو درپیش اندرونی خطرات، کا خلاصہ: 139۔142

اعتماد کرتی ہے۔ اور محنت کرنا اور حالات سے نبرد آزما ہونا، اس قسم کے تمام تر بوجھ وہ صرف مرد کے کاندھوں پر ڈالتی ہے۔ اور آج بھی جبکہ زمانے نے اتنی ترقی کر لی ہے، عورت یہی سب مرد سے چاہتی ہے۔ کیونکہ یہ عین فطرت، کے مطابق ہے۔

آخر اللہ تعالیٰ نے مرد کو توانا اور طاقتور جسم دیا، اس کے اعصاب ایسے بنائے جو ناگوار حالات اور مشکلات کے متحمل ہو سکتے ہیں۔ اس کے بالمقابل عورت نازک بدن ہوتی ہے۔ اس کے جذبات بڑے حساس ہوتے ہیں۔ اس کے اندر تحمل اور برداشت کا مادہ بھی کم ہوتا ہے۔ اب اگر اسلام نے حقائق کو واقعہ کے عین مطابق پیش کیا تو یہ عین عدل ہوا۔ یہ تو اسلام کی حقیقی صورت گری ہے، اور اس کے مطابق اس کا یہ فیصلہ ہے کہ مرد عورتوں کے نگراں اور حاکم ہیں۔

کیا آج عورت یہ چاہتی ہے کہ نگرانی اور حاکمیت کا سہرا وہ اپنے سر باندھے؟ نہیں! نگرانی تو دراصل جوابدہی کا نام ہے۔ نگرانی مشکلات اور پریشانیوں کے مردانہ وار مقابلہ کا نام ہے، نگرانی ذمے داریوں کے سنبھالنے کا نام ہے۔ اور نگرانی کے اسی پھیلے ہوئے مفہوم کے ساتھ ایک نگراں کار کسی ہیبت یا خودغرضی کے بغیر اپنی ذمے داریوں کو ٹھیک ٹھیک انجام دینے کی کوشش کرتا ہے۔

تحریک نسواں کا شور مچانے والے اب تک یہ سمجھتے رہے ہیں کہ مرد کی نگرانی اور حاکمیت اس وقت تک برقرار تھی جب تک وہ خود تنہا کماتا تھا۔ اور پیداوار کے کل ذرائع اس کے زیر نگیں ہوتے تھے، لیکن آج پانسہ پلٹ گیا ہے۔ آج عورت بھی کماتی ہے اور پیداوار کے ذرائع پر اس کا بھی تسلط ہے۔ اس لیے عورت پر مرد کی نگرانی اب نہیں چلنی

چاہیے۔لیکن اس میں ذرہ برابر شک نہیں کہ مغربی دنیا کے اتار چڑھاؤ نے اس مفروضے کو قطعی غلط ثابت کر دیا۔ کیونکہ یہ صحیح ہے کہ عورت نے وہاں کمایا او اپنے پیروں پر کھڑی ہوئی۔لیکن اس کے باوجود مرد کی نگرانی، بالا دستی اور حاکمیت کو وہ آج بھی دل سے چاہتی ہے۔اور وہ اپنے اسی نگران کار کی ماتحتی میں اپنے آپ کو ڈالے رہنا چاہتی ہے۔آج مرد کے سائے سے ہٹ کر کہیں اسے چین اور سکون نصیب نہیں ہوتا۔

اس لیے یہ اعتراف کرنا چاہیے کہ اللہ رب العزت نے سچ کہا ہے، اور اس کے خلاف ڈھنڈورا پیٹنے والے جھوٹے ہیں۔ [1]



[1] اسلام اور جنسی مسائل، ص:196۔198 (بحوالہ تحفۃ العروس، ص:345۔342)

فضول خرچی اور بخل کے درمیان اعتدال (میانہ روی) اور کفایت شعاری کی اہمیت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمینی پیداوار سے کھانے اور اس کا حق (عُشر وغیرہ) ادا کرنے کا حکم دیا تو اس کے ساتھ ہی فرمایا:

﴿وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ١٤١؀ۙ﴾ [الانعام141]

''اور فضول خرچی نہ کرو، بے شک اللہ فضول خرچی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا''

سیاق کے اعتبار سے یہ معلوم ہوا کہ صدقۂ وخیرات میں بھی حد سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کل کو تم خود ضرورت مند ہو جاؤ۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا تعلق حُکام سے ہے کہ وہ زکوٰۃ وصدقات کی وصولی میں حد سے تجاوز نہ کریں۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ۔ کھانے میں اسراف مت کرو، کیونکہ بسیار خوری عقل اور جسم دونوں کے لیے مضر ہے۔

اسراف کے یہ سارے ہی مفہوم مراد ہو سکتے ہیں۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے میں بھی اسراف (حد سے تجاوز کرنے) سے منع فرمایا ہے:

﴿وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ [الاعراف:31]

''کھاؤ اور پیو اور فضول خرچی نہ کرو، بے شک وہ (اللہ) فضول خرچی کرنے والوں کو

پسند نہیں کرتا۔''

حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

«کل ما شئت والبس ماشئت، ما اخطأتک اثنتان، سرف او مخیلة»[1]

''جو چاہو کھاؤ اور جو چاہو پہنو! جب تک دو چیزوں سے تجاوز نہ ہو، ایک فضول خرچی اور دوسری تکبر۔''

یہ دو اصول ایسے بتلا دیے ہیں جو نہایت اہم ہیں۔ اگر مسلمان ہر معاملے میں ان دونوں اصولوں کو ملحوظ رکھیں تو ان کے بہت سے معاشرتی مسائل نہایت آسانی کے ساتھ حل ہو سکتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان میں سادگی کی تلقین و ترغیب بھی ہے اس لیے کہ انسان جتنا تکلف کرتا ہے اس میں اسراف کا پہلو بھی شامل ہوتا جاتا ہے اور ریا و نمود اور تکبر کے امکانات بھی بڑھتے جاتے ہیں۔ اس لیے ہر معاملے میں سادگی کا اہتمام اور تکلفات اور شان و شوکت کے اظہار سے اجتناب بہت ضروری ہے۔

ایک اور حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

«ایاک والتنعم، فان عباد الله لیسوا بالمتنعمین»

''ناز و نعمت کی زندگی سے اجتناب کرنا، اس لیے کہ اللہ کے بندے ناز و نعمت اختیار کرنے والے نہیں ہوتے۔[2]

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان (عباد الرحمٰن) کی امتیازی خصوصیات میں ایک خصوصیت یہ بھی بیان فرمائی ہے:

[1] صحیح البخاری: کتاب اللباس قبل الحدیث 5783

[2] مسند احمد: الموسوعة الحدیثیة، حدیث: 22105 سلسلة الصحیحة للألبانی، حدیث: 353

﴿وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا﴾ [الفرقان 67]

''اور وہ لوگ کہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ فضول خرچی کرتے ہیں اور نہ تنگی (بخیلی) ہی۔ اور ان کا خرچ اس کے درمیان معتدل ہوتا ہے۔''

تفسیر ''احسن البیان'' میں اس آیت کے تحت لکھا ہے۔

''اللہ کی نافرمانی میں خرچ کرنا اسراف (فضول خرچی) اور اللہ کی اطاعت (نیکی کے کاموں) میں خرچ نہ کرنا اقتار (بخیلی) اور اللہ کی اطاعت میں خرچ کرنا قوّام (اعتدال) ہے۔ (فتح القدیر) اسی طرح نفقات واجبہ اور مباحات (جائز کاموں) میں حد اعتدال سے تجاوز بھی اسراف میں آسکتا ہے اس لیے وہاں بھی احتیاط اور میانہ روی نہایت ضروری ہے۔''

اس کتاب میں اس موضوع پر مذکورہ گفتگو کا مقصد اس پہلو کی وضاحت ہے کہ میاں بیوی اپنی زندگی کے تمام معاملات اور معمولات میں اگر اخراجات میں اس اعتدال کو ملحوظ رکھیں اور پُرآسائش اور پُرتکلف زندگی کے بجائے سادگی اور تواضع کو اختیار کریں تو نہایت آسانی سے گھر کا بجٹ متوازن رہتا ہے۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ میاں بیوی دونوں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں۔ نہ بیوی خاوند سے غیر ضروری مطالبات کرے اور نہ خاوند ہی ضروری اخراجات میں تنگی اور بخیلی کا مظاہرہ کرے، یہ دونوں ہی رویے غلط اور ناپسندیدہ ہیں۔

بخیل خاوند کی بیوی کے لیے ایک اجازت

فضول خرچی سے خاوند کے لیے مشکلات پیدا ہوتی ہیں کہ جائز اور حلال آمدنی اس کے لیے ناکافی ہوجاتی ہے، پھر وہ ناجائز ذرائع آمدنی اختیار کرتا ہے جس میں اس کی

آخرت کی بربادی ہے۔ اور خاوند اگر بخیلی کا ارتکاب کرے یعنی بیوی کو گھریلو اخراجات کے لیے بھی مناسب رقم نہ دے یا از خود اشیائے ضرورت حسبِ ضرورت مہیا نہ کرے تو عورت کو گھر کا نظام چلانے میں مشکلات پیش آئیں گی، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا، حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کو، جب انہوں نے اپنے خاوند کی بخیلی کا ذکر کیا اور کہا کہ وہ مجھے اتنا خرچ بھی نہیں دیتے کہ جو مجھے اور میرے بچوں کو کافی ہو جائے، الا یہ کہ میں ان کی لاعلمی میں کچھ رقم لے لوں، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

«خُذِي مَا يَكْفِيكِ وَوَلَدَكِ، بِالْمَعْرُوفِ»

''ہاں، تم دستور کے مطابق (ان کو بتلائے بغیر) اتنی رقم لے لیا کرو جو تمہیں اور تمہارے بچوں کو کافی ہو جایا کرے۔'' [1]

حضرت فاطمہ اور حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہم کے سبق آموز واقعات

عہد رسالت کی خواتین نے کس طرح عسرت و تنگ دستی میں گزارا کیا، حتی کہ ان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لخت جگر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی شامل ہیں، وہ مسلمان عورتوں کے لیے قابل نصیحت ہیں۔ ایسے کچھ واقعات اس سے قبل بھی بیان ہو چکے ہیں، چند واقعات اور سن لیں۔

1. حضرت علی رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر میں خود ہی چکی پیستی تھیں جس سے ان کے ہاتھوں میں نشان پڑ گئے تھے، ان کے علم میں یہ بات آئی کہ کچھ غلام آئے ہیں (جو ضرورت مند مسلمانوں میں تقسیم ہونے ہیں تو) وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اپنی یہ پریشانی بیان کرنے کے لیے آئیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے آ کر بات کی اور کہا کہ ان حالات میں بھی ان کو غلام نہیں ملا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب گھر

[1] صحيح البخاري: كتاب النفقات، باب 9 حديث: 5364

تشریف لائے تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتلایا کہ حضرت فاطمہ اپنا شکوہ لے کر آئی تھیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ ہمارے پاس (رات کو) تشریف لائے جب کہ ہم بستروں پر لیٹ چکے تھے، آپ کی وجہ سے ہم اٹھنے لگے تو آپ نے فرمایا: اپنی جگہ پر ہی رہو۔ اور آپ میرے اور فاطمہ کے درمیان بیٹھ گئے یہاں تک کہ میں نے آپ کے قدموں کی ٹھنڈک اپنے سینے میں محسوس کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''کیا میں تمہیں اس سے بہتر بات نہ بتلاؤں جس کا تم نے سوال کیا ہے؟ اور وہ یہ ہے کہ جب تم سونے کے لیے اپنے بستروں پر آجاؤ تو 33 مرتبہ سبحان اللہ اور 33 مرتبہ ہی الحمدللہ اور 34 مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ یہ عمل تم دونوں کے لیے کسی خادم سے بہتر ہے۔ [1]

(2) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت اسماء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

''جب حضرت زبیر (رضی اللہ عنہ) سے میری شادی ہوئی تو اس وقت زبیر کے پاس نہ کوئی مال تھا، نہ غلام اور نہ کوئی اور چیز۔ سوائے ان کے گھوڑے کے۔ اس گھوڑے کو چارا بھی میں ڈالتی تھی اور اس کی دیکھ بھال اور خدمت بھی میں ہی کرتی تھی اور پانی لانے والے اونٹ کے لیے میں ہی کھجوروں کی گٹھلیاں کوٹ کر اس کو بطور دانہ کھلاتی اور چارہ بھی کھلاتی اور پانی بھی لاتی، پانی کا ڈول پھٹ جاتا تو میں ہی اس کو سیتی تھی اور آٹا گوندھتی، البتہ مجھ سے روٹی صحیح نہیں پکتی تھی تو میرے پڑوس میں انصار کی عورتیں مجھے روٹیاں پکا کر دے جاتیں، وہ بڑی راست باز عورتیں تھیں اور زبیر کی زمین سے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بطور جاگیر عطا کی تھی، کھجوروں کی گٹھلیاں سر پر لاد کر لاتی، یہ زمین دو تہائی فرسنگ (دو

[1] صحیح البخاری: النفقات، باب 9 حدیث 5361

میل) کے فاصلے پر تھی...(یہ میرا معمول تھا)حتی کہ (میرے والد) ابوبکر (رضی اللہ عنہ) نے میرے لیے ایک خادم بھیج دیا، اس کے بعد گھوڑے کی دیکھ بھال اور خدمت سے میری جان چھوٹ گئی، گویا انہوں نے مجھے (بھاری ذمے داریوں سے) آزاد کر دیا۔‘‘ [1]

③ حضرت ابراھیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کا واقعہ بھی سن لیجئے اس میں بھی عورتوں کے لیے بڑا اچھا سبق ہے۔

یہ تو سب جانتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے لخت جگر حضرت اسمٰعیل کو ان کی والدہ سمیت اللہ کے حکم سے اس جگہ چھوڑ کر چلے گئے تھے جہاں آج خانہ کعبہ اور مکہ بنا ہوا ہے، اس وقت یہ جگہ ایک سنسان بیابان اور یکسر بے آب و گیاہ وادی تھی، نہ کوئی آدم زاد وہاں تھا اور نہ خورد نوش کا کوئی سامان۔ پھر اللہ نے وہاں زم زم کا چشمہ جاری فرما دیا اور وہاں قبیلۂ جرہم آباد ہوا اور یوں انسانی آبادی کا وہاں آغاز ہوا۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام بھی وہیں پل بڑھ کر جوان ہوئے اور قبیلۂ جرہم کی ایک خاتون سے شادی کر لی۔

عرصۂ دراز کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں تشریف لائے، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے گھر گئے، وہاں ان کی بیوی تھی، حضرت اسمٰعیل نہیں تھے، انہوں نے بیوی سے پوچھا تو بیوی نے کہا: وہ ہمارے لیے کچھ لانے کے لیے باہر نکلے ہیں۔ آپ نے پوچھا: تمہاری گزر بسر کیسے ہوتی ہے؟ بیوی نے کہا: ہم بہت برے حالات سے گزر رہے ہیں، تنگی ترشی سے گزارا ہوتا ہے، اس طرح شکایت کا اظہار کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا: جب تیرا خاوند آئے تو اس کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ دروازے کی چوکھٹ بدل دے۔ جب

[1] صحیح مسلم: الادب، باب 14 حدیث 2182

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام گھر آئے تو انہیں محسوس ہوا کہ کوئی ہو کر گیا ہے، پوچھا: کیا کوئی آیا تھا؟ اس نے کہا: اس اس طرح کے ایک بزرگ آئے تھے۔ انہوں نے آپ کے بارے میں اور گزران کے بارے میں پوچھا تھا تو میں نے ان کو بتلایا تھا کہ ہماری گزر اوقات تنگی سے ہوتی ہے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے پوچھا: تجھے انہوں نے کوئی وصیت کی تھی؟ اس نے کہا: انہوں نے کہا تھا کہ اپنے خاوند کو میرا اسلام عرض کرنا اور کہنا کہ دروازے کی چوکھٹ بدل دے۔ حضرت اسمٰعیل نے کہا: وہ میرے والد تھے اور وہ مجھے حکم دے گئے ہیں کہ میں تجھ سے جدائی اختیار کرلوں۔ چنانچہ تو اپنے گھر والوں کے پاس چلی جا، اور انہوں نے اسے طلاق دے دی۔ پھر ایک دوسری عورت سے شادی کرلی۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے، حضرت اسمٰعیل اس روز بھی گھر میں نہیں تھے، بیوی سے ملاقات ہوئی تو اس سے حضرت اسمٰعیل کی بابت پوچھا تو اس نے بتلایا کچھ لینے کے لیے باہر گئے ہیں۔ پوچھا: تمہارا کیا حال ہے؟ اور اس سے گزران وغیرہ کی بابت پوچھا: اس نے کہا: الحمدللہ! بھلائی اور کشادگی کے ساتھ ہمارا گزارا ہو رہا ہے۔ پوچھا: تمہاری خوراک کیا ہے؟ بیوی نے جواب دیا: (شکاری پرندوں کا) گوشت، پوچھا: پیتے کیا ہو؟ کہا: پانی۔ ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی: اے اللہ! ان کے گوشت اور پانی میں برکت عطا فرما۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ان دنوں وہاں کسی بھی قسم کا غلہ نہیں ہوتا تھا، اگر غلہ ہوتا تو ابراہیم اس کے لیے بھی برکت کی دعا کرتے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بہو سے کہا: جب تیرا خاوند آئے تو اس کو میرا اسلام کہنا اور کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ باقی رہنے دینا۔ جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام آئے تو پوچھا: کوئی آیا تھا؟ بیوی نے کہا:

ہاں، ہمارے پاس ایک خوش ہیئت بزرگ آئے تھے اور مزید ان کی تعریف کی۔ انہوں نے آپ کی بابت پوچھا تھا تو میں نے بتلایا کہ وہ باہر گئے ہوئے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے پوچھا: ہماری گزران کیسی ہے؟ تو میں نے ان سے کہا تھا: بہتر ہے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے پوچھا: انہوں نے کسی بات کا حکم دیا؟ بیوی نے کہا: انہوں نے آپ کو سلام عرض کیا تھا اور آپ کے لیے یہ پیغام دے گئے تھے کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ باقی رہنے دینا، (اسے تبدیل نہیں کرنا) حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے بیوی کو بتلایا کہ وہ میرے والد تھے اور چوکھٹ سے مراد تو خود ہے، مجھے انہوں نے حکم دیا ہے کہ میں تجھے اپنے پاس برقرار رکھوں.....۔"[1]

مذکورہ تینوں واقعات میں خواتین کے لیے یہ سبق مضمر ہے کہ ان کو جیسے بھی خاوند مل جائیں اور کیسے بھی نامساعد حالات سے ان کو گزرنا پڑے، وہ صبر اور حوصلے سے ان کو برداشت کریں اور ناصبری اور ناشکری کا مظاہرہ ہرگز نہ کریں۔ ورنہ اس سے وہ دنیا میں بھی امن وسکون کی زندگی سے محروم رہیں گی اور آخرت میں بھی غضب الٰہی کی مستحق قرار پائیں گی۔



[1] صحیح البخاری: کتاب احادیث الانبیاء، باب 8 حدیث 3364

لڑکے یا لڑکی کی پیدائش میں انسان بے اختیار ہے ناراض ہونے کا کوئی جواز نہیں

مرد اور عورت کے جنسی ملاپ سے اولاد پیدا ہوتی ہے، نسل کی بقا اور افزائش کے لیے اللہ نے یہ فطری طریقہ رکھا ہے۔ لیکن ملاپ کے وقت یہ کسی کے علم میں نہیں ہوتا کہ اولاد مذکر پیدا ہوگی یا مؤنث۔ یہ صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔

اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر یہ معاملہ اللہ تعالیٰ اپنے اختیار میں نہ رکھتا تو مردوں کی کثرت ہوجاتی کیونکہ بیشتر انسان مذکر کی پیدائش کو پسند اور مؤنث کو ناپسند کرتے ہیں، انسانوں کے اپنے اختیار میں یہ معاملہ ہوتا تو عورتوں کی کمی اور مردوں کی کثرت سے انسانی آبادی کا توازن نہایت خراب ہوجاتا جس سے انسانی معاشرے فساد اور بگاڑ کا شکار ہوتے۔

اللہ تعالیٰ نے چونکہ اس کائنات کو روزِ قیامت تک اپنے علم ازلی کے مطابق چلانا اور باقی رکھنا ہے اس لیے وہ اپنی حکمت و مصلحت کے مطابق جس کو جو چاہتا ہے عطا کرتا ہے، کسی کو لڑکیاں ہی لڑکیاں اور کسی کو لڑکے ہی لڑکے اور کسی کو لڑکے اور لڑکیاں دونوں ہی، اور کسی کو دونوں سے ہی محروم۔

﴿لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ الذُّكُوْرَ ﴿٤٩﴾ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَاۗءُ عَقِيْمًا ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ

قَدِيرٌ ﴾ [الشوریٰ :50-49]

''آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اللہ ہی کے لیے ہے۔ وہ جو چاہے پیدا کرتا ہے۔ جسے چاہے (صرف) بیٹیاں عطا کرتا ہے اور جسے چاہے (صرف) بیٹے عطا کرتا ہے، یا ان کو بیٹے اور بیٹیاں ملا کر دیتا ہے، اور جسے چاہے بے اولاد رکھتا ہے۔ بے شک وہ خوب جاننے والا، بہت قدرت والا ہے۔''

اللہ کے اس اختیار اور حکمت ہی کا نتیجہ ہے کہ نوع انسان ایک بہت بڑے اختلال وفساد سے محفوظ ہے۔

یہ انسان کے سوچنے کا کام ہے کہ جس معاملے میں وہ یکسر بے اختیار ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ کی عطا پر ناراض ہونے کا کیا جواز ہے؟ قطعاً نہ کوئی جواز ہے اور نہ عقل ودانش مندی ہی کا مظاہرہ۔ جو بھی اللہ دے دے۔لڑکا یا لڑکی۔ اللہ کی نعمت ہے، کسی کی نہ ناقدری کرنی ہے اور نہ اس کا شکوہ۔ دانش مندی یہی ہے کہ رضائے الٰہی پر راضی رہے اور تقدیر پر صابر وشاکر۔

لڑکیوں کی پیدائش میں چونکہ اللہ کی بڑی حکمت ہے، اس لیے جو شخص اللہ کی اس نعمت کی قدر کرتا اور خوش دلی سے اس کو پالتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی خوش ہوتا ہے اور اس کے لیے اس نے اخروی اجر وثواب رکھا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتَّى تَبْلُغَا، جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَا وَهُوَ، وَضَمَّ أَصَابِعَهُ»

''جس نے دو لڑکیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بالغ ہوگئیں، قیامت کے دن میں اور وہ اس طرح آئیں گے اور آپ نے (اشارہ کرتے ہوئے) اپنی انگلیوں کو ملایا (جس طرح انگلیاں باہم ملی ہوئی ہیں، لڑکیوں کی پرورش کرنے والا بھی

اس طرح میرے ساتھ ہوگا۔‘‘ [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنا ایک واقعہ بیان فرمایا:

میرے پاس ایک غریب عورت آئی جس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں بھی تھیں، میں نے ان کو کھانے کے لیے تین کھجوریں دیں، اس عورت نے دو کھجوریں دو بیٹیوں کو دے دیں، تیسری کھجور وہ کھانے لگی تو اس کی بیٹیوں نے وہ بھی اس سے مانگ لی تو اس نے اس کھجور کے دو ٹکڑے کر کے دونوں کو ایک ایک ٹکڑا دے دیا (اور خود کچھ نہ کھایا) مجھے اس کی یہ بات بہت عجیب لگی، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو اس واقعے کا آپ سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ قَدْ أَوْجَبَ لَهَا بِهَا الْجَنَّةَ، أَوْ أَعْتَقَهَا بِهَا مِنَ النَّارِ»

’’اللہ نے اس عورت کے لیے اس کے اس عمل کی وجہ جنت واجب کر دی یا اس کو اس کی وجہ سے جہنم کی آگ سے آزاد کر دیا۔‘‘ [2]

لڑکیوں کی پرورش اور ان کی دیکھ بھال کی جب یہ فضیلت ہے تو کسی مسلمان کے لیے، جو جنت کا طالب ہے، لڑکی کی پیدائش پر برا ماننے کا یا بیوی کو، جو اس معاملے میں مرد ہی کی طرح سراسر بے اختیار ہے، برا سمجھنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

لڑکی کی پیدائش کو برا سمجھنا، جاہلیت کی رسم ہے

جو لوگ لڑکی کی پیدائش پر ایسا رویہ اختیار کرتے ہیں، وہ اسلام سے قبل کی جاہلیت کا مظاہرہ کرتے ہیں جسے اسلام نے آ کر ختم کیا، مسلمانی کا دعویٰ کرنے کے باوجود زمانۂ جاہلیت والا رویہ اختیار کرنا کسی بھی مسلمان کے لیے زیبا نہیں۔

[1] صحیح مسلم :کتاب البروالصلة، باب فضل الاحسان الی البنات،حدیث:2631

[2] صحیح مسلم :کتاب البرولصلة۔باب فضل الاحسان الی البنات۔حدیث:2630

اللہ تعالیٰ نے زمانۂ جاہلیت کے لوگوں کے رویے کا ذکر کر کے اس کو برا فیصلہ قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ ۝٥٨ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ ۚ أَيُمْسِكُهُ عَلَىٰ هُونٍ أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ ۗ أَلَا سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ۝٥٩﴾ [النحل 59-16:58]

''اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی (پیدا) ہونے کی خوش خبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غم و غصے سے بھرا ہوتا ہے، وہ اس عار کے باعث لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے جس کی اس کو بشارت دی گئی ہے (سوچتا ہے) کیا (اپنی) توہین کے باوجود اسے باقی رکھے یا اسے مٹی میں دبا دے؟ آگاہ رہو! بہت برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں۔''

لڑکی کی بہتر ثابت ہو سکتی ہے

بنا بریں ہر مسلمان کو اللہ کی رضا اور مشیت پر راضی رہنا چاہیے۔ یہی ایک مسلمان کی شان اور اس کا کردار ہے۔ علاوہ ازیں کسی کو یہ پتا نہیں کہ وہ لڑکے کی پیدائش پر خوش ہو رہا ہے، لیکن اسی بچے کے جوان ہونے کے بعد اسے اپنے اس بچے کے کردار کی وجہ سے اپنی قسمت پر ماتم کرنا پڑ جائے؟ یا جس بچی کی پیدائش پر وہ ناراضی اور کراہت کا اظہار کر رہا ہے، وہی بچی اس کے بڑھاپے کا سہارا اور دیگر افرادِ خاندان کے لیے نہایت بابرکت ثابت ہو۔

دنیا میں یہ دونوں ہی نمونے دیکھے جا سکتے ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝٢١٦﴾ [البقرة 216]

''اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لیے بہترین ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔''



عورت کی تعلیم وتربیت کا مسئلہ

عورت کی تعلیم کے بارے میں معاشرے میں افراط وتفریط پائی جاتی ہے۔ ایک طبقہ، جو مغربی فکر وفلسفہ سے متأثر بلکہ مسحور ومرعوب ہے، ہر طرح کی تعلیم کا قائل ہے، یعنی ان کے نزدیک لڑکے جو علوم وفنون حاصل کرکے ہر ادارے میں کام کرتے ہیں، وہ سارے علوم وفنون لڑکیوں کو بھی حاصل کرکے ہر شعبۂ زندگی میں مردوں کے دوش بدوش کام کرنا چاہیے۔

ایک دوسرا طبقہ بچیوں کی تعلیم کو نہ کوئی خاص اہمیت دیتا ہے اور نہ اس کی ضرورت ہی سمجھتا ہے۔

یہ دونوں ہی نقطۂ نظر غلط ہیں۔

اسلام عورتوں کی تعلیم کا مخالف نہیں۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان:

«طلب العلم فريضة على كل مسلم»

''علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔'' [1]

کے مطابق ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے علم حاصل کرنا ضروری ہے کیونکہ مسلم سے مراد صرف مرد ہی نہیں بلکہ عورت بھی ہے۔

---

[1] سنن ابن ماجه:طلب العلم فريضة على كل مسلم 224

لیکن اس علم سے مراد سائنس وٹیکنالوجی اور دیگر شعبۂ ہائے زندگی سے متعلقہ علوم وفنون نہیں بلکہ وہ علم ہے جس سے حلال وحرام، جائز وناجائز کی پہچان ہو، یعنی قرآن وحدیث کا علم۔ دوسرے علم کا تعلق کسب معاش سے ہے جو صرف مرد ہی کی ذمے داری ہے، وہ علم قرآن وحدیث کے ساتھ دیگر علوم بھی حاصل کرے گا لیکن عورت پر چونکہ معاش کی ذمے داری نہیں۔ بنابریں اس کے لیے صرف قرآن وحدیث کی تعلیم ضروری ہے تاکہ وہ اس کی روشنی میں اپنے وہ فرائض بھی خوش اسلوبی سے ادا کر سکے جو اولاد کی تربیت کے حوالے سے اس پر عائد ہوتے ہیں۔

کیونکہ تربیت اولاد میں ماں کا کردار بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔

اولاً: تو اس لئے کہ ماں کی گود ہی بچے کا وہ پہلا گہوارہ ہے جہاں وہ آنکھیں کھولتا ہے۔ اس کی کل کائنات ماں کی شفقت ومحبت ہی ہوتی ہے، ماں کی محبت آمیز مسکراہٹ اور شفقت بھرا ہاتھ اس کا سہارا ہوتا ہے۔ اور ماں کی چھاتی سے اسے وہ لطیف غذا ملتی ہے جس سے اس کی جسمانی نشونما ہوتی ہے۔

ثانیاً: جب وہ چلنے پھرنے لگتا ہے اور کچھ بول اس کی زبان سے نکلنے شروع ہوتے ہیں تو باپ تو کسب معاش میں سرگرداں ہوتا ہے، ماں کی گود ہی اس کا پہلا مدرسہ بنتی ہے، اس وقت بچے کا ذہن سلیٹ یا بلیک بورڈ کی طرح بالکل صاف ہوتا ہے، اس پر جو بھی لکھ دیا جاتا ہے، یعنی اسے ذہن نشین کرایا جائے، وہ اس کے دل ودماغ میں نقش ہوجاتا ہے۔ اسی بات کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح بیان فرمایا ہے:

«كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ، أَوْ يُنَصِّرَانِهِ، أَوْ يُمَجِّسَانِهِ»

''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی

بنا دیتے ہیں۔"[1]

یعنی اس کے ذہن کے تختۂ سیاہ پر جس مذہب کی تحریر بھی درج کردی جائے، وہ النقش فی الحجر (پتھر پرلکیر) کی طرح اس کے لوح قلب پر ثبت ہوجاتی ہے۔اس لحاظ سے دیکھا جائے تو مائیں اگر صحیح مسلمان ہوں گی، اسلامی تعلیم وتربیت کے زیور سے آراستہ ہوں گی اور اسلامی جذبات واحساسات سے سرشار ہوں گی تو ان کی گودوں میں پلنے والے بچے بھی صحیح مسلمان ہوں گے، ان کی تعلیم وتربیت سے اسلام کی حقانیت وصداقت کا نقش ان کے دل ودماغ میں ثبت ہوجائے گا اور اس کی تعلیمات کو اپنانے کا سچا جذبہ ان کے اندر پیدا ہوگا۔

ایک عورت کو اسلامی تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے کا مطلب ہے کہ ایک پورے خاندان کو اسلامی سانچے میں ڈھال دینے کی بنیاد رکھ دی گئی ہے۔ یہ اسلامی معاشرے کو سدھارنے کا ایک فطری طریقہ ہے کیونکہ خاندانوں ہی سے قبیلے اور برادریاں بنتی ہیں اور قبیلے اور برادریاں پھیل کر معاشرہ بنتی ہیں۔ اگر مذکورہ فطری طریقے کے مطابق ہر خاندان کے سربراہ، ماں اور باپ۔اپنے اپنے زیر کفالت اور زیر تربیت خاندانوں کی صحیح تربیت کا اہتمام کریں تو معاشرتی اصلاح کا آغاز ہوسکتا ہے، بشرطیکہ ماں ایک معلّمہ، مبلّغہ اور داعیہ کا کردار ادا کرے۔

آج کل کی حکومتوں نے قوم کی معاشرتی اور اخلاقی اصلاح اور ان کی اسلامی تعلیم وتربیت کے اہم ترین کام کو پس پشت ڈال کر اس فریضے سے یکسر غفلت اور بے اعتنائی

[1] صحیح البخاری:کتاب الجنائز،باب ماقیل فی اولاد المشرکین ،حدیث1385

اختیار کر رکھی ہے۔علاوہ ازیں اسکول، کالج اور یونیورسٹیوں میں بھی یہ کام نہیں ہو رہا ہے بلکہ اس کے برعکس وہاں مسلمان بچوں اور بچیوں کو اسلام سے بیگانہ بنایا جارہا ہے۔اور ان سب پر مستزاد الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا(ٹی وی ،انٹرنیٹ اور اخبارات وغیرہ) مسلمانوں کی نوجوان نسل کو اسلامی تہذیب اور اسلامی اقدار وروایات سے دور کر کے ان کے اندر مغرب کی حیاباختہ تہذیب اور اس کی اقدار کو فروغ دے رہے ہیں۔

ان حالات میں گھر ہی ایک ایسا حصار ہے جہاں مسلمانوں کی نسلِ نو کو الحاد اور بے دینی کے جھکڑوں سے اور بے حیائی کے سیلاب سے بچایا جاسکتا ہے اور گھر میں ماں ہی وہ واحد استانی اور معلّمہ ہے جو بچوں کی اسلامی تعلیم وتربیت کا اہتمام کرسکتی ہے، کیونکہ باپ تو فکر معاش ہی میں الجھا رہتا ہے۔

اور ماں یہ کردار تب ہی ادا کرسکتی ہے جب وہ خود زیور تعلیم سے آراستہ اور دینی جذبہ وشعور سے بہرہ ور ہو۔اور ایک ماں کے اندر یہ خوبی دینی تعلیم حاصل کیے بغیر پیدا نہیں ہوسکتی۔دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم سے بھی اگر وہ بہرہ ور ہو تو ماشاء اللہ۔لیکن عصری تعلیم کا مقصد محض ملازمت اور مردوں کے دوش بدوش ہر شعبۂ زندگی میں نفوذ نہ ہو بلکہ اس سے بھی مقصود اپنے ہی بچوں کی تعلیم وتربیت اور امور خانہ داری کو زیادہ بہتر انداز سے سرانجام دینا اور دنیاوی معاملات میں خاوند کا ہاتھ بٹانا ہو،اور بس۔



طلاق اور اس کا طریقہ

1. مرد اور عورت کے درمیان نکاح کا رشتہ قائم ہو جانے کے بعد اکثر مذاہب میں علیحدگی اور طلاق کا کوئی تصور نہیں ہے حالانکہ بعض دفعہ جب دونوں کے مزاجوں میں موافقت اور ہم آہنگی پیدا نہ ہو سکے تو طلاق اور علیحدگی ہی میں دونوں کی بھلائی ہوتی ہے۔ اس لیے اسلام نے مرد کو طلاق کا حق دیا ہے تاہم مرد کو یہ تاکید کی گئی ہے کہ وہ اپنے اس حقِ طلاق کو آخری چارۂ کار کے طور پر ہی استعمال کرے۔ اس سے پہلے اصلاح کی جو چار تدابیر اللہ نے سورۃ نساء میں بیان فرمائی ہیں (جن کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے) ان کو بروئے کار لایا جائے۔ پھر بھی بات نہ بنے تو پھر طلاق کا فیصلہ کیا جائے۔

2. یہ فیصلہ کر لینے کے بعد بھی یوں ہی طلاق نہ دی جائے بلکہ اس کے لیے یہ طریق کار بتلایا گیا ہے کہ ایام حیض میں طلاق نہ دی جائے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر برہمی کا اظہار فرمایا تھا جب انہوں نے ایام حیض میں اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی۔ بلکہ اس وقت طلاق دی جائے جب بیوی کے ایام حیض ختم ہو جائیں اور وہ پاک ہو جائے، اس کو حالتِ طُہر کہا جاتا ہے تو حکم یہ ہے کہ حالتِ طُہر میں طلاق دی جائے اس سے صحبت کیے بغیر۔

اس حکم کا فائدہ یہ ہے کہ اکثر مرد حقِ طلاق کا بے جا استعمال کرتے ہوئے وقتی طور پر اشتعال اور غصے میں فوراً طلاق دے بیٹھتے ہیں، پھر پچھتاتے ہیں کہ یہ کیا ہو گیا؟ جب کہ ہم میاں بیوی کا نباہ صحیح طریقے سے ہو رہا ہے۔ اگر اشتعال اور غصے میں طلاق نہ دی جائے اور ایسے طُہر کا انتظار کیا جائے جس میں خاوند نے بیوی سے ہم بستری نہ کی

ہو، جیسا کہ حکم ہے تو اس انتظار کی وجہ سے اکثر و بیشتر غصے اور اشتعال کی کیفیت ختم ہو جاتی ہے اور آدمی کو طلاق دینے کی ضرورت ہی پیش نہیں آتی۔ اور یوں طلاق کی شرح بہت ہی گھٹ جاتی ہے۔ پھر طلاق صرف اسی صورت میں دی جائے گی جب مرد نے قطعی طور پر، اصلاح کی ساری تدابیر اختیار کرنے کے بعد، طلاق دینے ہی کا فیصلہ کرلیا ہوگا۔

③ جب طلاق دی جائے تو ایک ہی طلاق دی جائے، یعنی طلاق کا لفظ صرف ایک مرتبہ ہی استعمال کیا جائے، میں تجھے طلاق دیتا ہوں، یا تجھے طلاق ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ اگر طلاق دینے کے بعد صلح کی صورت بن جائے تو نہایت آسانی سے صلح کا مرحلہ طے ہو جاتا ہے اور وہ اس طرح کہ ایک طلاق کی صورت میں تمام مکاتب فکر کے نزدیک عدت (تین حیض یا تین مہینے) کے اندر بغیر نکاح کے رجوع اور صلح کرلینا جائز ہے اور رجوع کے لیے زبان ہی سے رجوع کا اظہار کردینا کافی ہے، اس کے لیے کسی خاص عمل کا کرنا ضروری نہیں ہے اور اگر عدت گزر جائے تو ان کے درمیان دوبارہ نکاح کے ذریعے سے تعلق بحال ہو جاتا ہے۔

ایک مرتبہ رجوع کرنے کے بعد دوبارہ بھی ایک طلاق دینے کی صورت میں عدت کے اندر رجوع کرنے کا اور عدت گزر جانے پر نئے نکاح کے ذریعے سے تعلق بحال کرنے کا موقع رہتا ہے، کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ﴿الطلاق مرتان﴾ [البقرۃ:229] میں دو مرتبہ طلاق دے کر مرد کو رجوع کرنے کا حق دیا ہے۔

پیچیدگی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب ایک ہی مرتبہ طلاق، طلاق، طلاق کا لفظ استعمال کرلیا جاتا ہے حالانکہ ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دینا ممنوع ہے اور نبی ﷺ

نے اس پر سخت ناراضی کا اظہار فرمایا ہے۔ اسی لیے اس میں بھی تمام مکاتب فکر متفق ہیں کہ بیک وقت تین طلاقیں دینا ناجائز ہے، لیکن عوام جہالت کی وجہ سے غصے میں اسلام کی اس اہم ہدایت کی پروانہیں کرتے اور ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے دیتے ہیں۔

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ علمائے احناف اس کو تین ہی قرار دے کر صلح اور رجوع کا راستہ بالکل بند کر دیتے ہیں۔ اس صورت میں عوام بڑے پریشان ہوتے ہیں، اکثر لوگ کہتے ہیں کہ ہماری نیت بیوی سے جدائی کی نہیں تھی، بس غصے میں طلاق دے بیٹھے، اور ہم یہ سمجھتے تھے کہ جب طلاق کا لفظ تین مرتبہ استعمال نہیں کریں گے تو طلاق ہی نہیں ہوگی، اسٹامپ پیپر میں بھی اسی لیے تین طلاقیں لکھوائی جاتی ہیں۔

بنابریں طلاق دینے کا اگر فیصلہ کر ہی لیا جائے تو ایک ہی طلاق دی جائے۔ اس کے بڑے فائدے ہیں کیونکہ بعض دفعہ آدمی طلاق تو دے بیٹھتا ہے لیکن جب اس کے نقصانات اس کے سامنے آتے ہیں، مثلاً: میاں بیوی میں آپس میں بڑا پیار ہے، وہ ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے، یا اولاد کا مسئلہ ہے، طلاق کے بعد ان کا مستقبل تاریک ہو جائے گا وغیرہ، اس قسم کی صورتوں میں اگر وہ دوبارہ ازدواجی تعلق قائم کرنا چاہتے ہیں تو ایک طلاق کی صورت میں عدت کے اندر صلح اور رجوع کر کے اپنی غلطی کا ازالہ کر لیا جانا بڑا آسان ہے، اس کی راہ میں فقہی اختلاف بھی آڑے نہیں آتا۔ اس کے برعکس اکٹھی تین طلاقیں دینے کی صورت میں فقہی اختلاف کی وجہ سے معاملہ گھمبیر ہو جاتا ہے کیونکہ حنفی علماء اس صورت میں صلح کی اجازت نہیں دیتے۔ پھر یا تو وہ حلالہ کروا کے دوبارہ نکاح کی بحالی کا فتویٰ دیتے ہیں جو ایک لعنتی اور بے غیرتی کا کام ہے، جسے کوئی غیرت مند مرد گوارا

نہیں کرتا، علاوہ ازیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حلالہ کرنے والے اور جس کے لیے حلالہ کروایا جائے، دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ [1]

بصورت دیگر یہ گھرانہ اجڑ جاتا ہے، مرد الگ پریشان ہوتا ہے، بیوی کی زندگی بھی اجیرن ہوجاتی ہے اور بچوں کا مستقبل بھی تباہ۔ اور بعض دفعہ بچوں کو لینے دینے کے لیے عدالتی کاروائی میں دونوں میاں بیوی خوب خوار ہوتے ہیں۔ تاہم کسی ایک کے حق میں فیصلہ ہوجانے کے بعد بھی بچے پریشان کن صورت حال سے دوچار رہتے ہیں، ان کو ماں کی جدائی برداشت کرنی پڑتی ہے یا باپ کی۔

فقہی جمود میں مبتلا او بے غیرتی اور لعنتی کا فتویٰ دینے والے علماء کے پاس اس معاشرتی مسئلے کا کوئی حل نہیں ہے، البتہ شریعت اسلامیہ میں اس کا حل موجود ہے کہ ایک وقت کی تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق شمار کر کے رجوع کرلیا جائے جیسا کہ قرآن وحدیث کی تصریحات سے ثابت ہے۔ اس طرح ہزاروں، لاکھوں گھرانے برباد ہونے سے بچ جاتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ اب بہت سے حنفی علماء بھی یہ اعتراف کرنے لگے ہیں کہ مذکورہ صورت حال کا ایک ہی حل ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق شمار کر کے خاوند کو عدت کے اندر رجوع کرنے کا اور عدت گزارنے کی صورت میں بہ نکاحِ جدید صلح کرنے کا حق دیا جائے، بشرطیکہ طلاق دینے کا یہ فعل اس نے پہلی مرتبہ یا دوسری مرتبہ کیا ہو۔

اس کی تفصیل راقم کی کتاب ''ایک مجلس کی تین طلاقیں اور اس کا شرعی حل''۔ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

---

[1] ابن ماجه :كتاب النكاح-باب المحلل والمحلل له حديث:1935

ترمذی:كتاب النكاح باب ماجاء فی المحل والمحلل له :حدیث نمبر1119

ایک اور ضروری وضاحت

یہاں ایک اور نہایت اہم نکتے کی وضاحت کر دینی مناسب معلوم ہوتی ہے اور وہ یہ کہ اکثر کتابوں میں طلاق سنت کا طریقہ یہ بتلایا گیا ہے کہ ہر طہر میں رجوع کیے بغیر طلاق دی جائے۔ اس طرح تین طہروں میں تین طلاقیں پوری کی جائیں جب کہ واقعہ یہ ہے کہ تین طلاقیں دینی ضروری ہی نہیں ہیں، ایک طلاق دینے کے بعد اگر عدت کے گزرنے (تین حیض یا تین مہینے) تک رجوع نہیں کیا جائے گا تو اس سے بھی طلاق بائن واقع ہوجاتی ہے، اس کے بعد عورت آزاد ہے، ولی کی اجازت سے جہاں چاہے نکاح کرسکتی ہے، حتی کہ پہلے خاوند سے بھی صلح کی صورت میں دوبارہ نکاح کرنا جائز ہوگا۔

اس کے برعکس تین طہروں میں تین طلاقوں کو پورا کرنے میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ اس طرح پھر طلاق مغلظہ یا بَتّہ واقع ہوجاتی ہے جس کے بعد زوج اول سے نکاح « حتی تنکح زوجا غیرہ » پر عمل کیے بغیر ممکن ہی نہیں ۔ اس کے لیے پھر فقہی جمود میں مبتلا علماء لعنتی اور بے غیرتی والے حلالے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ جو ہر غیرت مند مرد اور ہر غیرت مند عورت کے لیے نا قابل قبول بلکہ نا قابل برداشت ہوتا ہے۔

طلاقِ سنت کا مذکورہ طریقہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا بیان کردہ ہے جو سنن نسائی اور ابن ماجہ وغیرہ میں موجود ہے، اس لیے یہ مشہور بھی ہوگیا تاہم اس کو طلاق سنت قرار دینا کسی لحاظ سے صحیح نہیں ہے۔ اسی لیے مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت ابن مسعود سے وہ طریقہ بھی منقول ہے جسے ہم نے بہترین طریقہ قرار دیا ہے، ایک طلاق دے کر چھوڑ دیا

جائے حتی کہ تین حیض گزر جائیں۔ [1] یہی طریقہ درست اور صحیح ہے۔

④ چوتھی ہدایت یہ ہے کہ پہلی طلاق یا دوسری طلاق میں بیوی سے علیحدگی تو ضروری ہے لیکن عدت کے اندر اس کو گھر ہی میں رہنے دیا جائے، یعنی خاوند کے گھر میں۔ اس سے اسے نہ نکالا جائے۔ اس کا فائدہ اللہ نے یہ بتلایا ہے کہ مطلقہ کے اسی گھر میں رہنے سے، ہوسکتا ہے خاوند کے اندر رجوع کرنے کی رغبت اور جذبہ پیدا ہو جائے۔

﴿لَا تَدْرِيْ لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا﴾ [الطلاق:1]

''تم نہیں جانتے شاید اللہ تعالیٰ اس کے بعد کوئی نئی بات پیدا کر دے''

اسی لئے بعض مفسرین کی رائے ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے صرف ایک طلاق دینے کی تلقین اور بیک وقت تین طلاقیں دینے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اگر مرد ایک ہی وقت میں تین طلاقیں دے دے (اور شریعت اسے جائز قرار دے کر نافذ بھی کر دے) تو پھر یہ کہنا بے فائدہ ہے کہ شاید اللہ تعالیٰ کوئی نئی بات (خاوند کے دل میں صلح کی رغبت) پیدا کر دے۔ [2]

عورت کو اپنا رویہ صحیح رکھنا چاہیے

یہاں تک تو بات تھی مرد کے حقِ طلاق اور اس کے طریقۂ استعمال کی۔ اس مقام پر ہم چند باتیں خواتین سے بھی عرض کرنا مناسب بلکہ ضروری سمجھتے ہیں اور وہ یہ کہ مرد اکثر و بیشتر عورتوں کے رویوں کی وجہ سے طلاق دینے پر مجبور ہوتے ہیں ورنہ کسی کو بھی اپنا گھر اجاڑنا پسند نہیں۔ بنابریں عورتوں کو ہر قت اپنا رویہ درست رکھنا چاہیے اور مرد کو اتنا

---

[1] مصنف ابن ابی شیبہ ،حدیث:18034

[2] فتح القدیر ،للشوکانی

پریشان نہیں کرنا چاہیے کہ معاملہ طلاق تک پہنچ جائے۔

اس کے لیے ضروری ہے کہ ان ہدایات پر عمل کیا جائے جو نیک عورت کے اوصاف کے ضمن میں (20,19 کے قریب) صفات اور ''عورت نئے گھر میں، نئے ماحول میں''۔ کے تحت ہم بیان کر آئے ہیں۔ علاوزہ ازیں عورت مرد کو اشتعال اور غصہ دلانے والی باتوں سے گریز کرے۔ اپنی زبان پر کنڑول رکھے، بالخصوص جب خاوند غصے میں ہو۔ بالعموم فساد زبان کی بے احتیاطی سے پیدا ہوتا اور بڑھتا ہے۔ اسی لیے اسلام نے زبان کی حفاظت پر بہت زور دیا ہے۔

اسی طرح جب خاوند عورت کے رویے سے تنگ آکر یہ کہتا ہے کہ میں تجھے طلاق دے دوں گا تو اکثر نادان عورتیں اپنی اصلاح کرنے کے بجائے، کہہ دیتی ہیں، اچھا طلاق دے دے اور خاوند اس کے جواب میں طلاق دے ڈالتا ہے، ظاہر بات ہے کہ یہ رویہ اپنے پیروں پر آپ ہی کلہاڑی مارنے والی بات ہے۔

بعض عورتیں اپنے خاوند کی ماں (اپنی ساس) یا اس کی بہنوں (نندوں) کی بابت خاوند کو یہاں تک کہہ دیتی ہیں کہ ماں کو (یا بہن) کو رکھ لے یا مجھے رکھ لے، ساس یا نندوں کے ساتھ گزارا کرنے کے بجائے ان سے اتنی شدید نفرت کا اظہار بھی اکثر و بیشتر طلاق پر منتج ہوتا ہے۔ایسے رویے سے بھی بچا جائے۔

عورت کو یاد رکھنا چاہیے کہ آسمان کے نیچے زمین پر خاوند اس کے لیے سائبان کی حیثیت رکھتا ہے، اس سے اگر وہ محروم ہوگئی تو عورت کی حیثیت ایک کٹی ہوئی پتنگ کی طرح ہے جس کو تند و تیز ہوائیں کسی ویرانے میں پھینک دیتی ہیں یا آوارہ لڑکوں کے ہاتھوں میں ریزہ ریزہ ہوجاتی ہے۔ یا پھر عورت بھائیوں کی دست نگر بن کر ذلت و خواری کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوتی ہے۔

عورت کا حقِ خلع اور اس کے مسائل

اللہ تعالیٰ نے جس طرح مرد کو حق طلاق دیا ہے، اسی طرح اگر بعض دفعہ عورت کو مرد سے گلوخلاصی حاصل کرنے کی ضرورت پیش آ جائے تو اللہ نے اس کو حقِ خلع عطا کیا ہے جس کے ذریعے سے وہ ناپسندیدہ یا ناکارہ خاوند سے نجات حاصل کر سکتی ہے۔

جیسے مثلاً: خاوند نامرد ہو، علاج معالجے سے بھی وہ صحیح نہ ہو۔ یا وہ نان نفقہ ادا کرنے پر قادر نہ ہو یا قادر ہو لیکن مہیا نہ کرتا ہو۔ یا بلا وجہ عورت پر ظلم و ستم کرتا یا مار پیٹ سے کام لیتا ہو۔ یا عورت اپنے بدشکل خاوند کو ناپسند کرتی ہو اور محسوس کرتی ہو کہ وہ اس کے ساتھ نباہ یا اس کے حقوقِ زوجیت ادا نہیں کر سکتی۔ یا وہ کسی خطرناک بیماری میں مبتلا ہو اور اس نے عورت کے ولی کو اس سے بے خبر رکھ کر شادی کر لی ہو، گویا دھوکے اور فریب سے کام لیا ہو، آگاہ ہونے پر عورت اس کے ساتھ رہنے کے لیے تیار نہ ہو۔

ان اور ان جیسی دیگر تمام صورتوں میں عورت خاوند کو یہ پیش کش کر کے کہ تو نے مجھے جو مہر یا ہدیہ وغیرہ دیا ہے، وہ میں تجھے واپس کر دیتی ہوں، تو مجھے طلاق دے دے۔ اگر خاوند اس پر رضامند ہو کر طلاق دے دے تو ٹھیک ہے، بصورت دیگر وہ عورت عدالت یا پنچایت کے ذریعے سے خاوند سے علیحدگی حاصل کر سکتی ہے۔ اس کو شرعی اصطلاح میں خلع

کہا جاتا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کا ذکر سورۃ البقرۃ آیت: 229 میں کیا ہے۔اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بعض عورتوں کی خواہش پر ان کو خلع کا حق دیا ہے، یعنی ان کو ان کے ناپسندیدہ خاوند سے، حق مہر کی واپسی کی شرط پر، خاوند سے طلاق دلوائی ہے ۔جیسے حدیث میں حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ کا واقعہ بیان ہوا ہے۔

ملاحظہ ہو،صحیح البخاری، کتاب الطلاق، باب الخلع وکیف الطلاق فیه، حدیث: 5273-5275

اس کی تفصیل، نیز عورت کن کن صورتوں میں شرعاً خلع حاصل کرنے کا حق رکھتی ہے، ہماری کتاب ''خواتین کے امتیازی مسائل''، ص:321-232 میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

تاہم جیسے کسی معقول وجہ کے بغیر مرد کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ طلاق کا حق استعمال کرے، اسی طرح عورت کے لیے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ وہ محض ذائقے کی تبدیلی کے لیے، معقول سبب کے بغیر، خلع کا مطالبہ کرے۔اگر کوئی عورت ایسا کرے گی تو اس کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی وعید بیان فرمائی ہے۔

آپ نے فرمایا:

«أَيُّمَا امْرَأَةٍ سَأَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا مِنْ غَيْرِ بَأْسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ»

''جس عورت نے بغیر کسی وجہ سے اپنے خاوند سے طلاق کا مطالبہ کیا تو اس پر جنت کی خوشبو بھی حرام ہے۔''[1]

[1] جامع الترمذی:کتاب الطلاق، باب ماجاء فی المختلعات،حدیث:1187

خلع کے چند ضروری مسائل

① خلع طلاق نہیں، فسخ نکاح ہے۔ اس لیے اس کی عدت صرف ایک حیض ہے، اس کی صراحت حدیث میں موجود ہے۔

«عدة المختلعة حيضة»

''خلع لینے والی عورت کی عدت ایک حیض ہے۔''[1]

یعنی ایک حیض کے بعد وہ اپنے ولی کی اجازت اور رضامندی سے دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔

② خلع طہر کی حالت میں یا حیض کی۔ دونوں حالتوں میں جائز ہے۔

③ خلع میں عورت کو حق مہر واپس کرنا ہوتا ہے۔ تاہم خاوند کا مہر یا ہدیے سے زیادہ کا مطالبہ کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر حق مہر واپس لینے کے بجائے معاف کردے تو جائز ہے۔

④ خلع میں خاوند کو عدت کے اندر رجوع کرنے کا حق حاصل نہیں ہے، البتہ عدت گزر جانے کے بعد باہم رضامندی سے دوبارہ باہم نکاح جائز ہے۔



[1] سنن ابی داؤد: کتاب الطلاق باب فی الخلع: حدیث: 2230

عورت کی عفت و پاکیزگی کا مفہوم

اسلام میں عورت کو جس عفاف و پاکیزگی کا مکلف ٹھہرایا گیا ہے، وہ اس کا زیور ہے بلکہ یوں کہیے کہ وہی اس کی فطرت نسوانی کا حسن اور نکھار ہے۔

یہ یاد رہے کہ ہمارے ہاں عفاف و عصمت کے یہی معنی نہیں ہیں کہ مصحف رخ پر ناپاک نگاہیں نہ پڑیں بلکہ اس سے زیادہ اس کا مفہوم ایک طرح کی ایجابیت لیے ہوئے ہے اور ایک مخصوص طرح کی سیرت و کردار کا مظہر ہے۔

عفاف کے معنی یہ ہیں کہ ایک عورت یہ سمجھتی ہے کہ محبت و تعلق خاطر کے تمام حقوق صرف ایک شخص کو حاصل ہیں اور وہ میرا شوہر ہے۔ صرف اس کی نظریں میرے جمال و زیبائش کا جائزہ لے سکتی ہیں اور اس کی محبت روح و قلب کی زندگی و بالیدگی کا باعث ہو سکتی ہے۔

اور آوارگی کے معنی صرف یہ نہیں کہ عورت بدکردار ہے بلکہ اس سے زیادہ اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ بدنصیب محبت و اخلاص کی اس دولت سے محروم ہے جو عائلی زندگی کی جان اور اساس ہے اور اگر معاشرہ اس بدکرداری کی حوصلہ افزائی کرتا ہے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ گھروں کو ان فطری سعادتوں سے اور اخلاص و تودد کی بے بہا نعمتوں سے محروم کر دینا چاہتا ہے اور یہی وہ نقطۂ زوال ہے کہ جو قومیں بھی محرومی و بدبختی کی اس منزل تک پہنچیں، پھر وہ ایسی مٹیں اور اس طرح ختم ہوئیں کہ دوبارہ نہیں ابھر سکیں۔

(الاعتصام 2 مارچ 1951ء از مولانا محمد حنیف ندوی مرحوم)

تحفظ نسواں بل۔نقد و تجزیہ اور متبادل حل

تحفظ نسواں بل 2016ء پنجاب کی صوبائی اسمبلی سے جب سے پاس ہوا ہے، اس کی مخالفت اور حمایت نہایت شدومد سے جاری ہے۔

مخالفت کرنے والے بلاتفریق مسلک ومشرب علمائے کرام اور تمام دینی جماعتیں ہیں، کسی بھی مذہبی مکتب فکر کی حمایت اس کو حاصل نہیں ہے۔

حمایت کرنے والے کون ہیں؟ ایک تو اس کے بنانے والے، اور وہ ہیں پنجاب کے وزیر اعلیٰ کے امن وامان سے متعلق خصوصی یونٹ، خواتین کے حقوق کے لئے کام کرنے والی تنظیمیں، انسانی حقوق کے کارکن اور پنجاب اسمبلی کی خواتین رکن۔ [1]

ان میں دیکھ لیجئے، ایک بھی عالم دین یا ایسی شخصیت نہیں ہے جسے علوم دینیہ میں مہارت یا کم از کم شناسائی ہی ہو۔

حمایت کرنے والوں کی دوسری قسم وزراء، ودیگر وابستگان حکومت اور ان اراکین اسمبلی پر مشتمل ہے جنہوں نے کچھ عرصہ قبل تعلیمی اداروں میں رقص وسرور کی محفلوں کے انعقاد کے خلاف پاس ہونے والے بل کی مخالفت کر کے اس کو ختم کروا دیا تھا اور ان

---

[1] روزنامہ نوائے وقت 21 مارچ 2016، مضمون شہزاد خالد

حیاباختہ پروگراموں اور بے ہودگیوں کو جاری رکھنے پر اصرار کیا اور اس ''حق'' کو تسلیم کروایا۔ اس سے ان اراکین کی اسلام سے وابستگی کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

تیسری قسم ان خواتین کی ہے جنھوں نے این ۔ جی اوز (غیر سرکاری تنظیمیں) قائم کر رکھی ہیں، جن کا مقصد ہی مسلمان عورت کو بے پردہ کر کے اور بے حیا بنا کر مردوں کے دوش بدوش کھڑا کرنا ہے تاکہ اسلامی معاشرہ اپنی اسلامی خصوصیات سے محروم ہو کر مغربی تہذیب کو اپنا لے۔

اسلامی معاشرے کی اصل خصوصیت کیا ہے؟ عورت تعلیم کے ساتھ ساتھ حیا وعفت کے جذبہ وتصور سے آراستہ ہو، اور اپنی فطری خصوصیات اور فطری مقاصد کے مطابق گھر کی چار دیواری کے اندر امور خانہ داری، خاوند کی خدمت واطاعت، بچوں کی دیکھ بھال اور ان کی تعلیم وتربیت وغیرہ سرانجام دے۔ یا پھر ان کے ساتھ جزوی طور پر ایسے کام کر لے جن میں مردوں کے ساتھ اختلاط نہ ہو، جیسے پرائمری اسکول میں ٹیچنگ، بطور لیڈی ڈاکٹر مریض عورتوں کا علاج وغیرہ۔

مغربی تہذیب کیا ہے جس کے فروغ کے لئے مذکورہ تنظیمیں سرگرم ہیں، اور جس کے لئے ان تنظیموں اور ان کے بانیوں کو مغرب کے استعماری اور اسلام دشمن ممالک یا تنظیموں کی طرف سے بھاری مقدار میں فنڈز مہیا کیے جاتے ہیں؟

وہ تہذیب یہ ہے کہ مرد اور عورت میں کوئی فرق نہیں۔ دونوں کو معاشی مشین کا کل پرزہ بننا چاہئے وہ گھر کی چار دیواری کو خیر باد کہہ کر ملوں، فیکٹریوں میں کام کرے، دفتروں میں کلر کی اختیار کرے یا افسروں کی بانہوں میں جھولے۔ راتوں کو کلبوں میں مردوں

کے ساتھ ڈانس کرے اور ہر وہ کام کرے جو اسلام میں اس کے لئے ناپسندیدہ ہے،لیکن مغربی تہذیب میں پسندیدہ ہے۔ جیسے بے پردگی ،نامحرم مردوں کے ساتھ بے باکانہ اختلاط،مردوں کے ساتھ دوستی اوران کے ساتھ سیر سپاٹا وغیرہ۔

یہ خواتین اس بل کی حمایت کیوں نہیں کریں گی۔ اس بل نے تو ان کی آرزؤں اور مقاصد کے ہفت خواں کو ایک ہی جست میں طے کرادیاہے۔اگرخدانخواستہ یہ بل واقعی نافذ ہوگیا تو پاکستان میں بھی مغرب کی طرح خاندانی نظام ٹوٹ پھوٹ کا شکاراور عورت یکسر غیر محفوظ ہوجائے گی۔اس مقصد کے حصول میں مغرب اپنی ایجنٹ خواتین کے ہزار جتن کے باوجود، ابھی تک خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں کرسکا تھا۔لیکن حکومت پنجاب مبارک بادکی مستحق ہے کہ اس نے جس طرح پہلی جماعت ہی سے انگریزی مسلط کرکے مغرب کے طوق غلامی کو ہر مسلمان بچے کے زیب گلو کردیا ہے۔اب مسلمان عورت کے لئے وہ نظام بھی تجویز کردیا ہے جس سے چند سالوں میں نہایت تیزی سے وہ خاندانی حصاراور تحفظ ،جو پاکستانی عورت کو بہت حد تک حاصل ہے، ختم ہوجائے گا اور پاکستانی عورت بھی مغرب کی طرح خاندانی حصار سے آزاد ،مرد کی بالادستی ،جو اس کی حفاظت کا ضامن ہے، سے محفوظ اور کٹی پتنگ کی طرح آوارہ منشوں اور ہوس کاروں کی مرکز نگاہ ہوگی۔لاقدرہ اللہ ،ثم لاقدرہ اللہ

اس بل کی حمایت کرنے والا چوتھا طبقہ، روزنامہ اخبارات کے ان کالم نگاروں پر مشتمل ہے جو ہر نئے پیش آمدہ مسئلے میں کالم نگاری ضروری سمجھتے ہیں چاہے وہ اس موضوع کی اہمیت،تقاضوں اوراس کی ضروری اہلیت سے کوئی بھی آگاہی نہ رکھتے ہوں۔ کچھ اور

نہیں تو وہ متعلقہ مسئلے سے آگاہی رکھنے والوں کو ہی طعن و تشنیع کا ہدف بنا کر سمجھتے ہیں کہ ہم نے کالم نویسی کا حق ادا کر دیا ہے، یا وہ سمجھتے ہیں کہ ہر مسئلے میں ٹانگ اڑانا، یعنی رائے زنی کرنا ہمارا بنیادی اور جمہوری حق ہے۔ اسی لئے وہ اظہار رائے کی آزادی کو جمہوریت کا لازمی حصہ سمجھتے اور باور کراتے ہیں۔ لیکن جوابِ آں غزل کے طور پر جب آگاہی رکھنے والے اہل علم و تحقیق تصویر کا دوسرا رخ پیش کرتے ہیں تو اس کو بالعموم اخبارات میں شائع نہیں کیا جاتا۔ ان کے نزدیک آزادیٔ صحافت یا آزادیٔ اظہار رائے صرف یہ ہے کہ خود ان کو لکھنے اور شائع کرنے کی اجازت ہو وہ جو چاہیں لکھیں اور شائع کریں۔ اگر وہ رات کو دن او دن کو رات باور کرائیں تو ان کا حق ہے جسے سلب کرنا جمہوریت کے خلاف ہے لیکن دوسرے کسی باخبر شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ یہ لکھے یہ رات کس طرح ہوسکتی ہے جب کہ سورج کی روشنی ہر سو پھیلی ہوئی ہے اور یہ دن کس طرح ہوسکتا ہے جب کہ تاریکی ہر طرف چھائی ہوئی ہے؟ یہ بھی جمہوریت ہے کیونکہ ان کے نزدیک جمہوریت یا آزادیٔ رائے کا حق صرف ان کے لئے مخصوص ہے۔ اس لئے کہ قسمت کی دیوی ان پر مہربان ہے اور وہ اخبارات کے مالک، یا ان کے مستقل تنخواہ دار کالم نگار، یا مشہور قلم کار ہیں!!

رہے اہل علم و تحقیق اور ارباب فکر و نظر، چونکہ بدقسمتی سے نہ وہ اخبارات کے مالک یا مدیر ہیں اور نہ اخبارات کے مستقل تنخواہ دار ملازم اور کالم نگار۔ وہ چاہے آسمان علم و تحقیق کے درخشندہ ستارے ہوں، بحر علوم دینیہ کے غواص اور ماہر ہوں، اصابت فکر و نظر کے حامل ہوں لیکن ان کا تحقیقی یا وضاحتی بیان ناقابل اشاعت قرار پائے گا، وہ سرد خانے کی

نذر ہوگا یا ردی کی ٹوکری اس کا مقدر ہوگی۔ مالکان و مدیران اخبارات کا یہ وہ ''جمہوری حق یا رویہ'' ہے جو سالہا سال سے راقم کے تجربہ و مشاہدہ کا حصہ ہے۔ یہ جگ بیتی ہی نہیں، آپ بیتی بھی ہے جس میں ایک فیصد بھی غلط بیانی نہیں۔

بہرحال بات ہو رہی تھی اس متنازعہ بلکہ مغربیت میں ڈوبے بل کی کہ اس کی حمایت میں جو چوتھا طبقہ سرگرم ہے وہ اخباری کالم نویسوں کا ہے یہ ظاہر ہے کہ یہ جرعۂ تلخ ان کے لئے کتنا بھی ناخوش گوار ہو، مگر حقیقت یہی ہے کہ مذکورہ تینوں حمایتوں کی طرح، یہ بھی قرآن و حدیث کے علوم سے بہرحال بہرہ ور نہیں ہے۔

دنیائے علم و تحقیق میں یہ بات مسلمہ ہے کہ سائنس، ریاضی، انجینئرنگ، طب و حکمت، معاشیات، سیاسیات، یا کسی بھی علم و فن میں کوئی کتاب یا مضمون لکھنے کا حق صرف اسی کو حاصل ہے جو اس علم یا فن کا ماہر ہو اور اس پر کامل عبور رکھتا ہو۔ اس کے بغیر کوئی شخص کسی بھی فن پر لکھنے کی جرأت نہیں کرتا اور اگر کوئی ایسی جسارت کرلے تو اسے کوئی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوگا بلکہ اسے دنیا احمق یا پاگل تصور کرے گی کہ ذات کی کوڑھ کرلی اور ....

لیکن دین اسلام، وہ دنیا کا مظلوم ترین دین ہے کہ اس کی ابجد سے بھی ناآشنا لوگ اس میں رائے زنی بلکہ اس میں ''اجتہاد'' کرنا نہ صرف اپنا حق سمجھتے ہیں بلکہ جن علماء نے علوم دینیہ کے سیکھنے سکھانے میں اپنی عمر صرف کی ہیں، ان کو دینی معاملات میں رائے دینے کا اہل نہیں سمجھا جاتا۔

﴿إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝﴾ (ص:۵)

دیکھ لیجئے! اس بل کا سارا تعلق خاندانی نظام سے ہے جس میں سب سے زیادہ اہم پہلو، میاں بیوی کا باہمی تعلق ہے۔اس کے بارے میں اسلام میں اتنی تفصیلی ہدایات ہیں کہ دنیا کے کسی نظام، مذہب یا نظریے میں نہیں ہیں۔لیکن یہ بل بناتے وقت اسلام کی ان روشن تعلیمات کو نہ صرف نظرانداز کیا گیا ہے بلکہ سارا بل قرآن وحدیث کی واضح تعلیمات کے خلاف ہے اور مغربی افکار کا چربہ یا اس کی بھونڈی نقل ہے۔اسی لئے کسی عالم دین سے قطعاً مشاورت کا اہتمام نہیں کیا گیا۔

اس کے بنانے یا بنوانے والے تو کہہ ہی رہے ہیں کہ یہ بل اسلام کے عین مطابق ہے اور ان کی تو یہ مجبوری ہے کہ انہوں نے تو یہ ساری کاوش کی ہے، ان کی طرف سے تو یہ دفاع صحیح ہے یا غلط؟ اس سے قطع نظر، سمجھ میں آنے والی بات ہے۔لیکن اخبارات کے کالم نگار بھی ماشاءاللہ، چشم بددور، مفتیان دین متین اور قرآن وحدیث کے سکالر بن گئے ہیں اور فتویٰ صادر فرما رہے ہیں کہ بل میں کوئی چیز خلاف اسلام نہیں ہے بلکہ وہ یہاں تک دعوے کر رہے ہیں کہ علماء یوں ہی شور مچا رہے ہیں لیکن وہ اس کی کوئی شق خلاف اسلام ثابت نہیں کر سکے۔

زیرنظر تحریر بل کے اداکاروں اور ہدایت کاروں کے علاوہ، جدید اسلام کے ان ''مفتیان کرام'' اور ''محققین عظام'' کی خدمت میں پیش ہے کیونکہ اس میں ان کے دعوؤں کے برعکس اس بل کو مکمل طور پر خلاف اسلام ثابت کیا گیا ہے جس سے ان کے چیلنج کا جواب بھی سامنے آجائے گا کہ علماء اس کو خلافِ اسلام ثابت نہیں کر سکے یا نہیں کر سکتے۔بعون الله وتوفيقه

بل کا جائزہ

بل حقیقی بنیادوں سے محروم اور چند مفروضوں پر مبنی ہے۔اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

بل کا آغاز ان الفاظ سے کیا گیا ہے:

''چونکہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا آئین اصناف کے مابین مساوات کی ضمانت دے کر ریاست کو خواتین کے تحفظ کے لئے خصوصی قانون وضع کرنے کا اختیار دیتا ہے لہذا ضروری ہو گیا ہے کہ خواتین کو گھریلو تشدد سمیت تشدد سے تحفظ فراہم کیا جائے....(بل کا اردو متن)

تبصرہ: ''اصناف کے مابین مساوات'' کے الفاظ آئین پاکستان کے آرٹیکل **25** کی ذیلی دفعہ **2** سے ماخوذ یا اس کا مفہوم ہے، آئین کے اصل الفاظ (اردو متن) حسب ذیل ہیں:

''جنس کی بنیاد پر کوئی امتیاز نہیں کیا جائے گا''

اس کا مطلب اگر یہ ہے کہ مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق ہی نہیں ہے۔ دونوں ایک ہی قسم کی صلاحیتیں لے کر دنیا میں آئے ہیں اور دونوں دنیا کا ہر کام کر سکتے ہیں۔تو یہ بداہتہً غلط ہے۔ گو مغرب کے نزدیک مساوات مرد وزن کا یہی مطلب ہے اور مغرب زدگان بھی اس غیر عقلی اور غیر فطری نظریے پر ایمان بالغیب رکھتے ہیں ،لیکن اسلام اس مساوات مرد وزن کو تسلیم نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کے درمیان فرق کیا ہے، ان کے مقصد تخلیق میں بھی اور دائرۂ کار میں بھی، اور اسی اعتبار سے دونوں کو صلاحیتیں بھی ایک دوسرے سے مختلف عطا کی ہیں۔اس کی تفصیل زیرِ نظر تحریر کے علاوہ راقم کی کتاب ''خواتین کے امتیازی مسائل''، میں دیکھی جا سکتی ہے۔

اور اگر اس دفعہ کا مطلب یہ ہے کہ مرد اور عورت، اگرچہ دو جنس ہیں، لیکن اس بنیاد پر

کسی کے ساتھ امتیاز نہیں کیا جائے گا کہ دونوں کے حقوق کا تحفظ اور دونوں کی فلاح و بہبود کے لئے ضروری قانون سازی کی جائے گی۔تو یہ مطلب بالکل صحیح ہے اور اسلام سے متصادم نہیں، جب کہ پہلا مطلب اسلام سے یکسر متصادم ہے۔

اس دوسرے مفہوم کی رُو سے عورت پر ظلم وتشدد کی جو جو صورتیں بھی ہمارے معاشرے میں موجود ہیں ان کا سد باب نہایت ضروری اور حکومت کی ذمے داری ہے۔ اس ذمے داری کی ادائیگی میں موجودہ قوانین اگر ناکافی ہیں تو نئے قوانین بنانا اور مناسب تدابیر اختیار کرنا بھی نہایت ضروری بلکہ ناگزیر ہے۔ کیونکہ یہ نہ اسلام کے خلاف ہے اور نہ علماء اس میں مزاحم یا اس کے مخالف ہیں۔اسلام عورت کو ہر قسم کا تحفظ دیتا ہے بلکہ اسلام ہی عورت کو تحفظ دیتا ہے،علماء اس کے مخالف کس طرح ہو سکتے ہیں؟ ایں خیال است ومحال است وجنوں.

لیکن اصل بات یہ ہے کہ حکومت کے جن ذمے داران یا ان کے پس پردہ دیگر حضرات وخواتین نے آئین کی مذکورہ شق یا دفعہ کا مطلب یہ نہیں سمجھا اور اس کو صرف اپنی مطلب برآری کے لئے استعمال کیا ہے۔ اس کو ایک مثال سے اس طرح سمجھا جا سکتا ہے کہ ملک میں آجر اور اجیر (محنت کش اور مالک) دو فریق ہیں، ملک کی ساری آبادی انہی دو فریقوں پر مشتمل ہے۔ ریاست کی ذمے داری ہے کہ دونوں فریقوں کے حقوق کا تحفظ کرے اور ایسے قوانین بنائے کہ نہ محنت کش مالک پر ظلم کر سکے اور نہ مالک مزدوروں کے ساتھ ظلم وزیادتی کا معاملہ کر سکے۔

اب اگر مالکان مزدوروں کے حقوق کا خیال نہیں رکھتے ،ان کے ساتھ ظلم وزیادتی کا

معاملہ کرتے ہوں، جس کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں اور ہیں جن کو ہر باشعور شخص سمجھتا ہے۔

ریاست کی یقیناً ذمے داری ہے کہ وہ مزدوروں (محنت کشوں، ملازموں) کے حقوق کا تحفظ کرے اور ایسی قانون سازی کرے کہ مظلومین کی دادرسی ہوسکے، ان کے حقوق کو کوئی پامال نہ کرسکے اور ان پر کسی قسم کی زیادتی نہ کی جاسکے۔لیکن حکومت مزدوروں کے تحفظ کے لیے ایسے قوانین بنائے جن میں مالکان کے حقوق کو نظر انداز کردیا جائے تو کیا یہ قانون سازی معقول کہلائے گی؟ یا ایسے قوانین سے مزدوروں کے حقوق کا تحفظ ممکن ہوگا؟ یا اس کو اسلام کے مطابق قرار دیا جاسکے گا؟ نہیں، یقیناً نہیں۔ نہ ایسی قانون سازی میں کوئی معقولیت ہوگی، نہ اس سے مزدوروں کے حقوق کا تحفظ ہی ہوگا اور نہ اسے اسلام کے مطابق ہی کہا جاسکتا ہے۔

اس کی وجہ یہ نہیں کہ اسلام مزدوروں پر ظلم کو جائز قرار دیتا ہے، یا اسلام میں مزدوروں کے حقوق کی وضاحت اور ان کے اہتمام کی تاکید نہیں ہے، یا ان کی بابت اسلامی ریاست کو ذمے دار قرار نہیں دیتا۔ بلکہ اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات میں نہایت اعتدال اور توازن ہے، وہ اللہ کا بنایا ہوا نظام ہے اور اس میں تمام طبقات کے حقوق کا تحفظ کیا گیا ہے۔اگر اس میں مزدوروں کی بابت نہایت اعلیٰ تعلیمات دی گئی ہیں جن کا خیال رکھنا مالکوں کے لئے ضروری ہے تو دوسری طرف مالکوں کی بابت بھی احکام دیے گئے ہیں جن کو ملحوظ رکھنا مزدوروں اور ملازمین کے لئے ضروری ہے۔ جب تک دونوں کے حقوق کا تعین اور ان کا تحفظ یکساں طور پر نہیں کیا جائے گا، کسی بھی ملک کا نظام چل ہی نہیں سکتا۔

اس لئے علماء کہتے ہیں کہ یک طرفہ قانون سازی (ون وے ٹریفک) اسلام کے خلاف ہے، کیوں؟ اس لئے کہ کوئی ریاست اگر صرف مزدوروں کے حقوق کے تحفظ کے لئے ایسے قانون بنائے جن میں دوسرے فریق (مالکان) کے حقوق نظرانداز کردے، تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ملک کی تمام فیکٹریاں، کارخانے، ملیں، مارکیٹیں بند ہوجائیں گی۔ اور جن کے تحفظ کے لئے یک طرفہ قانون بنائے گئے ہوں گے، وہ سب بے روزگار ہوجائیں گے اوران کو کھانے کے لالے پڑ جائیں گے۔ ملوں، کارخانوں کے مالک تو کارخانے بند کرنے کے بعد بھی ضروریات زندگی فراہم کرنے کی پوزیشن میں رہیں گے لیکن مزدوروں کے پاس کون سا اندوختہ ہوتا ہے کہ وہ مزدوری اور ملازمت کے بغیر اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پال سکیں، علاوہ ازیں صنعت کا پہیہ جام ہوجانے سے خود حکومت کو جو ٹیکسوں سے محرومی ہوگی، اس کے بعد نظام حکومت کس طرح چل سکے گا؟

ایک ہی فریق کے حقوق کے تحفظ کی یہ یک طرفہ کاروائی کتنی بھیانک اور خطرناک ہے، جس سے اللہ کی ہزار بار پناہ۔ مزدور بھی صدائے احتجاج بلند کرنے پر مجبور ہوں گے کہ یہ کیا ہمارے حقوق کا تحفظ ہے کہ ہم بے روزگار ہوگئے اور دو وقت کی روٹی کھانی بھی مشکل ہوگئی ہے۔؟!

اس لئے ریاست کی ذمے داری صرف کسی ایک فریق کے حقوق کا تحفظ نہیں ہے بلکہ اس سے متعلقہ دوسرے فریق کے حقوق کا تحفظ بھی ہے۔ اگر ایک فریق دوسرے فریق پر ظلم کرتا ہے تو بلاشبہ ریاست کی ذمے داری ہے کہ وہ مظلوم کی دادرسی کرے اور ایسے قانون بنائے کہ ظلم کا راستہ بند ہوجائے۔ لیکن اس میں قطعاً نہ کوئی معقولیت ہے اور نہ اس

کا حق ہے کہ ایک فریق کے تحفظ کے لئے ایسی قانون سازی کرے کہ دوسرے فریق کے حقوق اس سے متأثر ہوں۔

تحفظ نسواں بل میں پہلی خرابی یا مفروضہ یہ ہے کہ پاکستان میں صرف عورتوں پر ظلم ہوتا ہے اور اس کے ذمے دار مرد ہیں۔اس لئے عورتوں کے حقوق کا تحفظ ضروری ہے۔

اوّل تو یہ صرف مفروضہ اور پروپیگنڈہ ہے کہ ہر صورت میں عورت مظلوم اور مرد ظالم ہے۔حالانکہ ہمارے معاشرے میں جہالت اور اسلامی تعلیمات سے بے خبری عام ہے، جس کی وجہ اگر کبھی مرد عورت پر ظلم کرتا ہے، تو عورت بھی کم وبیش کے کچھ فرق کے ساتھ اس معاملے میں مرد سے پیچھے نہیں ہے، وہ بھی مختلف انداز سے مرد پر ظلم کرتی ہے۔فرق صرف یہ ہے کہ عورت میں صبر اور حوصلے کی ۔مرد کے مقابلے میں۔کمی ہے (عورت مانے یا نہ مانے، یہ چیز فطری ہے) اگر اس پر ظلم ہوتا ہے وہ وایلا کرتی ہے اور مغربی فنڈز پر پلنے والی این جی اوز بھی اس کو۔نمک حلالی کے طور پر۔خوب اچھالتی ہیں۔جب کہ مرد کے اندر عزم وحوصلہ زیادہ ہے، وہ عورت کی طرف سے کی گئی زیادتی کو بالعموم نظر انداز کر دیتا ہے جیسا کہ اس کو کرنا ہی چاہئے کہ اسلام کی تعلیم بھی یہی ہے اور اس کی قوامیت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس کے بغیر گھر کا نظام چل ہی نہیں سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں **90** فی صد گھرانوں میں چھوٹے موٹے تنازعات کے باوجود عورت امن وسکون کی زندگی گزار رہی ہے اور اس کو ان مسائل کا قطعاً سامنا نہیں کرنا پڑتا جن کے لئے بل کی صورت میں پاپڑ بیلے گئے ہیں۔صرف **10** فی صد گھرانے بمشکل ایسے ہوں گے جہاں ایک دوسرے پر ظلم کیا جاتا ہے جو کبھی عورت کی طرف سے ہوتا ہے

اور کبھی مرد کی طرف سے اور کبھی اس میں دونوں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ان صورتوں میں صرف مرد ہی کو ظالم تصور کر کے قانون سازی کرنا۔اور وہ بھی یکطرفہ۔قطعاً غیر معقول ہے۔

ہماری بات پر یقین نہ آئے تو ایک کونسلر اور ماہر نفسیات لیڈی ڈاکٹر کے مشاہدات ملاحظہ فرمالیں:ان کا نام فوزیہ سعید ہے وہ ایک مضمون بعنوان:''کیا صرف مرد ذمے دار ہے؟تصویر کا دوسرا رخ۔''میں لکھتی ہیں:

''**8** مارچ خواتین کا عالمی دن پوری دنیا میں منایا جاتا ہے جس میں خواتین کو خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے، جگہ جگہ سیمینار کیے جاتے ہیں وہاں مردوں کے ظلم کی داستانیں اس طرح بڑھا چڑھا کر بیان کی جاتی ہیں کہ کچھ لوگ رونے لگتے ہیں۔**2015**ء کو میں نے کافی ورلڈ ویمن ڈے اٹینڈ کیے تمام کا فوکس مردوں کے ظلم،عورتوں کو جلائے جانے کے واقعات،عورتوں پر پھینکے گئے تیزاب یا تعلیمی میدان میں آگے نہ بڑھنے دینے یا وقت سے پہلے شادی کر کے ان کے حقوق غصب کرنے یا عمر گزر جانے پر بھی شادی نہ ہونے جائیداد میں ان کے حقوق پامال کرنے کو نمایاں طور پر بیان کیا گیا۔بطور ماہر نفسیات میں نے نہایت ہی سوچ بچار کے بعد یہ تجزیہ کیا کہ **80** فی صد واقعات میں عورتوں کا اپنا قصور ہوتا ہے،میں ایک کونسلر ہوں، میں نے دیکھا ہے ہر ظلم کے پیچھے اکیلا مرد ذمے دار نہیں، اس کے ساتھ کوئی نہ کوئی عورت بھی برابر کی شریک ہوتی ہے، بلکہ آپ بلا تعصب جائزہ لیں تو جو مرد ظلم کرتا ہے اس کے پیچھے کسی نہ کسی عورت کا ہاتھ ہوتا ہے۔وہ عورت اس کی ماں بھی ہوسکتی ہے،بہن بھی، بھابھی بھی، یا جدید دور کی نیو رشتے دار گرل فرینڈ بھی ہوسکتی ہے۔

پھر الزام مرد پر ہی کیوں؟

اگر آپ بلا تعصب تحقیق کریں تو معلوم ہوگا بے شمار NGOS اس پر کام کر رہی ہیں اور مردوں کے ساتھ کئے گئے ظلم پر کوئی ایک یا دو NGOS ہیں۔عورتوں پر ظلم کی بات کو اچھالا جاتا ہے مگر اس کا کوئی حل یا جڑ سے ختم نہیں کیا جاتا، جڑ میں اصل مجرم کوئی نہ کوئی عورت کسی نہ کسی روپ میں بیٹھی اپنے بیٹے، بھائی، دیور، خاوند کو بہکا رہی ہوتی ہے۔

عورت پر ظلم کیا جاتا ہے، میں اتفاق کرتی ہوں، مردوں کی سوسائٹی ہے۔مگر مردوں کو پالنے اور پروان چڑھانے والی اور شیر کا جگر دینے والی عورت ہی ہوتی ہے۔مردوں کو دوسری شادی پر اکسانے والی بھی کوئی نہ کوئی عورت ہی ہوتی ہے جو اپنے بھائی یا بیٹے کو کہتی ہے، بیوی کو آگ لگا دو ،تیزاب پھینک دو،طلاق دے دو، ہم تمہارے لئے نئی بیوی لے کر آئیں گے۔کسی طرح کوئی گرل فرینڈ یہ جانتے ہوئے کہ مرد شادی شدہ ہے، بچوں کا باپ ہے،اس کے پیچھے لگ جاتی ہے اور کسی عورت کا گھر تباہ کر دیتی ہے اور بدنام مرد ہوتا ہے۔ہاں یہ ضروری ہے کہ مرد کو اپنی عقل سے سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا چاہیئے ،نپولین بوناپارٹ نے کہا تھا:''مجھے اچھی مائیں دو میں تمہیں اچھی قوم دوں گا۔'' گویا ذمے داری عورت پر آن پڑی ہے کہ اچھے مردوں کو جنم دینے والی عورت ہی ہے، ذمے داری ماں پر آگئی ہے کہ وہ اپنے بچے کو کیسے پروان چڑھاتی ہے اور اسے دوسری عورت کے حقوق ادا کرنے کی تعلیم دیتی ہے یا عورت کے حقوق غصب کرنے پر اکساتی ہے،عورت کا دل اس کے دماغ پر حکومت کرتا ہے، اس کو کمزور کہنا اس کی توہین ہے۔آؤ اس دن عہد کریں کہ ہم اپنی حفاظت کا ذمہ خود لیں گے

ایسے رہا کرو کہ کریں لوگ آرزو

ایسا چلن چلو، زمانہ مثال دے [1]

یہ ایک پڑھی لکھی، تجربہ کار، ماہر نفسیات اور کونسلر خاتون کا ان لوگوں کے مونہوں پر ایک زناٹے دار طمانچہ ہے جو کہتے ہیں کہ ظلم صرف مرد ہی کی طرف سے ہوتا ہے، اور سنیئے صرف ایک ہی دن کے دو واقعات، جو اخبار میں رپورٹ ہوئے، دونوں میں ظالم مرد نہیں، عورت ہے۔

- میاں بیوی فوزیہ اور اکرام شاہد کا خرچہ نہ دینے پر گھر میں جھگڑا ہوا جس کے بعد فوزیہ بی بی نے اپنے بھائی کو بلایا اور دونوں بہن بھائیوں نے مل کر کلہاڑی مار کر 35 سالہ شوہر کو شدید زخمی کر دیا جسے زخمی حالت میں ہسپتال میں داخل کرا دیا گیا (یہ گوجرانوالہ کا واقعہ ہے) [2]
- اسی تاریخ کا دوسرا واقعہ عورت کے ظلم اور سنگ دلی کا یہ نقل ہوا ہے کہ بچوں کی آپس کی لڑائی میں شفقت بی بی نے دو سالہ بچے محمد حسنین کا گلا دبا کر اسے قتل کر دیا۔ (یہ سرگودھا کا واقعہ ہے) [3]
- ایک اور خبر ملاحظہ ہو، بے اولاد خاتون نے سوتن کا سوا ماہ کا بیٹا زمین پر پٹخ کر مار ڈالا۔ [4]

---

[1] روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور خواتین ایڈیشن، 21 مارچ 2016

[2] روزنامہ آواز، ص:2، 12 پریل 2016

[3] روزنامہ ''آواز'' محولہ صفحہ اور تاریخ

[4] روزنامہ ایکسپریس، ص:10، 14 پریل 2016

- دو ماہ کی نئی دلہن نے اپنی شوہر کو خنجر کے وار کر کے قتل کر دیا۔ قتل کا یہ واقعہ 5/59 ایل میں پیش آیا۔ عابدہ پروین نے اپنے دیگر دو ساتھیوں کے ہمراہ خنجر کے وار کر کے اپنے شوہر امانت کو قتل کر دیا۔[1]
- مانگا منڈی کے علاقے سے چند روز قبل ملنے والی لاش کا معمہ حل ہو گیا۔ مقتول کو اس کی بیوی (فرزانہ) نے اپنے آشنا (جمال اور اس کے ساتھی) سے مل کر قتل کیا اور لاش کھیتوں میں پھینک دی۔ دو ہفتے کی تفتیش سے یہ بات واضح ہوئی۔[2]
- سٹلائٹ ٹاؤن بورے والا میں دو ماہ کی نو بیاہتا دلہن نے اپنے مبینہ آشنا سے مل کر خاوند گلا گھونٹ کر قتل کر دیا اور مرگ اتفاقیہ کا ڈرامار چا کر سسرال نے تدفین کر دی۔ گرفتاری کے بعد ملزمہ (بیوی) نے دوران تفتیش اعتراف جرم کر لیا۔ مقتول بوڑھی ماں کا واحد کفیل تھا‘‘۔[3]

اس تفصیل سے یہ واضح ہے کہ زیر بحث بل کا پہلا سبب ہی حقائق پر مبنی نہیں کہ عورتوں پر تشدد ہوتا ہے بلکہ مفروضے پر قائم ہے۔ جب کہ حقیقت یہ کہ ظلم دونوں ہی طرف سے ہوتا ہے۔ ریاست کی ذمے داری ہے کہ وہ ظلم وتشدد کا سد باب کرے۔ کسی ایک ہی

---

[1] روزنامہ ’’آواز‘‘ لاہور 7 مئی 2016، ص:8۔

[2] روزنامہ ’’جنگ‘‘ لاہور 8 مئی 2016، ص:4

[3] روزنامہ ’’جنگ‘‘ لاہور 8 مئی 2016ء ص:4

فریق کو ظالم باور کر کے یا کرا کے یک طرفہ قانون سازی بجائے۔خود ایک ظلم ہے جو آئین پاکستان کے بھی خلاف ہے، اسلام کے بھی خلاف ہے اور عدل وانصاف کی مسلمہ روایات کے بھی خلاف ہے۔عدل، آئین اور اسلام کا تقاضا تو یہ ہے کہ جو واقعی ظالم ہیں، ان کو کٹہرے میں کھڑا کیا جائے نہ کہ اپنے طور پر کسی ایک فریق یا جنس کو ظالم فرض کر کے اس کے خلاف قانون سازی کی جائے۔

ہمارے ملک میں کون سا طبقہ ایسا ہے جو ظلم وتشدد سے محفوظ ہے؟ عورتیں تو بالعموم پھر بھی گھروں میں رہتی ہیں، سارے بیرونی کام مرد ہی کرتے ہیں۔لیکن ہمارے ملک میں مردوں کو قدم قدم پر ظلم کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔جتنے بھی سرکاری ادارے ہیں جن سے رات دن عوام کو اسطہ پڑتا ہے، بجلی، سوئی گیس، ایل ڈی اے، واسا، انکم ٹیکس، پراپرٹی ٹیکس، کچہری، پٹوارخانہ، عدالتیں (سول، فیملی، دیوانی، فوجداری، حتی کہ ہائی کورٹس وغیرہ) سیکرٹریٹ میں سرکاری ادارے، پاسپورٹ آفس، نادرا آفس اور دیگر اس قسم کے دیگر ادارے اور سرکاری دفاتر جہاں عوام کو اپنے مسائل ومشکلات کے حل کے لئے سرکاری اہل کاروں سے واسطہ پڑتا ہے۔ان اداروں کے چھوٹے بڑے افسران واہل کاران کی منصبی ذمے داری ہے کہ وہ پوری دیانت داری سے عوام سے تعاون کریں اور متعلقہ کام کر کے دیں، عوام کے خون پسینے کی کمائی ہی سے ان کو تنخواہیں اور دیگر مراعات دی جاتی ہیں۔لیکن ہر چھوٹا بڑا افسر اور اہل کار فرعون بن کر بیٹھا ہوا ہے اور کسی بھی دفتر میں عوام کی

شنوائی نہیں ہوتی۔شنوائی اگر ہوتی ہے تو اس رشوت کی جس کو ''فضل ربی'' کا نام دیا ہوا ہے۔(نعوذباللہ من ذلک)

جب تک اس لقمۂ حرام سے ان کی مُٹھّی گرم نہیں کی جاتی، ان سے متعلقہ کام کروانے کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ان تمام سرکاری اداروں میں مردوں کو اپنے ہی ان ''خادموں'' کے ہاتھوں جس ذلت ورسوائی اور ظلم کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور عوام کے یہ ''خادم'' جس طرح ایک ایک مرحلے پر مردوں کی عزت نفس کو مجروح کرتے ہیں، وہ محتاج وضاحت نہیں ہے۔ یہ تو مردوں کا حوصلہ ہے کہ وہ ظلم وتشدد کی ان صورتوں کو برداشت کر رہے ہیں کیونکہ وہ ان ظالموں کے سامنے بے بس ہیں اور حکومت بے حس ہے، ورنہ ان کی چیرہ دستیاں تو اتنی عام ہیں کہ خود کشی کرنے کو جی چاہتا ہے۔

کیا حکومت کو مردوں کی یہ ذلت ورسوائی نظر نہیں آتی؟ سرکاری اہل کاروں کا یہ ظلم وتشدد اس کے علم میں نہیں ہے؟ کیا ریاست کی یہ ذمے داری نہیں ہے کہ وہ مردوں کے ان حقوق کا تحفظ کرے جن کو تمام سرکاری اداروں میں بیٹھے ہوئے فراعنہ نہایت بے دردی سے پامال کرتے ہیں؟

عورتوں پر ظلم وتشدد کی صورتیں تو قطعاً اتنی عام نہیں ہیں جتنا پروپیگنڈہ کے ذریعے سے باور کرایا جا رہا ہے لیکن اس کے سد باب کے لئے تو حکومت کی ''پھرتیاں'' ایک نا قابل فہم معمہ ہے، ہاں ایک پہلو قابل فہم ہے کہ یہ مغربی ایجنڈا ہے۔لیکن ملک سے رشوت کا خاتمہ ہو، کرپشن کا انسداد ہو، عوام کے مسائل کے حل کے لئے کوئی آسان میکنزم تیار ہو، سرکاری اہل کاروں کی لوٹ کھسوٹ کا خاتمہ ہو جس نے عوام کی زندگی اجیرن بنا رکھی ہے۔مغرب کو

چونکہ اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اس لئے مردوں کی عزت نفس کا یہ مسئلہ، جو حکومت کی ترجیحات میں سرفہرست ہونا چاہیئے، حکومت مردوں کے اس اہم ترین مسئلے سے یکسر غافل ہے۔ایں چہ بوالعجبی است

علاوہ ازیں کیا یہ ''صنفی امتیاز'' نہیں جس کی نفی آئین پاکستان میں کی گئی ہے کہ عورتوں کے مفروضہ ظلم وتشدد کے خلاف تو قانون سازی؟ لیکن مرد موجودہ نظام میں واقعۃً اور حقیقۃً گوڈے گوڈے ظلم وتشدد میں ڈوبے ہوئے ہیں لیکن ان کی دادرسی کا اوران کو ظلم سے بچانے کا کوئی اہتمام نہیں۔

﴿تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى﴾ [النجم:22]

دوسرا مفروضہ: بل میں دوسرا مفروضہ یہ کارفرما ہے کہ عورتوں پر ناجائز تشدد ہوتا ہے۔ پھر اس تشدد کی بھی مغربیت کی نقالی میں کئی صورتیں بیان کی گئی ہیں جس کی تفصیل ممکن ہوا تو ہم ان شاء اللہ آگے چل کر بیان کریں گے۔

اول تو جسمانی تشدد کا مسئلہ بھی ایسا ہے کہ اسے مغربی ذہن نے، جو اس بل کی ایک ایک شق میں کارفرما ہے، ہوا بنا کر پیش کیا ہے اور مسلسل اس کا پروپیگنڈہ کیا ہے اور کر رہا ہے۔حالانکہ یہ مسئلہ اس طرح نہیں ہے جس طرح پیش کیا جا رہا ہے۔ بلکہ اس کا تعلق اصل میں حاکمیت اور قوّامیت سے ہے جو گھر کا نظام چلانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مرد کو عطا کی ہے۔اگر گھر کا نظام چلانے میں مرد اور عورت دونوں کو یکساں اختیارات دیے جاتے ہیں تو کبھی بھی گھر کا نظام خوش اسلوبی کے ساتھ نہیں چل سکتا تھا۔جیسے کسی مملکت میں ایک کے بجائے دو سربراہ (چیف ایگزیکٹو) ہوں۔تو اس مملکت کا نظام نہیں چل سکتا۔لازم ہے کہ

چیف ایگزیکٹو ایک ہی ہو، اس کی بالا دستی کو چیلنج نہ کیا جا سکتا ہو، باقی عہدے دار (گورنر، وزراء اور دیگر افسران اعلیٰ) سب اس کے ماتحت ہوں۔ یہی اختیارات کی مرکزیت نظام کائنات میں بھی، جب سے یہ کائنات معرض وجود میں آئی ہے، کارفرما ہے جس کی وجہ سے اتنی وسیع و عریض کائنات بغیر کسی ادنی خلل کے چل رہی ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا، بلکہ تدبیر کائنات میں کسی اور کی بھی شرکت ہوتی تو سارا نظام درہم برہم ہو جاتا۔

﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَآ ءَالِهَةٌ إِلَّا ٱللَّهُ لَفَسَدَتَا﴾ [الانبیاء :22]

''اگر آسمان وزمین میں کئی معبود ہوتے تو یہ سارا نظام درہم برہم ہو جاتا''

مرد اور عورت کو بنانے والا صرف اللہ ہے اور وہی ان کی فطرت، جذبات، میلانات کو جاننے اور سمجھنے والا ہے۔ جیسے کسی مشین کو موجد ہی سمجھتا ہے کہ وہ کس طرح صحیح طریقے سے کام کرے گی، اس کو کسی اور طریقے سے چلایا جائے گا تو وہ کبھی کامیابی سے نہیں چل سکے گی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کو دو الگ الگ جنسوں کے طور پر پیدا فرمایا ہے۔ اور وہی جانتا ہے کہ ان دو جنسوں کا جب ملاپ ہوگا تو زندگی کا یہ ملاپ کس طرح کامیاب رہے گا اور انسانی زندگی کی یہ دو پہیوں والی گاڑی شاہراہ زندگی میں کس طرح اپنا سفر زندگی صحیح طریقے سے طے کر سکے گی اس کے لئے اس نے دونوں کے حقوق وفرائض بھی طے کر دیے اور تاکید کر دی کہ دونوں اپنے اپنے فرائض ادا کریں تاکہ دونوں کے حقوق ادا ہو جائیں۔ ان احکامات کی پابندی کی صورت میں دونوں کی زندگی نہایت خوش گوار ماحول میں گزرتی ہے۔ لیکن اگر عورت کی طرف سے نشوز کا اظہار ہو۔ جس کا مطلب ہے کہ مرد کی حاکمیت و بالا دستی کو وہ چیلنج کرے اور خود بالا دست بننے کی کوشش کرے تو یہ

فطرت اور احکام الٰہی کے خلاف ہے، اس سے یقیناً گھر کا نظام خلل اور فساد کا شکار ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے اس صورت میں بطور علاج تین تدبیر اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

(1) عورت کو وعظ و نصیحت کے ذریعے سے سمجھایا جائے۔ (یہ کارگر نہ ہو تو)

(2) ان سے گھر کے اندر بستر الگ کرلو (اس سے بھی وہ نہ سمجھے تو)

(3) تو ان کی سرزنش کرو (ہلکی سے مار سے ان کو راہ راست پر لاؤ) (النساء:35)

﴿واضربوھن﴾ (مارو) یہ اللہ کا حکم ہے۔ کسی مفسر، عالم یا فقیہ کا اجتہاد یا توضیح نہیں صاف اور واضح حکم ہے۔ لیکن اس کا مطلب تشدد یا ظلم ہرگز نہیں، نہ اس کی اجازت ہی ہے یہ اصلاح کے لئے ایک تادیبی حکم ہے اور تادیب و تنبیہ کا حق ہر سربراہ کو حاصل ہوتا ہے۔ لیکن اس تادیبی حکم کا تعلق چونکہ میاں بیوی سے ہے جن کے درمیان فرمان رسول کی رُو سے ایسی مثالی محبت ہوتی ہے جس کی کوئی نظیر نہیں۔ اس لئے حامل قرآن اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ضرب (سرزنش) کی وضاحت فرمادی کہ یہ غیر مبرح ہو، یعنی ایسی مار کہ جس سے اس کو نہ ایذاء پہنچے اور نہ کوئی زخم ہو۔ اسی طرح چہرے سے اجتناب کیا جائے۔ علاوہ ازیں اس کی مزید حوصلہ شکنی کرتے ہوئے فرمایا کہ تادیب کے طور پر بھی ایسا کرنے والے بہتر لوگ نہیں ہیں۔ مزید فرمایا کہ یہ کون سی دانش مندی ہے کہ صبح کو مارے اور رات کو پھر اس کی آغوش محبت میں پناہ لے۔

چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ شاید ہی چند فی صد گھرانے ایسے ہوں گے کہ جہاں عورت کو اس قسم کی سرزنش سے واسطہ پڑتا ہو۔ ورنہ الحمدللہ بیشتر گھرانوں میں اس کی نوبت نہیں آتی اور جہاں کہیں بھی اس کی نوبت آتی ہے تو اکثر و بیشتر اس کی وجہ عورت ہی کی بدزبانی، بداخلاقی یا نافرمانی ہوتی ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ کے اس تادیبی حکم اور اجازت کو ظلم

وتشدد سے تعبیر کرنا ہر لحاظ سے غلط بھی ہے اور خلاف واقعہ بھی۔ یہ وہ تشدد ہر گز نہیں جس کے لئے اتنی لمبی چوڑی قانون سازی کی گئی ہے یہ بلا جواز اور حکم قرآنی کے یکسر خلاف ہے۔

3۔ اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے باہمی تعلق، ان کے مابین محبت وقربت اور ان کی پرائیویسی کو ﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ [البقرۃ:187] کے نہایت بلیغ الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے کہ ''وہ عورتیں تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے لباس ہو'' اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ خانگی معاملات اور باہمی تنازعات، یہ ایسے معاملات نہیں ہیں کہ ان میں سوائے ناگزیر حالات کے کسی اور کو دخل دینے کی ضرورت ہو۔ وہ لباس کی طرح ایک دوسرے سے جڑے ہوئے، دوسرے تمام لوگوں سے بے نیاز ہیں۔

ان خانگی معاملات کو، جرائم بنا کر، پولیس کو ان میں مداخلت کا حق دینا، یا عورت کو یہ اختیار دینا کہ وہ فون کر کے مرد کو حوالۂ پولیس کر دے۔ یہ قرآن کے مذکورہ پرائیویسی کے حکم کے بھی خلاف ہے اور یہ ایسی غیر دانش مندانہ تدبیر ہے کہ جو عورت بھی ایسا کرے گی وہ اپنے پیروں پر ہی کلہاڑی مارے گی۔ جب کوئی عورت مرد کی بالادستی کو چیلنج کرے گی تو کوئی بھی مسلمان مرد اتنا بے غیرت نہیں ہے وہ اس بے غیرتی کو برداشت کر لے۔ یہ صورت حال ایسی ہے جہاں بھی عورت کی حفاظت کے ٹھیکے داراں اور ٹھیکے دارنیوں کی طرف سے بنائے ہوئے اس قانون کو کوئی عورت اختیار کرے گی تو مرد آخر مرد ہے، وہ گھر کا مالک ہے، عورت کا کفیل ہے، وہ اللہ کا بنایا ہوا گھر کا سربراہ ہے۔ وہ اس بے غیرتی اور بے بسی ولاچارگی کو کب برداشت کرے گا، وہ کڑا پہننے کے بجائے اپنا یہ لباس ہی اتار پھینکے گا، یعنی عورت ہی کو طلاق دے کر فارغ کر دے گا یعنی جب ان کو مُحب اور محبوب کے رشتے سے جدا کر کے ایک دوسرے کا دشمن قرار دے کر قانون ایک ہاتھ میں ہتھیار

دے کر دوسرے پر حملہ آور ہونے کا اختیار دے گا تو دوسرا بھی محب کے بجائے دشمن بن جائے گا اور اس کے ہاتھ میں خدائی اختیار۔حق طلاق۔ہے۔ وہ عورت کے وار کرنے سے پہلے ہی اپنا وار کر کے اس کا کام تمام کر دے گا، یعنی اس کو طلاق دے دے گا اور پولیس جو ہتھکڑی یا کڑا مرد کو لگانے یا پہنانے کے لئے آئے گی، مرد اس کو کہے گا اس عورت کو شیلٹر ہوم میں پہنچا دو، اس سے میرا اب کوئی تعلق نہیں ہے، میں نے اس کو طلاق دے کر اپنی زوجیت ہی سے خارج کر دیا ہے۔ یہ محض افسانہ سازی یا افسانہ سرائی نہیں ہے، یہ مستقبل کا وہ نقشہ ہے جو اس بل کے نفاذ کے بعد سامنے آئے گا۔

اور فرض کر لو کہ کوئی مرد اس بے غیرتی کو برداشت کرتے ہوئے اپنے آپ کو حوالۂ پولیس کر کے چند روز کے بعد گھر سے بے گھر ہونا گوارا کرے گا تو اس کے پیچھے دو صورتیں ہوں گی۔

اس گھر میں اس کی بیوی کے ساتھ، مرد کی ماں، اس کی بیٹیاں، بھابھیاں وغیرہ بھی رہائش پذیر ہوں گی تو ماں سمیت ان عورتوں پر کیا گزرے گی، اور ان عورتوں کے دلوں میں اس خاتون کی کیا عزت باقی رہ جائے گی جس نے اپنے سر کے تاج کو پس دیوار زنداں دھکیل دیا؟

دوسری صورت، کہ اس گھر میں صرف میاں بیوی ہی رہنے والے ہوں گے، مرد کے گھر سے نکل جانے کے بعد اکیلی عورت کیا محفوظ ہوگی؟ اور اگر عورت بدکردار ہوگی تو اس تنہائی کو کیا وہ اسی طرح ''یوز'' نہیں کرے گی جس طرح مغربی عورت کرتی ہے۔ یہ صورت تو یقیناً اس بل کے خالقوں کے نزدیک ''آئیڈیل'' ہوگی کہ مسلمان عورت کو پاکستان میں

بھی وہ کھیل کھیلنے یا رنگ رلیاں منانے کا موقع میسر آئے جو مغرب میں عام ہے۔

ماشاءاللہ، چشم بد دور، کیا خوب تحفظ حقوق نسواں ہے؟

یہ ''خدمت'' اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

4 ۔اسلام اللہ تعالیٰ کا دین ہے اور ہر طرح سے مکمل ہے جس کی تکمیل کا اعلان بھی اللہ تعالیٰ نے سورۂ مائدہ کی آیت میں کیا ہے۔لیکن بل کی ساری بنیاد اور اس کی ساری شقیں اس مفروضے پر قائم ہیں کہ اسلام میں مرد و عورت کے باہمی تنازعات کا کوئی حل ہی نہیں ہے۔اب ساڑھے چودہ سو سال کے بعد اس ''خلا'' کے پر کرنے کی ''سعادت'' پنجاب حکومت کو حاصل ہو رہی ہے۔

کیا یہ مفروضہ صحیح ہے؟ اگر صحیح ہے تو نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ الآية﴾ غلط ہے۔اور اگر مفروضہ غلط اور اللہ کا فرمان صحیح ہے تو پھر یہ ساری قانون سازی۔ایں دفتر بے معنی، غرق مئے ناب اولیٰ۔کی مصداق ہے۔

فرمان باری تعالیٰ یقیناً صحیح ہے، جو اس میں شک کرتا ہے وہ اپنے ایمان کی خیر منائے۔اللہ تعالیٰ نے خانگی زندگی کی استواری اور خوش گواری کے لئے اتنی ہدایات اور ایسی اعلیٰ تعلیمات ہمیں دی ہیں کہ اگر دونوں میاں بیوی ان کا خیال رکھیں اور ان پر صحیح معنوں میں عمل کریں تو نہایت خوش گوار زندگی گزرتی ہے اور گھر جنت کا نمونہ بن جاتا ہے۔اور اگر بوجوہ عدم موافقت یا فریقین میں سے کسی ایک کے غلط رویے کی وجہ سے کچھ اختلافات رونما ہو جائیں تو اس کا بھی بہترین حل قرآن کریم ہی میں بیان فرما دیا گیا ہے، جن میں سے تین تدبیریں تو وہی ہیں جو پہلے مذکور ہوئیں۔سمجھ دار عورت تو بغیر کسی اور کی

مداخلت کے، بالعموم ان تدابیر ہی سے اپنا رویہ درست کر لیتی ہے۔ لیکن اگر اس طرح مسئلہ حل نہ ہو تو دوسرا حل۔ چوتھی تدبیر کی صورت میں۔ یہ بیان فرمادیا کہ دو حَکَم (ثالث) ان کا فیصلہ کریں ایک میاں کے خاندان سے ہو، دوسرا بیوی کے خاندان سے۔ ساتھ ہی اللہ نے بیان فرمادیا کہ دونوں ثالث اگر صلح کرانے میں مخلص ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ضرور مصالحت و مفاہمت کی صورت پیدا فرمادے گا۔ (النساء:35) بصورت دیگر آخری چارۂ کار کے طور پر پھر ان کے درمیان جدائی کرادی جائے گی۔ علماء نے اس کو توکیل بالفرقۃ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ یعنی اگر یہ ثالث صلح کرانے میں ناکام رہیں تو پھر یہ بطور وکیل ایک دوسرے کی جدائی کا فیصلہ کر دیں۔ یہ فیصلہ طلاق کے قائم مقام ہو جائے گا۔

5 ۔اللہ تعالیٰ نے مرد کو طلاق کا حق دیا ہے۔ اور یہ حق پوری زندگی میں صرف دو مرتبہ ہے جس میں وہ رجوع کر سکتا ہے۔ اس حق کو بھی صرف اسی لئے محدود کیا گیا ہے کہ کوئی مرد عورت پر ظلم نہ کر سکے۔ ورنہ اسلام سے پہلے یہ حق غیر محدود تھا جس کی وجہ سے ایک شخص اگر چاہتا کہ وہ عورت کو نہ صحیح طریقے سے آباد کرے اور نہ اسے آزاد کرے کہ وہ کسی اور جگہ شادی کر لے، تو وہ یہ کرتا تھا کہ طلاق دیتا اور عدت گزارنے سے پہلے رجوع کر لیتا۔ یہ سلسلۂ ظلم وہ جب تک چاہتا، جاری رکھتا تھا، اللہ تعالیٰ نے حق طلاق کی حد بندی کر کے اس ظلم کا انسداد کر دیا۔

دوسرا حکم یہ دیا کہ طلاق صرف ایک ہی دی جائے، وہ بھی اشتعال اور غصے میں نہیں کہ ذرا سا جھگڑا ہوا اور طلاق دے دی۔ بلکہ اول تو طلاق کو سخت ناپسندیدہ عمل قرار دیا، تاہم بعض حالات میں چونکہ اس کے بغیر چارہ نہیں ہوتا، اس لئے اس کی اجازت بھی عنایت

فرمائی۔لیکن اس کا طریقہ یہ بتلایا کہ اگر نباہ کی کوئی صورت نہ بنے تو پھر عورت کے پاک ہونے کا انتظار کرو۔اس طرح حالتِ طہر میں اس سے صحبت کئے بغیر صرف ایک طلاق دو۔ایک ہی وقت میں تین طلاقوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتاب اللہ کے ساتھ کھلواڑ کرنا قرار دیا اور اس پر سخت برہمی کا اظہار فرمایا۔اس طریقۂ طلاق میں بڑی حکمت ہے۔زیادہ طلاقیں جہالت کے علاوہ غصے اور اشتعال میں دی جاتی ہیں۔اگر فوری طلاق نہ دی جائے بلکہ حیض سے پاک ہونے پر حالت طہر میں بغیر جنسی تعلق قائم کیے طلاق دینے کے وقت کا انتظار کیا جائے۔تو پچاس فی صد طلاق کے واقعات ویسے ہی کم ہوجائیں گے۔کیونکہ طہر کے انتظار تک غصہ اور اشتعال ختم ہوجاتا ہے اور طلاق دینے کی نوبت ہی نہیں آتی۔

تیسرا حکم یہ دیا کہ پہلی طلاق دینے کے بعد، اسی طرح دوسری مرتبہ طلاق دینے کے بعد، طلاق کی عدت تین حیض یا تین مہینے ہیں، عدت کے ان ایام میں پہلی اور دوسری طلاق میں عورت کو گھر سے نہیں نکالنا۔(سورۃ الطلاق) بلکہ وہ عدت، طلاق یافتہ ہونے کے باوجود بھی، خاوند کے گھر ہی میں گزارے۔اس کی حکمت یہ بتلائی گئی ہے کہ شاید خاوند کو اپنی غلطی کا احساس ہوجائے، بیوی کے گھر ہی میں ہونے کی وجہ سے بیوی کی محبت اسے دوبارہ ملاپ پر مجبور کرے یا بچوں کے بے سہارا ہونے کا احساس اس کو اپنے فیصلے پر نظر ثانی کرنے پر مجبور کردے، یا بیوی کی بے چارگی کا احساس اس کے اندر رحم وشفقت کا جذبہ بیدار کرے اور وہ رجوع کرنے پر آمادہ ہوجائے۔

ایسی صورتوں میں پہلی اور دوسری طلاق میں خاوند کو عدت کے اندر رجوع کرنے کا حق حاصل ہے اور یہ مرد کا ایسا حق ہے کہ عورت یا عورت کے گھر والوں کو انکار کرنے

کا حق نہیں ہے۔

ایک، ایک طلاق کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ پہلی دونوں طلاقوں میں اگر عدت گزرنے کے بعد، ان کے درمیان صلح کی صورت بن جائے تو بالاتفاق دوبارہ نئے نکاح سے ان کا تعلق بحال ہو سکتا ہے۔

اگر پہلی اور دوسری طلاق میں، جیسا کہ وہ اللہ کا حکم ہے (سورۃ الطلاق) عورت خاوند ہی کے گھر میں رہے تو اس سے بھی طلاقوں کے بعد بھی پچاس فی صد گھر اجڑنے سے محفوظ رہ سکتے ہیں اور جدائی کے لمحات جلد ہی ملاپ میں بدل سکتے ہیں۔

اس تفصیل سے مقصود یہ بتلانا ہے کہ شریعت میں میاں بیوی کے تعلق کو اتنی اہمیت اور طلاق کے باوجود ان کی قربت کا ایسا اہتمام کیا گیا ہے کہ یہ فراق جلد ہی وصال میں اور نفرت محبت میں تبدیل ہو جائے اور ٹوٹا ہوا رشتہ دوبارہ بحال ہو جائے۔

اس تفصیل سے ایک دوسرا پہلو یہ بھی واضح ہوا کہ اس قرآنی حکم کی روح اور خود ساختہ بل کی روح میں کس طرح بعد المشرقین ہے۔ روح قرآنی یہ ہے کہ اختلاف اور کشیدگی حتی کہ طلاق کے باوجود بھی، میاں بیوی کے درمیان کشیدگی کو ختم کیا جائے اور ان کو دوبارہ باہم جڑنے کے مواقع مہیا کیے جائیں۔ اور مغربی روح میں ڈوبے ہوئے بل کی روح یہ ہے کہ میاں بیوی کو ایک دوسرے سے اتنا دور کر دیا جائے اور ان کے درمیان نفرت کی ایسی دیوار کھڑی کر دی جائے کہ عدم طلاق کے باوجود ان کا ملاپ ناممکن ہو جائے۔ بل میں اس کا مکمل اہتمام کیا گیا ہے۔ ایک تو مرد کو گھر سے باہر نکال کر شیلٹر ہوم میں بھیجنا، اس کی مردانگی اور غیرت کو چیلنج کرنا، پھر ان کو آپس میں بالکل قریب نہ آنے دینا کہ کہیں یہ

دونوں باہم مل کر تلافی اور ازالہ کا اہتمام نہ کرلیں اور یوں ان کے درمیان صلح ہوجائے۔

اندازہ کیجئے کہ اس بل کے اندر کس طرح شیطانی روح کو مکمل طور پر گھسیڑ دیا گیا ہے کہ میاں بیوی کے ملاپ کی کوئی صورت باقی نہ رہے۔جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ شیطان اپنے اس چیلے کو اس کی اس ''حسن کارکردگی'' پر سب سے زیادہ شاباشی دیتا ہے جو آکر اس کو یہ رپورٹ دیتا ہے کہ آج میں نے فلاں میاں بیوی کے درمیان جدائی کروادی ہے۔

یہ بل نافذ ہوگیا تو مغرب کا شیطان بھی اپنے پاکستانی چیلوں کے اس کارنامے پر بڑا خوش ہوگا کہ انہوں نے بھی اس بل کے ذریعے سے پاکستان کے خاندانی نظام کو تباہ کرنے کا پورا ''سروسامان'' مہیا کردیا ہے۔ع

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

اس کے باوجود ڈھٹائی اور دیدہ دلیری کی انتہا ہے کہ کہا جارہا ہے کہ بتلاؤ، اس کی کون سی شق خلاف اسلام ہے۔سچ ہے ع

مستند ہے ان کا فرمایا ہوا

واقعی بل بنانے والے جس ''اسلام'' کو جانتے ہیں، اس کی رو سے اس کی ایک ایک شق ''اسلامی'' ہے، کیونکہ ان کے اسلام میں مرد و عورت کے درمیان حجاب نہیں ہے۔ رقص و سرور تفریح ہے، موسیقی روح کی غذا ہے۔فلموں، ڈراموں اور ٹی وی پروگراموں میں جو حیا باختہ تہذیب رات دن پیش کی جارہی ہے، وہ اسلامی تعلیمات کا ''اعلیٰ نمونہ'' ہیں۔مخلوط تعلیم ناگزیر ہے، عورتوں کا مردوں کے دوش بدوش ملکی ترقی میں اور زندگی کے ہر شعبے میں حصہ لینا بھی نہایت ضروری ہے۔وغیرہ وغیرہ

جن کا ''اسلام'' یہ ہے تو ان کا بنایا ہوا بل غیر اسلامی کس طرح ہو سکتا ہے؟

علماء بے چارے چونکہ اس ''اسلام'' سے نا آشنا ہیں اس لئے وہ اس کے غیر اسلامی ہونے کی دہائی دے رہے ہیں۔ دونوں اپنی اپنی جگہ سچے ہیں، کیونکہ دونوں کا اسلام ایک دوسرے سے مختلف ہے۔

بنابریں پہلے یہ واضح ہونا چاہئے کہ حکومت کی سرپرستی میں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ اسلام ہے یا اسلام وہ ہے جو قرآن مجید کی شکل میں نازل ہوا، اور صاحبِ وحی، پیغمبر اسلام ﷺ نے اس کی توضیح و تفسیر ۔قولی اور عملی صورت میں ۔فرمائی اور آج وہ قرآن و حدیث میں محفوظ ہے۔

علماء تو صرف اسی کو اسلام سمجھتے اور جانتے ہیں جو قرآن و حدیث میں محفوظ ہے۔ اور یہ بل سراسر اس کے خلاف ہے جیسا کہ اللہ کی توفیق سے اس کی ضروری تفصیل ہم نے پیش کر دی ہے۔ والحمد للہ علی ذلک

وزرائے کرام، بل کے بانیان عظام، لیڈیاں ذی احترام مل کر پڑھیں

.... تو میندیش زغوغائے رقیباں

کہ آواز ''علماء'' کم نہ کند رزقِ ''وزراء''

بطور نمونہ تنازعات کا جو خود ساختہ لمبا چوڑا حل، بل میں پیش کیا گیا ہے، اس میں لیڈی افسران کا تقرر ہے، عدالتوں کا قیام ہے، شیلٹر ہومز کی تعمیرات ہیں، پولیس کی دارو گیر ہے اور گھر کے حاکم اعلیٰ کی تذلیل و توہین ہے، اسے کڑا پہنانا ہے اور پتہ نہیں کیا کچھ ہے۔ اور وہ صرف عورت کے کہنے پر بغیر ثبوت اور بغیر گواہوں کے۔ اس کے مقابلے میں اللہ کا بیان

کردہ طریقہ کتنا آسان اور مختصر ہے۔

گویا۔ہلدی لگے نہ پھٹکڑی، رنگ چوکھا آئے۔کے مصداق

کیا اس کے باوجود بل بنانے والوں کا یہ کہنا کہ اس بل میں کوئی چیز خلاف شریعت نہیں ہے، صحیح ہے؟ سارا طریق کار اللہ کے بیان کردہ طریقے سے یکسر خلاف ہے، پھر بھی دعویٰ ہے کہ اس میں شریعت کے خلاف کچھ نہیں ہے۔

وہی قاتل وہی شاہد وہی منصف ٹھہرے
اقربا میرے کریں خون کا دعویٰ کس پر

بہر حال بل کے یہ چند بنیادی نکات ایسے ہیں جن کے رو سے یہ واضح ہے کہ یہ سارا بل الف سے لے کری تک قرآنی احکام اور نصوص شریعت کے یکسر خلاف ہے۔اس کے بعد اس کی ایک ایک شق پر بحث یکسر غیر ضروری ہے۔تاہم اگر ضروری ہوا تو اس کی لغویت کو شق وار بھی واضح کر دیا جائے گا بعون اللہ وتوفیقہ

﴿وَإِنۡ تَعُودُواْ نَعُدۡ وَلَن تُغۡنِيَ عَنكُمۡ فِئَتُكُمۡ شَيۡـٔٗا وَلَوۡ كَثُرَتۡ﴾ [الانفال :19]

عورت کے اصل مسائل اور ان کا حل

حمایت کنندگان، یا بانیان بل کی طرف سے کہا جا رہا ہے کہ علماء اس کی مخالفت تو کر رہے ہیں لیکن کوئی متبادل حل پیش نہیں کر رہے ہیں، تو بات دراصل یہ ہے کہ بل میں جو مسائل پیش کیے گئے ہیں، وہ عورت کے اصل مسائل ہیں ہی نہیں۔سارے بل کی عمارت مفروضوں پر کھڑی کی گئی ہے، اس لئے یہ بل

خشت اول چوں نہد معمار کج

تا ثریا می   رود   دیوار   کج

کا آئینہ دار اور مصداق ہے، یا ہمارے اردو محاورے کی رُو سے کہا جا سکتا ہے۔

اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی

اس کی کوئی شق بھی صحیح نہیں۔ البتہ اس میں میاں بیوی کے تنازعے کا ذکر ہے، یہ مسئلہ یقیناً موجود ہے لیکن اس کا جو بقراطی حل بل میں پیش کیا گیا ہے، وہ اتنا غلط ہے کہ اس سے عورت کو قطعاً کوئی تحفظ نہیں ملے گا، بلکہ وہ یکسر غیر محفوظ ہو جائے گی اور خاندان اور خاوند کی ہمدردیوں سے محروم ہو کر صرف حکومت کے رحم و کرم کی محتاج ہو کر رہ جائے گی۔ یہ اس کا تحفظ ہے یا اس کی بربادی؟

خرد کا نام جنوں رکھ دیا اور جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

بہر حال اگر حکومت عورت کے تحفظ میں مخلص ہے اور یہ واقعۃً اس کی ذمے داری بھی ہے، گو وہ ذمے دار سب ہی طبقوں کے تحفظ کی ہے، جیسا کہ ہم نے عرض کیا۔ علمائے اسلام عورت سمیت تمام طبقوں کا تحفظ چاہتے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ علماء عورت کے ان حقوق کا تحفظ چاہتے ہیں جو اسلام نے اسے دیے ہیں کیونکہ وہ بجا طور پر سمجھتے ہیں کہ عورت کا تحفظ اسلام کے عطا کردہ حقوق ہی کے ذریعے سے ممکن ہے۔ اس سے انحراف کر کے عورت کے حقوق کا تحفظ نہیں، اس کی ہلاکت ہی کا سامان کیا جا سکتا ہے۔

حکومت کو عورت کے ان اسلامی حقوق سے، جو اس کی حفاظت کے اصل ضامن ہیں، کوئی غرض نہیں۔ وہ صرف ان نسوانی حقوق کا تحفظ چاہتی ہے جو مغرب کے حیاباختہ

معاشرے میں مغربی عورت کو حاصل ہیں۔

وہ اسباب جن کی وجہ سے عورت کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، یا وہ مردوں کے ظلم وستم کا شکار ہوتی ہے، حسب ذیل ہیں:

1. سب سے اہم سبب اسلامی تعلیم وتربیت کا فقدان اور اخلاقیات سے محرومی ہے اور یہ کمی ایسی ہے کہ ہم کسی ایک فریق کو اس کا ذمے دار قرار نہیں دے سکتے۔ اس فقدان اور محرومی میں مرد اور عورت دونوں یکساں ہیں۔ اسی لئے کبھی زیادتی مرد کی طرف سے ہوتی ہے اور عورت کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور کبھی مرد کی طرف سے اس قسم کا اقدام ہوتا ہے، جس سے عورت کو ناخوشگوار صورت حال سے دوچار ہونا پڑتا ہے، اس کا سبب عورت ہی کی غلطی یا ناسمجھی ہوتا ہے۔ اس لئے ہر حال میں مرد ہی کو ظالم یا سزا وارِ سزا سمجھنا غلط اور یکسر خلاف واقعہ ہے اور عدل وانصاف کے مسلمہ اصولوں کے بھی خلاف ہے۔ اس بل میں سب سے بڑی غلطی یہی ہے کہ صرف مرد کو ہر صورت میں ظالم فرض کر لیا گیا ہے اور سزا کا اہتمام بھی صرف اسی کے لئے ہے۔ قطع نظر اس سے کہ جرم کی نوعیت کیا اور اس کا سبب کیا ہے؟ اس میں خطا کار مرد ہے یا عورت؟ یا دونوں ہی اس کے ذمے دار ہیں؟ علاوہ ازیں مرد کے خلاف ساری کاروائی صرف متاثرہ (عورت، بیٹی، بہن، بیوی) کے بیان پر بغیر ثبوت اور بغیر گواہوں کے ہوگی۔ اور ''مدعاعلیہ'' (مرد) میں خاوند کے علاوہ باپ اور بھائی وغیرہ بھی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ خاوند کے علاوہ باپ بھی بیٹی سے، بڑا بھائی بھی اپنی بہن سے اس کی کسی غلطی یا بے راہ روی پر باز پرس کرسکتا ہے، ڈانٹ ڈپٹ کرسکتا ہے اور بل میں اس تادیبی اور اصلاحی کاروائی کو بھی ''تشدد'' قرار دیا گیا ہے، کیونکہ ایسا کرنا گو اسلام کی رو سے تو جائز

ہے، لیکن مغرب میں یہ واقعی ایسا جرم ہے کہ بیٹی یا بیوی فون کے ذریعے سے پولیس کو بلوا کر باپ یا شوہر کو گھر سے نکلوا کر جیل بھجوا سکتی ہے۔

بات پھر بل کی طرف چلی گئی کیونکہ بل ایسی کشش ثقل کا حامل ہے کہ فیصل آباد کے گھنٹہ گھر کی طرح، جدہر دیکھو تو ہی تو ہے، والا معاملہ ہے۔

بات تربیتی فقدان، اسلامی تعلیمات کے عدم شعور اور اخلاق سے محرومی کی ہو رہی تھی، اس کی عامۃ الورود مثال طلاق کی ہے۔ بلاشبہ بہت سے مرد جہالت کا مظاہرہ کرتے ہوئے معمولی سے لڑائی جھگڑے پر طلاق دے دیتے ہیں اور طلاق بھی ایک ہی سانس میں تین مرتبہ۔ جن سے علمائے احناف کے نزدیک طلاق بتہ ہو جاتی ہے اور گھر اجڑ جاتا ہے، میاں بیوی کے خوار ہونے کے علاوہ بچوں کا مستقبل بھی تاریک ہو جاتا ہے۔

لیکن یہ سمجھنا خلاف واقعہ ہے کہ اس جہالت اور حماقت کا مظاہرہ صرف مرد ہی کی طرف سے ہوتا ہے بلکہ بعض دفعہ بلکہ بسا اوقات اس میں عورت کی بدزبانی اور بداخلاقی اور ناسمجھی کا دخل ہوتا ہے اور وہ ذرا سی بات پر طلاق کا مطالبہ کرتی ہے۔ مرد ٹالنے اور درگزر کرنے کی بات کرتا ہے۔ لیکن وہ ناسمجھی میں اتنا اصرار کرتی ہے کہ مرد کو، نہ چاہتے ہوئے بھی، طلاق دینی پڑ جاتی ہے۔ اور پھر وہ ایک مرتبہ تین طلاقیں۔ اس صورت حال کا حل کئی اقدامات کا متقاضی ہے۔

1 حکومت کی طرف سے اسلامی تعلیم و تربیت کا سرے سے کوئی اہتمام ہی نہیں ہے۔ نہ مردوں کے لئے اور نہ عورتوں کے لئے۔ تعلیم و تربیت انسان کو حوصلہ مند بناتی اور عزم و حوصلہ کے ساتھ مسائل و مشکلات کا سامنا کرنا سکھاتی ہے، بالخصوص جلد بازی میں فیصلہ کرنے سے روکتی ہے۔ اور طلاق کے فیصلے اکثر عجلت، بے صبری، عدم برداشت

اور بداخلاقی کا نتیجہ ہوتے ہیں۔حکومت میاں بیوی کے حقوق اور ذمے داریوں پر مبنی اسلامی تعلیمات کو میٹرک کے بعد نصاب کا حصہ بنائے اوراخبارات اورٹی وی پروگرامز کے ذریعے سے بھی ان کو نشر کروائے۔

2 بالخصوص اسلامی طریقۂ طلاق کو، جس کی وضاحت، گزشتہ صفحات میں کی گئی ہے، زیادہ سے زیادہ اس کی نشر واشاعت کی جائے اور اسے نصاب تعلیم میں شامل کیا جائے۔

3 ایک ہی مرتبہ تین طلاقوں کو جرم قرار دیا جائے، جو عرضی نویس یا وکیل طلاق نامہ لکھے، ان کو بھی صرف ایک طلاق لکھنے کا پابند اوران کے لئے بھی بیک وقت تین طلاقیں لکھنے کو قابل تعزیر جرم قرار دیا جائے۔ یہ سفارش اسلامی نظریاتی کونسل بھی کر چکی ہے۔

4 اس غلط فہمی کا وسیع پیمانے پر ازالہ کیا جائے کہ طلاق کے لئے تین مرتبہ۔طلاق، طلاق، طلاق۔ کہنا یا میں۔طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں، طلاق دیتا ہوں۔کہنا ضروری نہیں ہے بلکہ اگر کوئی صرف یہ کہتا ہے کہ میں طلاق دیتا ہوں، یا تجھے طلاق ہے۔تو اس طرح ایک مرتبہ ہی طلاق کے لفظ سے طلاق ہوجاتی ہے اور تین حیض یا تین مہینے تک رجوع نہ کرنے کی صورت میں طلاق بائنہ ہوجاتی ہے۔یعنی میاں بیوی والا تعلق ختم ہوجاتا ہے، اس کے بعد عورت آزاد ہے کہ اپنے ولی کی اجازت اور رضامندی سے جہاں چاہے نکاح کرے۔

یہ طلاق کا وہ شرعی طریقہ ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں۔اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ طلاق دینے کے بعد اگر مرد کو اپنی غلطی کا احساس ہوجائے تو وہ عدت کے اندر رجوع کر کے دوبارہ اس کو اپنے ساتھ رکھ سکتا ہے۔اور عدت گزرنے کے بعد اگر صلح کی کوششیں کامیاب ہوجاتی ہیں تو نئے نکاح کے ذریعے سے یہ دوبارہ تعلق زوجیت میں جڑ

سکتے ہیں۔اور یہ بھی ایسا مسئلہ ہے جو اتفاقی ہے۔اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

فقہی اختلاف اس وقت سامنے آتا ہے جب طلاق کا غیر شرعی طریقہ۔ایک ہی مرتبہ تین طلاقیں۔اختیار کیا جاتا ہے۔اور اس اختلاف کی وجہ سے ان کا دوبارہ باہم ملاپ تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے الا یہ کہ وہ حلالہ مروجہ کیا جائے جس کا بعض علماء فتویٰ دے دیتے ہیں، حالانکہ اسلام میں اس کا قطعاً کوئی جواز نہیں ہے۔علاوہ ازیں کوئی غیرت مند مرد اسے برداشت نہیں کرسکتا۔علاوہ ازیں یہ خود ساختہ فتویٰ جس طرح نقل (شرعی دلائل) کے خلاف ہے، اسی طرح عقل کے بھی خلاف ہے کہ جرم کرنے (بیک وقت تین طلاقیں دینے) والا مرد ہوتا ہے لیکن سزا عورت کو بھگتنی پڑتی ہے کہ وہ چند راتوں کے لئے کرائے کے سانڈ کے حوالے کردی جاتی ہے۔اعاذنا الله منه ۔یاد رہے کہ ''کرائے کے سانڈ'' کے الفاظ رسول اللہ ﷺ کے فرمائے ہوئے ہیں۔حدیث کے اصل عربی الفاظ ہیں:''التيس المستعار''

5 یا اس کا دوسرا حل، جو شرعی ہے، یہ ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک ہی طلاق (رجعی) شمار کیا جائے، اس صورت میں بھی پھر عدت کے اندر رجوع کرنا اور عدت گزر جانے کے بعد (بغیر حلالہ مروجہ کے) نکاح کرنا جائز ہے۔اس کے اہل حدیث کے علاوہ کئی ائمہ اعلام (امام ابن تیمیہ، امام ابن قیم وغیرہ) اور بعض صحابہ و تابعین اور دیگر متعدد اہل علم قائل ہیں۔شرعی دلائل بھی اس کی تائید میں موجود ہیں۔علاوہ ازیں پاک و ہند کے متعدد علمائے احناف (دیوبندی و بریلوی) حالات کے پیش نظر اس کے قائل ہیں، جس کی تفصیل اور ان کے فتاوے اور مضامین راقم کی کتاب میں موجود ہیں، یہ کتاب ''ایک مجلس کی تین طلاقیں اور اس کا شرعی حل'' کے نام سے مطبوع ہے۔

دیگر علمائے احناف بھی اگر مسئلہ طلاق میں یہی موقف اختیار کرلیں تو عورتوں کی مشکلات کے حل میں، جو بیک وقت تین طلاقوں کی تین ہی شمار کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں، کافی مدد مل سکتی ہے۔

اس کی ایک نظیر بھی موجود ہے کہ زوجۂ مفقود الخبر کا کوئی معقول حل فقہ حنفی میں موجود نہ ہونے کی وجہ سے متحدہ ہند میں عورتوں کے لئے بڑی مشکلات تھیں تو مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم نے امام مالک کی رائے کو نہ صرف اختیار کیا بلکہ کبار علمائے احناف سے بھی اس کی تائید میں فتاویٰ حاصل کیے۔ اور یہ سارے فتاویٰ انہوں نے ایک کتاب-الحیلة الناجزه فی الحلیلة العاجزة -میں شائع کردیے، یہ پون صدی (75-80 سال) قبل کی بات ہے اس کتاب کا نیا ایڈیشن -ادارۂ اسلامیات لاہور- نے شائع کیا ہے جس کے دیباچے میں مولانا تقی عثمانی صاحب کا یہ اعتراف ہے کہ عورتوں کی بہت سی مشکلات کا حل فقہ حنفی میں نہیں ہے۔

اس اعتراف کی روشنی میں پون صدی قبل کی اپنے اکابر کی نظیر کو سامنے رکھتے ہوئے اوران کے طرز عمل کو اپناتے ہوئے اگر موجودہ علمائے احناف بھی بیک وقت تین طلاقوں کے ایک طلاق ہونے والے مسلک کو اختیار کرلیں، تو جاہلانہ طلاق کا نہایت آسان حل نکل آتا ہے اور طلاق کے باوجود 80 فی صد گھرانے اجڑنے سے بچ سکتے ہیں۔

6 طلاق کا جو صحیح اور شرعی طریقہ ہے، اسے اخبارات وغیرہ میں۔ اور اسی طرح ایک وقت میں تین طلاقوں کے دینے کو قابل تعزیر جرم ہونے کو، حکومت کی طرف سے اشتہار کے طور پر صفحۂ اول پر شائع کرایا جائے۔

اگر حکومت اور دیگر این، جی، اوز واقعی عورتوں کی مشکلات کے حل میں مخلص ہیں تو حکومت اپنے کارناموں کی تشہیر میں کروڑوں روپے قومی خزانے سے خرچ کرتی ہے۔تو کیا وہ اس اہم مسئلے پر، جس سے 80 فی صد گھرانے اجڑنے سے بچ سکتے ہیں، چند کروڑ روپے سالانہ قومی خزانے سے اس مد کے لئے مخصوص نہیں کرسکتی؟ یہ حکومت کے اخلاص کا اور عورتوں کے مسائل کے حل میں اس کو کتنی دلچسپی ہے، اس کا امتحان اور ٹیسٹ کیس ہے۔

عورتوں کی مشکلات کا ایک اور قرآنی حل۔محلہ وار پنچائتیں

یہ حل قرآن کریم کی سورۃ النساء، آیت نمبر 35 میں بیان کیا گیا ہے جس کی طرف ہم پہلے بھی اشارہ کرآئے ہیں۔اس کی رُو سے محلوں کی سطح پر، پنچائتی نظام کا قیام ہے، اسے کونسلروں اور ناظموں کے ذریعے سے بھی بروئے کار لایا جاسکتا ہے۔یونین کونسلیں پہلے بھی اس سلسلے میں کچھ کام کرتی آرہی ہیں، ان کو مزید فعال بھی کیا جائے اور کچھ اختیارات بھی دیے جائیں تاکہ عدالتوں پر بھی بوجھ نہ بڑھے اور عوام بھی عدالتی چارہ جوئی کے بجائے، جو لمبا بھی ہے اور مہنگا بھی، اپنے علاقے ہی میں ان پنچائتوں کی طرف رجوع کریں۔یہ پنچائتیں پہلی اور دوسری طلاق میں صلح کرانے کی کوشش کریں جس کی گنجائش عدت کے اندر، یعنی تین مہینے تک، موجود ہے۔نیز عدت گزرنے کے بعد بھی نکاح جدید کے ذریعے سے ٹوٹا ہوا تعلق دوبارہ قائم ہوسکتا ہے، اگر یہ پنچائتیں مخلصانہ کوشش کریں۔

یہ قرآنی حل اور طریقہ اس طریقے سے ہزار درجے بہتر ہے جو بل میں تجویز کیا گیا ہے جو اس قرآنی حل کے برعکس شیطانی حل ہے۔اس میں کوشش کی گئی ہے کہ میاں بیوی کے درمیان کسی طرح بھی غلط فہمیاں دور نہ ہوں اور دوبارہ جڑنے کی کوئی صورت نہ رہے۔

★ فیملی عدالتوں کو مزید فعاؔل اور ان کو ایک معین مدت تک فیصلے کرنے کا پابند بنایا جائے۔تاکہ جو عائلی تنازعات ، پنچائتوں کے ذریعے سے حل نہ ہوسکیں، عدالتوں سے ان کو فوری ریلیف مل جائے۔جیسے خلع ،طلاق کے بعد بچوں کی تحویل، نان ونفقہ، وراثت وغیرہ کے مسائل ہیں۔

★ اگر حکومت پنچائتی نظام کو صحیح معنوں میں قائم کردے اور ان کو مناسب اختیارات بھی دے دیے جائیں تو یہ سارے مسائل محلوں کی سطح پر ،عدالتوں کی طرف رجوع کیے بغیر ہی ،حل ہوسکتے ہیں۔مسئلہ صرف اخلاص اور عزم وہمت اور قرآن سے رہنمائی حاصل کرنے کا ہے۔اور اگر مغرب ہی کی نقالی یا ان کی خوشنودی یا ان سے فنڈ لینا مقصود ہے تو پھر بات اور ہے۔لیکن نہ نقالی سے عورت کے مسائل حل ہوں گے اور نہ فنڈز کے حصول سے۔عورت کی مشکلات جوں کی توں رہیں گی بلکہ علم نجوم میں مہارت کے بغیر یہ پیش گوئی کی جاسکتی ہے کہ ان میں اضافہ ہی ہوگا۔گو ہماری خواہش اور دعا تو یہی ہے کہ ایسا نہ ہو لیکن غلط طریق کار کے غلط نتائج کو محض آرزوں اور تمناؤں سے نہیں روکا جاسکتا۔

★ جہیز کی لعنت کا نہایت سختی سے خاتمہ کیا جائے ،اب تک کی بعض نیم دلانہ کوششوں سے اس رسم بد کے خاتمے میں کوئی مدد نہیں مل سکی۔ضرورت ہے کہ اس محاذ پر بھی حکومت سنجیدگی سے کوشش کرے۔اس لعنت کی وجہ سے بھی بہت سی عورتوں کو متعدد مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

★ عورت کی وراثت کا مسئلہ ہے۔اس کے لئے ایسی قانون سازی کی جائے کہ کسی کو بھی عورت کو باپ کی جائیداد سے محروم کرنے یا محروم رکھنے کی جرأت نہ ہو۔اگر اس قسم

کے کیس عدالتوں میں جائیں تو اس کے لئے بھی عدالتوں کو ایک معین مدت کے اندر فیصلہ کرنے کا پابند کیا جائے۔عدالتی نظام کی متعدد خامیوں کی وجہ سے جو تاخیری حربے اختیار کیے جاتے اور سالہا سال تک عورتوں کو اپنا حق لینے کے لئے جن جاں گسل مراحل سے گزرنا پڑتا ہے، وہ شدید ظلم کی ایک صورت ہے جس سے عورت کو نجات دلانا حکومت کی ذمے داری ہے۔

★ میٹرنٹی ہوم (زچہ بچے کی سہولتیں) عام کی جائیں اور ہر محلے میں یہ نہ صرف قائم کیے جائیں بلکہ تربیت یافتہ اسٹاف ان میں متعین ہو اور دیگر سہولتوں کا انتظام ہو۔ یہ عورت کے لئے موت وحیات کی کشمکش کا سنگین مرحلہ ہوتا ہے، اس مرحلے میں عورت کے لئے سہولتیں مہیا کرنا بھی حکومت کی ذمے داری اور اس سے پہلو تہی کرنا عورت پر سخت ظلم ہے جو عورت کیلئے ہمدردی ظاہر کرنے والی حکومت کے لئے نا قابل معافی ہے۔

★ معاشرے میں جو عورتیں مطلقہ یا بیوہ ایسی ہوں کہ ان کی کفالت کرنے والا کوئی نہ ہو، ان کے لئے شیلٹر ہوم بنانے کا شوق پورا کر کے ان کی آبرومندانہ کفالت کا انتظام کیا جائے۔

★ کاروکاری کا سدباب کیا جائے۔اس کا ارتکاب بڑے جاگیردار، تمن دار، وڈیرے قسم کے لوگ کرتے ہیں۔ اپنی زمینوں، جاگیروں وغیرہ کو بچانے کے لئے نوجوان بچیوں کی شادیاں قرآن کریم سے کرنے کا ڈھونگ رچاتے ہیں۔ بھلا قرآن کریم سے بھی کسی کا نکاح ہوسکتا ہے۔ یہ وڈیرے اس ملک میں اس طرح عورت پر ظلم کرتے ہیں۔کون سا عالم ہے جو اس ظلم کی حمایت کرتا یا حکومت کو اس کے سدباب کے لئے قانون سازی سے روکتا ہے؟

★ اس طرح وَنّی کی جاہلانہ اور ظالمانہ رسم ہے کہ اپنے ناجائز ظلم کے بدلے میں کم سن بچیوں کی شادیاں بوڑھوں کے ساتھ کر کے اور معصوم بچیوں پر ظلم کر کے اپنے ظلم کا ازالہ کرتے ہیں۔ اس کے خلاف قانون سازی کریں کون سا عالم اس ظلم کی حمایت کرتا ہے؟

★ غیرت کے نام پر قتل کے خلاف سخت قانون بنائیں۔ کوئی عالم غیرت کے نام پر قتل کو جائز قرار نہیں دیتا۔ چند روز قبل ہیومن رائٹس آف پاکستان کی رپورٹ اخبارات میں شائع ہوئی ہے جس میں بتلایا گیا ہے کہ **2015**ء میں **1100** عورتیں غیرت کے نام پر قتل ہوئیں۔ جنسی تشدد میں بھی اضافہ ہوا جس میں بچے اور بچیاں اس کا شکار ہوئیں۔ [1]

اس کے اسباب کا بھی خاتمہ فرمائیں جو بالکل واضح ہیں کہ نوجوان نسل ٹی وی کے فحش اور عشقیہ فلمیں اور ڈارمے دیکھ کر نہایت تیزی سے بے راہ روی کا شکار ہو رہی ہے، اس کے نتیجے میں ہی ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں کہ بعض لوگ ان کو دیکھ کر اپنے جذبات پر قابو نہیں رکھ پاتے اور غیرت میں آ کر اپنی ہی بیٹی، بہن یا بیوی کو قتل کر دیتے ہیں۔ یہ کام اگرچہ اسلامی غیرت ہی کا مظہر ہے تاہم نہ اسلام میں، اس قتل غیرت کی اجازت ہے اور نہ کوئی عالم ہی اس کی حمایت کرتا ہے۔

★ اسی طرح جنسی تشدد بھی نہایت وحشیانہ حرکت ہے جس میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے، اس کی وجہ بھی ٹی وی پروگرام اور فلمیں وغیرہ ہیں۔

ان کے اسباب کا خاتمہ اور اس قسم کے واقعات کے سدباب کے لئے قانون سازی یا

---

[1] روزنامہ ''آواز'' 2 پریل 2016ء

موجودہ قوانین پر عمل داری یہ کس کا کام ہے؟ حکومت کے سوا یہ کام کون کرسکتا ہے؟ حکومت اپنی یہ ذمہ داری کیوں پوری نہیں کرتی؟

★ عورت کے چہرے پر تیزاب پھینک کر اس کو مردوں کے لئے نا قابل قبول بنانا، نہایت سنگ دلانہ حرکت اور عورت پر بڑا ظلم ہے۔ علماء تو کہتے ہیں کہ فوجداری قانون میں اس قسم کے کاموں کی سزائیں موجود ہیں۔ ان کو نافذ کریں بلکہ اسلام کے قانون قصاص پر عمل کرتے ہوئے ایسے ظالم مردوں کے چہروں کو بھی تیزاب سے جُھلسا دیں۔ پھر دیکھیں کہ کوئی مرد اس ظلم کا ارتکاب کرتا ہے؟ ہمیں سو فی صد یقین ہے کہ اس قانون قصاص پر عمل کی برکت سے ان شاء اللہ اس جرم کا سو فی صد سد باب ہو جائے گا۔

★ مخلوط تعلیم کا خاتمہ کر کے خواتین کے لئے الگ تعلیمی ادارے (کالجز اور یونیورسٹیاں) قائم کیے جائیں یہ بھی مسلمان عورت کا ایسا حق ہے کہ جس کا پورا کرنا ایک مسلمان مملکت کا فرض منصبی ہے۔ اس کے بغیر عورت کو مردوں کی ہوس کاری سے بچانا ناممکن ہے۔ 21 فروری 2016ء کے روزنامہ ''جنگ'' لاہور میں ایک امریکی ادارے کی رپورٹ شائع ہوئی ہے جو بشمول ہارورڈ یونیورسٹی امریکہ کی 27 نامور یونیورسٹیوں کے سروے پر مبنی ہے۔ اس میں مخلوط تعلیم کے نتیجے میں طالبات جس کثرت سے جنسی حملوں کا شکار ہوتی ہیں، اس کی تفصیل ہے۔ یہ ان کے لئے نہایت چشم کشا رپورٹ ہے جو پاکستان میں مغربی ایجنڈے کے مطابق مخلوط تعلیم کو مسلط کیے ہوئے ہیں۔ یہ رپورٹ الگ منسلک ہے۔

★ اسی طرح عورتوں کے لئے نصاب تعلیم بھی مردوں سے الگ مرتب کیا جائے تاکہ

مسلمان عورتیں اپنے مقصد تخلیق اور فطری صلاحیتوں کے مطابق زیادہ بہتر طریقے سے ملک وقوم کی خدمت کرسکیں۔علاوہ ازیں ان کے لئے چند شعبے بھی مخصوص کیے جاسکتے ہیں جن کی وہ تعلیم وتربیت حاصل کریں اور وہاں وہ مردوں سے الگ رہ کر خدمات سرانجام دیں۔مثلاً تعلیم کا شعبہ ہے،طب (میڈیکل) کا شعبہ ہے،اسی طرح اور بہت سے شعبے ایسے ہوسکتے ہیں جہاں وہ ستر وحجاب کی پابندی کے ساتھ مفوضہ فرائض انجام دیں۔

امریکہ کے مخلوط اعلیٰ تعلیمی اداروں کی بابت امریکی ادارے کی سروے رپورٹ

امریکی یونیورسٹیوں میں ایک چوتھائی طالبات جنسی حملوں کا نشانہ بنتی ہیں،رپورٹ

اسلام آباد (احمد نورانی) ستمبر 2015ء میں امریکہ کے انتہائی معروف اداروں ''ایسوسی ایشن آف امریکن یونیورسٹیز'' (اے اے یو)،امریکہ کی 27 نامور یونیورسٹیوں بشمول ہارورڈ یونیورسٹی نے ایک سروے منعقد کا تھا جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ ایک چوتھائی طالبات یونیورسٹیوں کے کیمپس میں جنسی حملوں اور غلط طرز عمل کا نشانہ بنتی ہیں۔ اے اے یو نے 27 امریکی یونیورسٹیوں کی ڈیڑھ لاکھ طالبات سے جنسی حملے اور جنسی غلط طرز عمل کے بارے میں اپنے اپنے تجربات بیان کرنے کے حوالے سے سروے کیا تھا جس کے نتائج جاری کئے گئے ہیں۔سروے میں معروف یونیورسٹیوں کی 1.23 فیصد انڈر گریجویٹ طالبات کی اس سال ہر جگہ جنسی حملے اور بُرے طرز عمل کا نشانہ بننے کی گونج

سنائی دی۔جنسی ہراساں کرنا، حملہ کرنا یا برا طرز عمل ایک بین الاقوامی مسئلہ ہے جو مختلف شدت کے ساتھ تمام کمیونٹیز میں پایا جاتا ہے۔پاکستان کو بھی ایسے ہی مسائل کا سامنا ہے مگر ایسے سروے اور ریسرچ منعقد کرنے کے طریقہ کار کی غیر موجودگی میں اس مسئلے کی شدت کا اندازہ نہیں ۔ بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی اور مختلف سکولوں اور مدرسوں میں لڑکوں کے ساتھ ہونے والے واقعات بار بار رپورٹ کئے جاتے ہیں مگر یکے بعد دیگرے آنے والی حکومتوں کی طرف سے اس ایشو پر بے حسی کے سبب اس مسئلے کی اصل سنگینی اور اس کی سطح کا کچھ پتہ نہیں ۔نہ صرف یہ بلکہ اس سنگین مسئلے کے حل کے لئے بھی حکومت نے ٹھوس اقدامات نہیں کئے۔اے اے یو سروے میں امریکی یونیورسٹیوں میں جبری جنسی حملوں اور جنسی برے طرز عمل پر مبنی سروے سے قطع نظر، یہ بات قابل ستائش ہے کہ کم از کم وہاں اس پر تشویش تو پائی جاتی ہے اور اس مسئلے کے حل کے لئے اقدامات بھی کئے جا رہے ہیں۔سروے میں مجموعی طور پر 7.11 فیصد طلبہ نے بتایا کہ انہیں جبری طور پر جنسی حملے کے تجربے سے گزرنا پڑا جن میں جسمانی قوت یا جسمانی قوت کی دھمکیاں دی گئیں یا وہ بے بس ہو گئے۔ان میں 1.23 طالبات بشمول 8.10 فیصد جنسی زیادتی کے عمل سے گزرنے والی طالبات شامل ہیں ۔ان حملوں میں یونیورسٹیوں کے حکام، قانون نافذ کرنے والی ایجنسیوں یا دیگر اداروں میں رپورٹ کرنے والوں کی شرح کم ہے جو 5 سے 28 فیصد کے درمیان ہے، کا انحصار حملے کی خاص نوعیت پر تھا۔سروے کے مطابق جنسی حملے یا جنسی برے طرز عمل کے واقعہ کی رپورٹ نہ کرانے کی سب سے عام وجہ اس پر سنجیدگی سے مناسب توجہ نہ دینا ہے۔ دیگر وجوہات میں پریشانی اور

شرمندگی سے بچنے کے لئے یا بہت زیادہ جذباتی مشکل بھی شامل تھی۔ یا یہ کہ ان کے خیال میں اس سلسلے میں کچھ بھی نہیں ہوگا۔ دس میں 6 طلبہ (3.63 فیصد) کا خیال تھا کہ جنسی حملے یا جنسی برے طرز عمل کا یونیورسٹی کیمپس کے حکام سنجیدگی سے نوٹس لیں گے۔

حرف آخر

پاکستانی عورت مسلمان ہے، یہاں کا معاشرہ مسلمانوں پر مشتمل ہے، پاکستانی ریاست کا سرکاری مذہب بھی اسلام ہے۔ان تمام باتوں کا تقاضا ہے کہ پاکستانی عورت کے بہ حیثیت مسلمان، جو حقوق ہیں، وہ اسے اس کے مذہب اسلام کی رو سے ملنے چاہئیں اور حکومت کا بھی فرض یہ ہے کہ وہ اسلام کی روشنی میں ان کے حقوق کا تحفظ کرے۔اس سے انحراف پاکستانی عورت کی بھی حق تلفی بلکہ اس پر ظلم ہے اور حکومت بھی اپنے حلف سے انحراف کی مجرم ہوگی۔وماعلینا الاالبلاغ

نوٹ:

زیرِ بحث بل کے خالقین اور اس کے پسِ پردہ مخفی ہاتھ پاکستان کے مسلمان معاشرے کو جس مغربی معاشرے میں ڈھالنا چاہتے ہیں اس کی ایک جھلک آئندہ صفحے پر بعنوان ''مدرز ڈے'' ایک اخباری کالم ملاحظہ فرمائیں۔ پھر پاکستانی مسلمان فیصلہ کریں کہ ان کو وہ معاشرہ چاہیئے جو اسلامی اخلاق واقدار کا حامل ہو جس کے داعی علماء ہیں یا وہ مغربی معاشرہ چاہتے ہیں جس کی ایک بھونڈی اور مذموم کوشش تحفظ نسواں بل کے ذریعے سے کی گئی ہے۔

مغربی معاشرے کی ایک جھلک

پہلا مدرز ڈے

خلیل احمد نینی تال کا کالم

’’روایتی طور پر ماؤں کا دن ہر سال کی طرح اس سال بھی پوری دنیا میں منایا گیا۔ میں 1970ء میں پہلی مرتبہ لندن گیا تھا تو میرے کاروباری انگریز دوست نے مجھے دوپہر کے کھانے پر مدعو کیا۔ وہ دوپہر میں مجھے ہوٹل سے لے کر اپنے گھر کی طرف روانہ ہوا تو کہنے لگا کہ آج ہمارے لیے خوش قسمت دن ہے۔ میں نے پوچھا: کیا خاص بات ہے آج کے دن کو؟ تو بولا کہ آج مدرز ڈے ہے۔ میں اس دن سے قطعی ناواقف تھا، پوچھا وہ کیا ہوتا ہے؟ وہ بولا کہ آج کے دن ہر ماں اپنے بالغ بچوں سے ملنے کے لیے بے چین رہتی ہے اس کے بچے اس کے گھر آ کر تحفہ تحائف دیتے ہیں۔ ماں اس دن بچوں کے لیے کھانا پکاتی ہے اور ہر سال کی طرح کھانے پر گپ شپ ہوتی ہے، سارا دن اس میں گزر جاتا ہے۔ تو چونکہ میری ایک ہی بیٹی ہے وہ آج دوپہر ہمارے درمیان ہوگی اور اس کی طرح تم بھی مل لوگے اور ہمارا ویک اینڈ بہت اچھا گزرے گا۔ گھر پہنچا تو اس کی بیگم کچن میں طرح طرح کے کھانے بنانے میں مصروف تھی رسمی ہائے ہیلو ہوئی اور ہم دونوں ڈرائینگ روم میں بیٹھ گئے۔ میں نے اس کو کریدا کہ اس کی بیٹی شادی شدہ ہے۔ کہا: نہیں وہ بالغ ہے، 20 سال کی ہے، اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ ہی رہتی ہے۔ بے ساختہ میری منہ سے نکلا: ’’بغیر شادی کے‘‘ وہ بولا ہاں اس میں کون سی نئی بات ہے، یہ ہمارے معاشرے کا حصہ ہے۔ ہم پہلے ایک دوسرے کو جاننے کے لیے کئی کئی

سال بغیر شادی کے ساتھ رہتے ہیں اگر دونوں کا مزاج مل جائے تو پھر رضامندی سے شادی کر لیتے ہیں۔اگر ایسا نہ ہوتو علیحدگی ہوجاتی ہےاور پھر نئے پارٹنر کی تلاش کرتے ہیں۔اس دوران کوشش کرتے ہیں کہ کوئی بچہ وغیرہ نہ ہو۔میں نے سوال کیا کہ اگر ہوجائےتو بولا کوئی بات نہیں یہاں والدین کے خانے میں صرف ماں کا نام ہوتا ہےتو بچہ ماں کے نام سے پہچانا جائے گا،جس کی قانونی حیثیت ہوتی ہے۔اب اس نے جواب میں مجھ سے سوال کرنا شروع کردیئے۔وہ پاکستانی معاشرے سے ناواقف تھا۔کہنے لگا تم لوگ مدرز ڈے،فادرز ڈے کس طرح مناتے ہو۔اس وقت تک ہمارے ملک میں نہ شدت پسند تھے،نہ روشن خیال ہوتے تھے۔سیدھے سادھے مسلمان ہوتے تھے۔میں نے کہا ہم تو روز مدرز ڈے اور فادرز ڈے مناتے ہیں،وہ بولا کیسے؟ میں نے سادگی سے کہا کہ وہ ہمارے ساتھ اور ہم ان کے ساتھ رہتے ہیں۔بولا آپ لوگ بور نہیں ہوجاتے،،میں نے کہا کہ کیسی بوریت یہ تو ہمارے لیے نعمت ہوتے ہیں۔اگر ہم غلطی کریں گےتو وہ ہمیں صحیح راہ دکھاتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔وہ بولا پھر تم لوگ اپنی شادی کے لیے پارٹنر کیسے تلاش کرتے ہو۔میں نے کہا اکثر ان ہی کی پسند ہماری پسند سمجھی جاتی ہے۔البتہ وہ چناؤ کرتے وقت ہماری مرضی ضرور پوچھتے ہیں۔وہ بولا ایسی بلائنڈ شادیاں ناکام ہوجاتی ہے۔میں نے کہا کہ 2 تہائی سے زیادہ کامیاب ہوتی ہیں۔اس نے تعجب سے میری طرف دیکھااور بولا یہ کیسے ممکن ہے۔ہمارے میں تو 2 تہائی شادیاں اپنی پسند سے ہونے کے باوجود یکطرفہ یا دوطرفہ ناکامی کا شکار ہوتی ہیں۔بمشکل 8 سے 10 فیصد شادی شدہ جوڑے آخری وقت تک نبھاتے ہیں۔مگر

ہمارے یہاں علیحدگیاں کوئی پیچیدہ نہیں ہوتیں کیونکہ طلاق کی صورت میں بھی لڑکیاں گھاٹے میں نہیں رہتیں۔شوہر کی تمام جائیداد کا آدھا حصہ ان کو مل جاتا ہے۔ بچے کے بالغ ہونے تک اخراجات شوہر کو ادا کرنے پڑتے ہیں۔علاج معالجہ ضروری تعلیم حکومت کے ذمہ ہوتا ہے۔گھر نہ ہونے کی صورت میں حکومت گھر بھی دیتی ہے۔اور بے روزگاری الاؤنس بھی اس کی ذمہ داری ہے۔آخر وہ ہم سے 40 فیصد سے زیادہ ٹیکس کس لیے وصول کرتی ہے،حکومت کا کام ہی یہی ہے۔ابھی یہ باتیں ہورہی تھیں کہ دروازہ کھلا تو ایک خوبصورت لڑکی اپنے بوائے فرینڈ کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی اور باپ کو نظر انداز کرتی ہوئی پہلے کچن میں ماں سے ہیلو ہائے کیا،اپنے نئے بوائے فرینڈ سے ملوایا ،پھر پلٹ کر ڈرائینگ روم کی طرف آئی باپ سے ہیلو ہائے کی۔باپ نے اس کو مجھ سے ملوایا،اس نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا،میں جھجکا،کیونکہ ہمارے ملک میں اس وقت تک ایسا رواج نہیں تھا۔آہستہ سے ہاتھ بڑھا کر ملایا،یہ میرا غیر خاتون کے ساتھ پہلا مصافحہ تھا۔باپ لڑکے سے پوچھ رہا تھا کہ وہ اس کی بیٹی کے ساتھ کتنا مخلص ہے اور وہ کیا کرتا ہے اور آئندہ کا کیا پروگرام رکھتا ہے۔وہ اس لڑکی کے لیے کندھے اچکا اچکا کر ہاں ہوں کرتا رہا،پھر کھانا بھی ماں سے خود لگوایا۔میرے دوست نے اٹھ کر بیگم کی مدد کی،مگر نہ لڑکا،نہ لڑکی نے کوئی مدد کی۔جس کا مجھے بہت برا لگا۔

الغرض ہم کھانا کھا کر واپس ڈرائنگ روم میں آگئے،چائے اور کافی کا دور چلتا رہا۔سہ پہر میرے دوست نے اپنی بیٹی سے پانی مانگا تو مجھے تعجب کی انتہا ہوئی کہ جب لڑکی نے منہ بنا کر کہا ڈیڈی تم ابھی تک کاہلوں کی طرح اپنا پانی خود لانے کے بجائے مجھ سے ہی

مانگتے ہو۔بھول جایئے اب میں بڑی ہوگئی ہوں۔تمام برتن بھی اس کی بیگم نے خود سمیٹے اور خود ہی اکیلے دھوئے۔البتہ میرا دوست کبھی اس کی مدد کرتا رہا۔پانی بھی اس نے خود جا کر پیا۔یہاں معلوم ہوا کہ ہر شخص اپنا کام خود کرتا ہے۔میاں بیوی مل کر اپنے اپنے حصے کا کام خود کرتے ہیں۔صرف ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔شام ہوئی تو لڑکے نے لڑکی طرف دیکھا،لڑکی اٹھلاتی ہوئی اٹھی،ماں کو ایک تھیلا پکڑایا اور وِش کیا،باپ کی طرف ہاتھ ہلاتے ہوئے مجھ سے بھی جانے کے لیے ہاتھ ملا کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔یہ میری زندگی میں مدرز ڈے کی پہلی یادگار واردات ہوئی جو میں تعجب اور افسوس کے ساتھ غیر مسلموں کے درمیاں دیکھ رہا تھا اور ساتھ ساتھ سوچ رہا تھا کہ کم از کم ہم تو اپنے والدین کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں۔لیکن ہم بھی آہستہ آہستہ امیری کے ساتھ ساتھ روشن خیالی کی طرف گامزن ہوتے گئے۔اپنے پرائے اور پھر آہستہ آہستہ پرائے اپنے لگنے لگے۔یہ سلسلہ اب کہاں تک جائے گا۔راستہ ہم نے تو دیکھ لیا ہے،خیال اور کتنے روشن ہوں گے وہ اب ہمارے میڈیا اور معاشرے پر منحصر ہے اور جب وہ مجھے میرے ہوٹل چھوڑ کر واپس جا رہا تھا تو میں نے پوچھا کہ تم اپنے ماں باپ کے ساتھ مدرز ڈے اور فادرز ڈے مناتے ہو،اس نے کہا کہ ہاں مناتے تھے۔مگر اب ایسا نہیں ہے کیونکہ وہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔تب میں نے اس سے کہا کہ ہمارے والدین ہمارے ساتھ ہی رہتے ہیں اور ہر روز ہی ہمارے ماں باپ کے دن ہیں۔اس نے کہا کہ تم خوش قسمت انسان ہو،اس خاندانی سلسلے کو منقطع نہیں کرنا ورنہ ہر سال ہماری طرح بچوں کے بغیر زندہ رہو گے''[1]

---

[1] روزنامہ ''جنگ''،15 مئی 2016ء ص:9۔

عورت....اقبال کی نظر میں

شیخ صاحب بھی تو پردے کے کوئی حامی نہیں
مفت میں کالج کے لڑکے ان سے بدظن ہو گئے
وعظ میں فرما دیا کل آپ نے یہ صاف صاف
پردہ آخر کس سے ہو جب مرد ہی زن ہوگئے



یہ کوئی دن کی بات ہے اے مرد ہوش مند
غیرت نہ تجھ میں ہوگی نہ زن اوٹ چاہے گی
آتا ہے اب وہ دور کہ اولاد کے عوض
کونسل کی ممبری کے لیے ووٹ چاہے گی



اس بحث کا کچھ فیصلہ میں کر نہیں سکتا
گو خوب سمجھتا ہوں کہ یہ زہر ہے وہ قند
کیا فائدہ کچھ کہہ کے بنوں اور بھی معتوب
پہلے ہی خفا مجھ سے ہیں تہذیب کے فرزند
اس راز کو عورت کی بصیرت ہی کرے فاش

مجبور ہیں معذور ہیں مردانِ خرومند
کیا چیز ہے آرائش و قیمت میں زیادہ
آزادیٔ نسواں کہ زمرد کا گلوبند



نہ پردہ نہ تعلیم، نئی ہو کہ پرانی
نسوانیت زن کانگہبان ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زن وہ حقیقت کو نہ پایا
اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد



قصور زن کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں
گواہ اس کی شرافت پہ ہیں مہ و پرویں
فساد کا ہے فرنگی معاشرت میں ظہور
کہ مرد سادہ ہے بے چارہ زن شناس میں



(بانگ درااورضرب کلیم سے اقتباسات)

اے دخترِ اسلام

مظفر وارثی

لگتی ہے کلی کتنی بھلی شاخِ چمن پر
ہاتھوں میں پہنچ کر کوئی قیمت نہیں رہتی
جو شمع سرِعام لٹاتی ہے اجالے
اس شمع کی گھر میں کوئی عزت نہیں رہتی
تسلیم کہ پردہ ہوا کرتا ہے نظر کا
نظروں میں بھی برداشت کی قوت نہیں رہتی
مردوں کے اگر شانہ بشانہ رہے عورت
کچھ اور ہی بن جاتی ہے عورت نہیں رہتی
جھانک اپنے گریباں میں کیا ہو گیا تجھ کو
حیرت سے تجھے تکتا ہے آئینہ ایام
اے دخترِ اسلام
خود اپنی جڑوں پر ہی چلاتی ہے درانتی
بربادی احساس نمو مانگ رہی ہے

کب بخشی گئی ہیں تجھے آزادیاں اتنی
جو حق ہی نہیں ہے ترا تو مانگ رہی ہے
میں تو ترے ماتھے پسینہ بھی نہ دیکھوں
مجھ سے مری غیرت کا لہو مانگ رہی ہے
جنت ہے تیرے پاؤں میں فرمایا نبی نے
دریا پہ کھڑی ہو کے سبو مانگ رہی ہے
وہ رتبۂ عالی کوئی مذہب نہیں دیتا
کرتا ہے جو عورت کو عطا مذہب اسلام
اے دخترِ اسلام







